عمر فاروق@ون اردو

خطبات حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
کی موثر اور انقلاب آفرین تقریروں کا اہم مجموعہ

محاسن اسلام

تکمیل نعمت اسلام
نعمت اسلام مکمل دین ہے
احکام شریعت کا نام اسلام ہے
اسلام کی خوبیاں
اسلام کے منافع
مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا ضروری ہے
حقیقی اسلام

زمزم بک ڈپو دیوبند

عمر فاروق@ون اردو

خطباتِ حکیم الامت جلد نمبر ۸

اسلام کی خوبیاں

جدید وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ترتیب مواعظ

منشی عبد الرحمٰن خان

عنوانات

قاری محمد ادریس خاموش میرٹھی

زمزم بکڈپو دیوبند

۲۴۷۵۵۴

عمر فاروق@ون اردو

نام کتاب ---- محاسنِ اسلام
مصنف ---- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
باہتمام ---- اسعد واجدی
سنِ طباعت ---- اپریل ۱۹۹۸ء
قیمت

ناشر
زمزم بکڈپو دیوبند

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ
اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

○

ترجمہ

جو کوئی شخص بھی اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو
تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے اس کے پروردگار کے پاس پہنچ کر ،
اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

—— بیان القرآن ——

○

ترتیب

۱ — الاتمام لنعمۃ الاسلام تکمیلِ نعمت اسلام

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

۲ — الاتمام لنعمۃ الاسلام نعمتِ اسلام مکمل دین ہے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

۳ — الاتمام لنعمۃ الاسلام احکام شریعت کا نام اسلام ہے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

۴ — محاسن الاسلام اسلام کی خوبیاں

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

۵ — احسان الاسلام اسلام کے منافع

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

۶ — الدوام علی الاسلام مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا ضروری ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

۷ — الاسلام الحقیقی حقیقی اسلام

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تفصیل

تکمیلِ نعمتِ اسلام

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	امتنانِ نعمت	۱۵
۲	دین کی ناقدری	۱۸
۳	ترقی مطلوب	۲۱
۴	مذاق کا بگاڑ	۲۳
۵	محافظتِ دین	۲۴
۶	مسلم کی داخلی قوت	۲۶
۷	قوتِ اسلام	۲۸
۸	کیدِ نفس	۳۰
۹	صرفِ ہمت	۳۲
۱۰	بزرگی کے معنی	۳۴
۱۱	مشیوخ محققین کی وصیت	۳۵
۱۲	جوش و ہوش	۳۷
۱۳	روحانی قوت	۴۱
۱۴	اصل علاج۔	۴۲
۱۵	اہل کفر کو کفر سے مناسبت	۴۳
۱۶	اسلام اور تلوار	۴۶
۱۷	محبتِ اسلام	۴۸
۱۸	نورِ اسلام	۵۲
۱۹	اسلام کی ادنیٰ جھلک	۵۴
۲۰	مسلمان اور حقوقِ انسانی	۵۶
۲۱	تبلیغ اور سوال	۵۹
۲۲	بھلے بُرے میں تمیز	۶۸
۲۳	آدابِ تبلیغ	۷۰
۲۴	تبلیغ میں دو نیتیں	۷۷
۲۵	قانونِ اسلام کی رعایت	۷۸
۲۶	مفاسدِ چندہ	۸۲
۲۷	ترجمہ و تفسیرِ آیات	۸۵
۲۸	حاصلِ آیات۔	۹۸

نعمتِ اسلام مکمل دین ہے

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	تمہید ۱۰۱/ پسندیدہ نعمت	۱۰۱
۲	اقسامِ نعمت	۱۰۲
۳	دینی نعمت میں کمال	۱۰۴
۴	نعمتِ اسلام	۱۰۵
۵	امر بالمعروف	۱۰۶
۶	طرزِ نصیحت	۱۰۹
۷	اقسامِ نصیحت	۱۱۲
۸	خلوصِ نیت	۱۱۶
۹	اخلاص اور شہرت	۱۲۰
۱۰	کارِ پاکاں	۱۲۲
۱۱	مبالغہ فی النصیحت	۱۲۸
۱۲	ثمرہ پر عدمِ نظر	۱۲۹
۱۳	عملِ نمونہ	۱۳۰
۱۴	طریقِ باطن میں تربیت	۱۳۲
۱۵	مقتدایانِ اسلام	۱۳۳
۱۶	اہلِ اصلاح کی فکر	۱۳۴
۱۷	تبلیغ میں بے فکری	۱۴۱
۱۸	اجزائے اسلام	۱۴۴
۱۹	فوائدِ توحید	۱۴۵
۲۰	برکاتِ تقدیر	۱۴۷
۲۱	بزرگوں کی شانیں	۱۵۴
۲۲	اپنا ہی غم	۱۵۵

احکامِ شریعت کا نام اسلام ہے

۱	تمہید	۱۵۹
۲	عمومی غلطی	۱۶۰
۳	مقصودِ احکامِ شریعت	۱۶۰
۴	حقیقتِ علم	۱۶۶
۵	آثارِ منصوریت	۱۶۹
۶	بد دین عقلاء	۱۷۲
۷	مطلوبِ اہلِ باطل	۱۷۶
۸	دین اور مصالحِ عقلیہ	۱۷۸
۹	فلاسفہ کی بدفہمی	۱۷۹
۱۰	علاجِ فلاسفہ	۱۸۵
۱۱	دلائلِ عقلیہ کی بے بسی	۱۸۶
۱۲	امام رازیؒ کا فرمان	۱۸۸
۱۳	طالبِ علم اور سالک	۱۸۹
۱۴	عوام کے لئے جواب	۱۹۱
۱۵	مذہبِ عشق	۱۹۵
۱۶	جاہل صوفیاء	۱۹۶
۱۷	حیاتِ عشاق	۲۰۱

عمر فاروق@ون اردو

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۸	فلسفی اور سالک کی غلطی	۲۰۲
۱۹	حقیقت بلا و نعمت	۲۰۵

اسلام کی خوبیاں

۱	فضیلت اسلام اور تقسیم فضیلت	۲۳۵
۲		
۳	تفسیر آیۃ کریمہ	۲۳۷
۴	مغفرت کبائر بلا عذاب	۲۳۸
۵	مغفرت کبائر بلا عذاب پر	۲۳۹
	شبہ کا جواب ۱	
۶	" جواب ۲	۲۴۲
۷	" " ۳	۲۴۳
۸	" " ۴	۲۴۶
۹	شان نزول سے نصوص عامہ کی تخصیص	۲۴۷
۱۰	گناہ سے ناامیدی اور نیکی سے امید	۲۴۹
۱۱	کفر سے بڑا جرم	۲۵۱
۱۲	محدود کفر پر غیر محدود عذاب	۲۵۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	شبہ کا جواب ۱	
۱۳	جزاء و سزا میں نیت کا دخل	۲۵۳
	جواب ۲	
۱۴	اتلاف حقوق الٰہی کی سزا	۲۵۴
	جواب ۲	
۱۵	نعمت اسلام کی ناقدری	۲۵۵
۱۶	نعمت اسلام پر شکر	۲۵۵
۱۷	تدبیر حسن خاتمہ	۲۵۷
۱۸	دعاء بعد طعام میں شکر اسلام کی تعلیم	۲۵۷
۱۹	حسب جاہ کی حقیقت	۲۵۹
۲۰	شکر کے معنے	۲۶۱
۲۱	منافع اسلام	۲۶۲
۲۲	تکمیل اسلام	۲۶۳
۲۳		
۲۴	کتابی علم	۲۶۷
۲۵	خوشامد کی خرابی	۲۷۲
۲۶	ضرورت صحبت	۲۷۹
۲۷	قلبی دولت	۲۸۱
۲۸	فہم فہم	۲۸۴

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۹	تبلیغِ اسلام	۲۸۶
۳۰	شقتِ اولیاءاللہ	۲۹۰
۳۱	تدبیرِ تبلیغ	۲۹۵
۳۲	تعلیمِ اسلام کی خوبی	۲۹۸
۳۳	توحید کی خوبی	۳۰۰
۳۴	شبہ معبودیتِ کعبہ	۳۰۵
۳۵	حکمتِ استقبالِ قبلہ	۳۱۰
۳۶		
۳۷	تقبیلِ حجر	۳۱۳
۳۸	تکمیلِ توحید	۳۱۵
۳۹	نماز کی خوبی	۳۱۸
۴۰	زکوٰۃ کی خوبی	۳۱۸
۴۱	حج کی خوبی	۳۱۹
۴۲	حسنِ معاملہ	۳۲۱
۴۳	حسنِ معاشرۃ	۳۲۱
۴۴	جرأتِ اعتراض	۳۲۵
۴۵	حقانیتِ اسلام	۳۲۶
۴۶	سببِ مشروعیتِ جہاد	۳۲۸
۴۷	اختتام	۳۲۹
	؞	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	اسلام کے منافع	
۱	تمہید	۳۳۲
۲	مسلک اہل سنت	۳۳۵
۳	حضورِ قلب کی حقیقت	۳۳۶
۴	حضورِ قلب اختیاری ہے۔	۳۳۸
۵	حق تعالیٰ کی رعایتیں	۳۳۹
۶	دین اور معاش	۳۴۳
۷	ضرورتِ علماء	۳۴۶
۸	خدا کو بندے سے تعلق	۳۴۷
۹	رُوحِ دنیا	۳۴۸
۱۰	معرفت و محبت	۳۴۹
۱۱	اثرِ معرفت و محبت	۳۵۲
۱۲	عارفین کے نزدیک حقیقتِ موت	۳۵۵
۱۳	کمالِ نظرِ معرفت	۳۵۸
۱۴	غلط دعویٰ پر رد	۳۶۲
۱۵	دنیوی بڑائی کی خرابی	۳۶۶
۱۶	دین کی بڑائی کی خرابی	۳۶۷
۱۷	حقیقتِ اسلام	۳۷۰
۱۸	آزادی کے غلط معنی	۳۷۲
۱۹	خود بینی و خود رائی	۳۷۴
۲۰	لطائف آیت	۳۷۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا ضروری ہے	
۱	دستور العمل	۳۸۱
۲	کفر عملی	۳۸۳
۳	ضرورت علم کلام	۳۸۵
۴	تدقیقات سے احتراز	۳۸۷
۵	علوم کشفیہ کا مطالعہ	۳۷۹
۶	علوم کشفیہ اور تصوف	۳۹۳
۷	علماء کی احتیاط	۳۹۳
۸	معلومات اور مجہولات	۳۹۵
۹		
۱۰	جواب جاہلاں	۴۰۴
۱۱	تسہیل وتکمیل عمل	۴۱۱
۱۲	لذت پریشانی	۴۱۷
۱۳	تفویض پر مداومت	۴۲۴
۱۴	عوام کی بے فکری	۴۳۱
۱۵	تفویض معتبر	۴۳۱
۱۶	معنی تفویض	۴۳۴
۱۷	تدبیر مشروع	۴۴۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	حقیقی اسلام	
۱	حکم اظہار مشرب	۴۴۴
۲	ہمارے دعوی اسلام کی حقیقت	۴۴۵
۳	منافقین اور اسلام	۴۴۶
۴	خشیت صحابہؓ	۴۴۹
۵		
۶	کسی کو کافر کہنا	۴۵۳
۷	فتوی کفر میں احتیاط	۴۵۴
۸	کافر بنانا یا بتانا؟	۴۵۶
۹	ضعیف ترین ایمان	۴۵۸
۱۰	تخصیص رحمت	۴۵۹
۱۱	تعدد ذرائع مغفرت	۴۶۲
۱۲	اختلاف مسائل کی حقیقت	۴۶۳
۱۳	فرقہ ناجیہ	۴۶۴
۱۴	مسئلہ وحدۃ الوجود	۴۶۹
۱۵	درجات وحدت الوجود	۴۷۵
۱۶	صاحب حال کی خطاء	۴۷۶
۱۷	اہل حال کا احترام	۴۷۷
۱۸	اہل حال کی نقالی	۴۷۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۹	صاحب ایمان معذور ہے	۴۸۱
۲۰	کون سا مذہب مقبول ہے	۴۸۳
۲	اسلام کامل کی تعریف	۴۸۶
۲۲	اسلام کامل کے جزو	۴۸۶
۲۳	کمال اسلام کے بارے میں تفصیل	۴۸۶
۲۴	احکام تمدن و معاشرت و رسومی حسنہ	۴۸۸
۲۵	مسئلہ شبہ	۴۹۱
۲۶	احکام تشریح و مصالح دنیوی	۴۹۲
۲۷	اسلام کے نادان دوست	۴۹۶
۲۸	ارکان اسلام کی فلاسفی	۴۹۷
۲۹	مصالح شرعیہ حکمت ہیں نہ کہ حکم	۴۹۹
۳۰	قانون الٰہی کے سامنے حجت	۵۰۱
۳۱	تکوینیات میں حق تعالیٰ کا تصرف	۵۰۲
۳۲	آیت کی مرجعیت	۵۰۳
۳۳	حق تعالیٰ کے تصرف کی حقیقت	۵۰۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۴	تصرف ثانی کی حقیقت	۵۰۶
۳۵	اسباب کی حقیقت	۵۰۸
۳۶	اخلاق اور اسباب	۵۰۹
۳۷	ادوم ترسا تابیر کی حقیقت	۵۱۰
۳۸	شریعت میں حق تعالیٰ کا تصرف	۵۱
۳۹	فلاسفی سوچ	۵۱۴
۴۰	اصل توحید کا ثمر	۵۱۵
۴	حق تعالیٰ اور بہت میں تعلق	۵۱۹
۴۲	نماز پنجگانہ کی حکمت	۵۲۰
۴۳	بناء احکام و مصلحت	۵۲۲
۴۴	منفعت و عقل ناقص	۵۲۳
۴۵	عقل سے صحیح کام لینے کا طریقہ	۵۲۴
۴۶	عجائبات قدرت	۵۲۵
۴۷	عقل پرستوں کی بے عقلی	۵۲۷
۴۸	تکرار سے ہے کا اثر	۵۲۹
۴۹	قوت عقل کی حد	۵۳۰
۵۰	مومن کا کام	۵۳
۵۱	آیت میں لفظ محیای و مماتی کا نکتہ	۵۳۳

نمبر	مضامین	صفحہ
۵۲	[illegible]	۵۳۵
۵۳	[illegible]	۵۳۷
۵۴	[illegible]	۵۳۹
۵۵	[illegible]	۵۴۰
۵۶	[illegible]	۵۴
۵۷	[illegible]	۵۴۲
۵۸	[illegible]	۵۴۵
۵۹	[illegible]	۵۴۹

نمبر	مضامین	صفحہ
۰	[illegible]	۵۴۹
	[illegible]	۵۵
۶۰	[illegible]	
۶۲	[illegible]	۵۵۳۱
۶۳	[illegible]	۵۵۴
۶۴	[illegible]	۵۵۵
۶۵	[illegible]	۵۵۶
۶۷	[illegible]	۵۵۸

محمد فاروق @ ...

زبان کی حفاظت

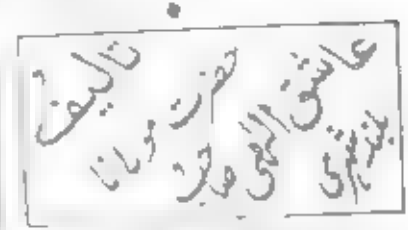

زبان اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، جس طرح ہر نعمت ہے اسی طرح یہ بے حد نازک اور حساس چیز بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ اوندھے منہ جہنم میں اسی زبان کے باعث ڈالے جائیں گے۔ اس لئے زبان کی حفاظت کے سلسلہ میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری کی ایک بڑی اور بڑی مفید کتاب "زبان کی حفاظت" منظر عام پر آئی ہے، جس کا مطالعہ تمام مسلمانوں کے لئے بے حد ضروری ہے، ہمیں اس فرصت میں اس کتاب کو حاصل کریں۔ حضرت مولانا شاہ محمد زکریا صاحب اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "تمام مسلمانوں سے عموماً اور اپنے احباب سے خصوصاً درخواست کرتا ہوں کہ اس رسالہ کو خود پڑھیں۔ گھروں اور مسجدوں میں اور مجلسوں میں سنائیں"

کتاب بہت اہم ہے۔ قیمت صرف ۲۰/ روپے

زمزم بکڈپو دیوبند

[illegible]

الاتمام لنعمۃ الاسلام

کے بارے میں

تکمیل نعمتِ اسلام

یہ وعظ قصبہ ریواڑی میں مولوی عبدالرحیم صاحب کے مکان پر کرسی پر بیٹھ کر بعد ۲۰ نومبر ۱۹۲۷ء کو ارشاد فرمایا۔ ۳ گھنٹے ۲۵ منٹ تک بیان جاری رہا

سامعین کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔

مولوی ظہور علی صاحب سلیمی نے قلمبند فرمایا

[illegible]@[illegible]

○

اسلام کو ظاہری تلوار کی حفاظت کی کبھی قوت حاصل نہیں ہے۔ کسی کے دھوکا دینے کی کوئی داد نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے، اسلام اپنے ذاتی نور و برکات کی وجہ سے پھیلا ہے۔ اس کی کوئی کمی کسی میں ہے کہ قلوب کو کھینچ لیتی ہے اگر اس کی اساس کو دیکھا جائے تو وہ کبھی مغلوب نہ ہوتے رہے کسی نے زور زبردستی نہیں کی۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا۔ بلکہ اپنے حسن و خوبی سے پھیلا ہے اور وہ اب بھی اسی طرح پھیل رہا ہے۔

منوز آں ابر رحمت در فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

از حضرت حکیم الامت

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ
ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا
من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ۔
ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد
ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وصحابہ وبارک وسلم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○
الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون الیوم
اکملت لکم دینکم وتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا
فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم ○

امتنانِ نعمت

یہ ایک لمبی آیت کا ایک ٹکڑا ہے، اس میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک نعمت پر امتنان ظاہر فرمایا ہے اور جس نعمت پر امتنان ظاہر فرمایا ہے وہ نعمت

بھی حق بنتی ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف نعمت نہیں ہے سب نعمتیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں اس نعمت پر اس نے آقا کا شکر ادا کرنا اس کا حق ہے اس کے حقوق ادا کریں۔ اور متنبہ ہو کر اس پر عمل کرنا شروع کریں جو نعمت کا حق ہے شکر ادا کرنا درست کہا ہے کہ اس نعمت کے متعلق نعمت کے حق کا متاثل لیا جائے۔ جو وہ کہے اس پر عمل کیا جائے۔ مثلاً مال ایک نعمت ہے اس کا حق یہ ہے کہ غریب پر خرچ کرے۔ یتامیٰ و مساکین کی دستگیری کرے یہ نعمت کا حق ہے اسی طرح ہاتھ پاؤں نعمت میں ان کا حق یہ ہے کہ دوسرے کی عاجت کرے نیک کاموں میں ان کو لگاوے غرض ہر نعمت کا ایک حق ہوتا ہے۔ جیسی نعمت ہوتی ہے ویسا ہی اس کا حق ہوتا ہے۔ تو جو نعمت سب سے بڑی ہو گی اس کا حق بھی بڑا ہو گا اور جب اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی ہو گی، اس وقت اس کوتاہی پر متنبہ کرنا بھی ضروری ہو گا یعنی جب اس کی طرف التفات نہ کیا جاوے تو متوجہ کر التفات کرایا جاوے گا۔ چنانچہ اس آیت میں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک نعمت کو بیان فرمایا جس کا حق ادا کرنے میں ہمیں کوتاہی ہو رہی ہے، ہمیں کو اس کی طرف توجہ ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ اور یہ تو بڑی بات ہے اس کا حق ادا کریں ہمیں یہ ہے کہ اس نعمت ہونا بھی معلوم نہیں۔ دلیل سن کر ہو گے، اس کو نعمت بھی نہیں سمجھتے، یہ ہے کہ ہر کسی کے کچھ لوازم ہوتے ہیں۔ یہ ایک مقدمہ ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ لوازم کے منتفی ہونے سے ملزوم بھی منتفی ہو جاتا ہے۔ مثلاً آگ کے لئے گرمی لازم ہے، جہاں آگ ہو گی، اس کے آس پاس گرمی بھی ہو گی۔ اب اگر کہیں آگ ہونے کا دعویٰ کیا جاوے اور گرمی نہ ہو تو یہ سمجھا جاوے گا کہ وہاں آگ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ہر لازم و ملزوم میں یہ بات ہے کہ جہاں ملزوم ہو گا لازم بھی ضرور ہو گا۔ اور اگر لازم نہ پایا جاوے تو معلوم ہو گا کہ ملزوم بھی نہیں ہے۔ جب یہ قاعدہ سمجھ لیا تو اب سمجھئے

اس آیت میں جو نعمت مذکور ہے اس کو نعمت سمجھنے کے بھی کچھ لوازم ہیں۔ اگر وہ ہمارے اندر موجود نہیں تو ملزوم بھی نہیں یعنی ہم کہیں گے کہ اس نعمت کو نعمت ہی نہ سمجھا، اگر نعمت سمجھتے تو اس کے لوازم بھی ضرور پائے جاتے۔ دیکھئے اگر کسی شخص کے پاس بہت بڑا قیمتی ہیرا پڑا ہو۔ اور وہ اس کو زمین پر پھینک کر بیٹھ جاتا ہو، گھسیٹتا پھرتا ہو، نہ اس کے ضائع ہونے کا خیال کرتا ہے، نہ چوری جانے کی پرواہ کرتا ہے، جہاں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے، تو اس موقع پر سب یہی کہیں گے کہ اس نے اس ہیرے کی قدر نہیں کی۔ اس نے اس کو قیمتی ہی نہیں سمجھا، کیونکہ اگر اس کی نظر میں قدر ہوتی تو اس کی نگہداشت کرتا، یہ حرکت نہ کرتا۔ اگر قیمتی سمجھتا تو موقع کا لحاظ کرتا ہے موقع جگہ سے اس کی حفاظت کرتا۔ جب حفاظت نہ کی تو سمجھ جائے گا کہ اس کو قیمتی ہی نہیں سمجھا گیا۔ غرض اسی طرح ہر لازم و ملزوم میں یہ قانون ہے کہ انتفائے لازم سے ملزوم منتفی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی ایک قسم نعمت ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اس نعمت کا نام اسلام ہے، اور اس نعمت کا دوسرا نام بطور لقب نعمت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ اس میں اول تصریح ہے نعمت ہونے کی پھر نام لے کر بتلا دیا کہ وہ نعمت کیا ہے وہ اسلام ہے۔ کسی استنباط اور استدلال کی بھی حاجت نہیں رہی۔ بلکہ حق تعالیٰ نے تصریح کر دی اس کے نعمت ہونے پر۔ یعنی بعض جگہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کا نعمت ہونا استدلال سے ثابت کیا جاتا ہے۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ نص میں خود مصرح ہے کہ وہ نعمت ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ وہ نعمت کیا ہے اسلام ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسلام کا نعمت ہونا ظاہر فرمایا ہے اور اس نعمت اسلام پر احسان و امتنان کو ظاہر فرمایا ہے۔

دین کی ناقدری

جب اس نعمت کی تعیین ہو گئی تو اب اس دعوی کو سمجھئے جو میں نے بھی کہا تھا کہ اس کی عرف عام کی کثافت ہی نہیں رہا ہے۔ لوگ اس کو نعمت ہی نہیں سمجھتے اب میں اس کو ثابت کرتا ہوں ہر شخص سمجھ لے اور اپنے قلب کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ اس کو اور نعمتوں پر بھی نعمت سمجھتا ہے۔ دیکھئے کھانا کھا کر شکر کرتے ہیں کہ یہ تیرا شکر ہے، روٹی ہم نے کھائی۔ پانی پی کر شکر کرتے ہیں کہ یہ تیرا شکر ہے۔ کہیں حصے آتے ہیں تو ہر حصہ کی نعمت و ثلاثت کو یاد کر کے اللہ تیرے بیٹے و بیٹی کو دیکھ کر لیتے ہیں کہ یہ تیرا شکر ہے۔ کوئی مقدمہ دائر ہو اور اس میں ہار جانے کا قیدہ کا اندیشہ ہو اس سے بچ جائے بری ہو جاویں تو کہتے ہیں کہ یہ تیرا شکر ہے۔ لڑکی نے بھی یہ بھی کہا کہ یہ تیرا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں، ہم نعمت اسلام سے نوازے گئے ہیں، ہر شخص اس کو نعمت سمجھتے تو جیسے اور نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اس کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے تھا، بلکہ سب سے زیادہ کرنا چاہیے تھا، کیونکہ دین و دنیا کی ساری بہبودی اسی کی بدولت ہے مگر یہاں ایک مرتبہ بھی زبان پر نہیں آتا کہ یہ بھی تیرا شکر ہے۔ اور مستقل تو یہ شکر کرتے دوسری نعمتوں کے ساتھ منضم کرنے بھی اس پر شکر نہیں کرتے۔ حالانکہ شارع علیہ السلام نے اس کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ اگر تم سے مستقل کا شکر ادا نہ ہو سکے تو دوسری نعمتوں ہی کے ساتھ ملا کر کر لیا کرو۔ چنانچہ کھانے کے ساتھ حکم ہے کہ کھانے پر شکر کرتے وقت نعمت اسلام کا بھی شکر ادا کرو۔ کھانے کے بعد جو دعا آتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔ یعنی تمام حمد اس ذات کے لئے ہے،

کے ہوتے کی کیا حقیقت ہے۔ اس سے بڑھ کر ہوا کہ ستارہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو شالہ تو میرے باپ کی کمائی کا ہے جو دستہ تجھ کو ملا ہے وہ تو میری کمائی کا ہے صاحبزادی حالت عام ہے کہ ہم دو شالے جوتی کو چھوڑتے ہیں۔ وہ ستارہ دین سے اور ادھوری کا جو دنیا ہے۔ ہم دین کو دنیا کے لئے برباد کرتے ہیں دین کی کچھ وقعت ہمارے دل کے اندر نہیں ہے۔ بس جیسے یہ شخص دو ستارے جو تا چھوڑ رہا تھا ہے تو بھی دین سے دنیا چھوڑ رہے ہیں یعنی دین کے ذریعہ سے دنیا حاصل کر رہے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دین کو کوئی چیز نہیں سمجھتے ہیں۔ پھر اس حالت کے اعتبار سے ہم میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ اپنے کو دیندار سمجھتے ہیں۔ وہ تو دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہی نہیں ہے یا نہ ہے اس کی پرواہ نہیں۔ دنیا ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ یہ لوگ تو دین کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ بے نفس ہیں کہ بدنامی سے نہیں ڈرتے۔ بڑا اعتراض سے نہیں چھوٹتے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین ان کو بزرگ ہی نہیں سمجھتا تعظیم تو کا ہی نہیں تو کوئی بات خلاف شرع کرنے سے ان کو بدنامی ہی ہو گی۔ کیونکہ بدنام جانتا ہے کہ یہ تو عیاش بدمعاش ہیں ہی اور یہ وہ ہیں کہ ظاہر میں تقی اور زاہد بنے ہوئے ہیں یہ وہ ہیں جو بظاہر دنیا کو دین پر مقدم کرتے ہیں ظاہر تو مقدم کرتے ہیں بڑے عمدہ صلحا سمجھے جاتے ہیں۔ مگر بعض ان میں بھی ہے کہ جہاں دین و دنیا جمع ہوتے ہیں وہاں دنیا کو دین پر ترجیح دیتے ہیں۔ مگر کس خوبصورتی سے کہ ایک بڑی تاویل کر کے اس دنیا کو بھی برنگ دین ظاہر کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ یہ وہی حالت ہے یخادعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔ جب گناہ کریں گے۔ تو غلط تاویل کر کے اور کر غلط فتوی کسی اثر سے لیں گے تو اس کی بھی توجیہ کریں گے۔ حالانکہ اس تاویل اور فتوی کا غلط ہونا اور اس کا بطلان ان کو بھی معلوم ہے۔ مگر بعض واہیات خرافات تاویلیں اس لئے

کرتے ہیں تاکہ وہ تاویلیں وقت پر سہل ہو سکیں اور کوئی بد دینی نہ کھلے۔ ان کے تقوے میں دھبہ نہ لگے۔ غرض یہ بھی دین کو دنیا کے تابع بناتے ہیں۔ بہرحال دونوں حالت میں دین ہی بیچارہ ہی ہوئی خواہ دین کی کھلم کھلا مخالفت کی جائے یا دنیا کو رنگین بنایا جائے۔ بہرصورت وہی مثال ہوئی نہ دو ستاروں سے ادھوڑی کے جوتے کو جھاڑ لیا۔

ترقی مطلوب

تعجب ہے کہ مسلمان دنیوی نعمتوں کو دین پر ترجیح دیتے ہیں اور صرف بیقدری ہی نہیں اس سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ اس سے اعراض اور تنگی ظاہر کرتے ہیں۔ کبھی کھلم کھلا اور کبھی کسی پردہ میں اس سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھنؤ میں ایک کمیٹی ہوئی جس میں اس پر بحث تھی کہ مسلمانوں کے تنزل کا سبب کیا ہے؟ میں اس وقت لکھنؤ میں تھا، ایک شخص میرے پاس آیا کرتے تھے وہ اس مجمع میں موجود تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ اس کمیٹی کا آخری فیصلہ یہ ہوا کہ خود اسلام ہی سبب تنزل کا جب تک اسلام باقی ہے اس وقت تک ہم ترقی کر نہیں سکتے۔ یہی مانع ترقی ہے۔ خود جانئے یہ لوگ ترقی کس کو سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی کا ذریعہ وہ ہے جس سے مال و جاہ بڑھے۔ اگر مال و جاہ حاصل ہے تو ترقی حاصل ہے ورنہ نہیں حالانکہ حقیقت کو دیکھنا چاہیئے کہ درحقیقت ترقی کس کا نام ہے۔ آیا ہر ترقی کو ترقی کہتے ہیں یا اس میں نافع و ضار کا بھی فرق ہے۔ کیونکہ بالاتفاق بعض ترقی نافع ہوتی ہے اور بعض ضرر پہنچاتی ہے۔ تو کون سی ترقی مطلوب ہے صرف ترقی نافع یا کہ نافع و ضار میں کچھ فرق نہیں غالباً ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ترقی نافع ہی مطلوب ہے۔ اور جو ترقی مضر ہو اس کو کوئی ترقی نہیں کہہ سکتا تو اب دیکھنا چاہیئے کہ آیا مال و جاہ دین کے برابر نافع ہے یا نہیں مطلق مال و جاہ کے نافع ہونے سے مجھ کو انکار نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دین کے

سر بھی ان کا نفع ہے یا نہیں اس کی یہی مثال ہے جیسے کسی نے ترقیوں کی تھیں تو اس نے ان کو تھیلی میں بھر لیا آگے بیل بھیجنے کو نہیں ہیں تو اس نے ترقیوں کو بھیجنے کو نہیں تھیلی میں ڈالا ہے یہ بھی نافع ہیں یا نہیں اس حیثیت ہیں کہ ترقیوں کو ضائع رکھنے سے بعد ان کو بھیجنے سے بعد نافع ہیں مگر اس درجہ نافع نہیں کہ سارا مضائع ہونے کے بعد بھی ان کا نفع معتد بہ ہو یہ تخصص سمجھ سکتا ہے کہ ان اعمال کا نفع تو دنیا میں ہے اور ان کا نفع دنیا و آخرت دونوں میں ہے آخرت میں تو ان کا نافع ہونا مسلم ہے، باقی دنیا میں بھی یہاں بھی سے زیادہ نافع ہے ہم شاہد ہیں اس کو ثابت کر دوں گا یعنی اس سے نفع بھی ظاہر ہے کہ سارا دنیا عاجز آخرت کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے نفع دنیوی کے مقابلہ میں نفع دینوی بھی کوئی چیز نہیں ہے دونوں عالموں کی مثال بہ حدیث میں مذکور ہے حدیث یہ ہے کہ اگر ایک نلکی سمندر میں ڈالی جاوے تو اس میں کچھ پانی سمندر کا لگ جائے گا سو جو نسبت اس نلکی میں لگ جانے والے پانی کو سمندر کے پانی کے ساتھ ہے یہی نسبت دنیا و آخرت کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پانی کو سمندر کے پانی سے کیا نسبت ہے اب آخرت میں اگر کسی کو دنیا کی وجہ سے نفع نہ ہو بلکہ ضرر ہونے لگے تو وہ مال کیا نفع دے سکتا ہے۔ یہ جب مال دین کے مقابلہ میں نافع نہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر ترقی مطلوب نہیں بلکہ بعض ترقی مذموم بھی ہوتی ہے اور ترقی مضر کو ترقی نہیں کہہ سکتے۔ مگر ہر ترقی کو یہ مطلوب ہو تو کسی کے گرخ ہو یا کوئی پھوڑا دنبل بن جائے اس کو بھی ترقی سمجھنا چاہیے۔ یہ مذموم ہے کہ جگہ میں ورم تو ضرور ہوتا ہے سو یہ بھی ترقی ہی ہوئی۔ ایسی چاہیے۔ پھوڑے اور دنبل کو ترقی سمجھ کر علاج نہ کرے ڈاکٹر کو آپریشن نہ کرنے دے کہ واہ تمام بڑا تو پھوڑا ہے یہ سے بدن میں کس قدر ترقی ہوئی ہے۔ آپریشن سے تنزل ہو جائے گا۔ ہاں گھٹ جائے گا یوں سمجھا

[illegible] ترقی نہیں سمجھتا [illegible] زیادتی ہے [illegible] ترقی [illegible] ترقی سمجھتا ہے [illegible] ترقی [illegible] ترقی [illegible] [illegible] [illegible]

سے ماذ و کمال ہیں تو بہت ہی اچھا ہوتا، دسلام و ترقی ہو استغفر اللہ کیا تربیت دو دین کی سائی ہوئی ہے۔ غرض اس طرح خود مسلمانوں کا مذاق بگڑ گیا ہے سعدی فرماتے ہیں ؎

ہرکس ز دست غیب مارند ؎ سعدی ز دست خویشتن فریاد

محافظت دین

سعیدوں کا شیوہ رہا ہے یا تو ملک ہاتھ سے جاتا ہے خود ہی اسلام کو ضرر پہنچا رہے ہیں خود مسلمان ہی اسلام کی بڑ کھود کر رہے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی درخت کو باغ میں لگا ہوا ہو اور باغ کا مالی اس کی خدمت نہیں کرتا، پانی نہیں دیتا کبھی اس کی خبر گیری نہیں کرتا دفعتہً اس بھینسے نے آکر دھکا دے کر درخت کو گرا دیا، تو یہاں بھینسے کی شکایت نہیں کی جائے گی کہ اس نے ضرر دیا بلکہ حقیقت میں مالی نے ضرر دیا ہے، بھینسے نے نہیں گرایا ہے۔ اس نے پانی نہ دے کر اس کی جڑ کمزور کر دی، ورنہ اس کی جڑ تو اتنی تھی کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء وہ تو اتنا بڑا مضبوط درخت تھا ؎

ہرگہ بافولاد بازو پنجہ کرد ؎ ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

مگر اس نے پانی نہ دے کر اس کی جڑ کو لیا کمزور کیا کہ ذرا سے ہوا کے جھونکے سے گر پڑا یا کسی کا ہاتھ لگا اور گر گیا جب اس کی یہ حالت ہے کہ ذرا سے اشارہ سے گر پڑتا ہے پھر بھینسے کی ٹکر تو بڑی چیز ہے صاحبو! یہی حال ہم نے اپنے اسلام کا کر رکھا ہے۔ یاد رکھو جب بھی اسلام کو ضرر پہنچا ہے، اہل اسلام ہی کے ہاتھ سے پہنچا ہے ورنہ یہ دین ایسا ہے کہ اس کو کوئی قوت کمزور نہیں کر سکتی۔

اگر ہم سلام کریں گے تو ہمیں سلام کیا جائے گا۔ اگر ہم نماز پڑھیں گے تو ہمیں نماز پڑھنے والا سمجھا جائے گا۔ غرض خدا کی حفاظت ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کو نشان زد کر دیا جائے تب بھی محفوظ رہے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کی ہدایات کو دیکھو اس پر عمل کرو اور حفاظت کرو ان نشانوں کی جو قائم کیے گئے ہیں تاکہ ضائع نہ ہونے دیے جائیں۔ اگر کوئی کہے کہ جب ہماری حفاظت کی بھی ضرورت ہے تو اللہ میاں کی حفاظت کیا ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عقیدہ تمام سے کہ کوئی فعل بھی خدا کی تائید کے نہیں ہو سکتا۔ جب یہ مقدمہ اچھی طرح یقین ہو گیا تو اب سمجھ لے کہ ہر فعل خاص قسم کی حفاظت دیں ہیں اس کی تائید کی محتاج ہے قرآن کی حفاظت تمہاری حفاظت کی محتاج ہیں بلکہ تمہاری حفاظت خود ان کی حفاظت کی محتاج ہے مگر جاہلوں کو یہی سمجھ نہیں آتی کہ کونسی حفاظت کا طور تمہاری محتاج حفاظت سے علیحدہ ہے۔ اگرچہ تائید اس کی پہلے ہوتی ہے پس اللہ تعالیٰ کے یہ معنی ہیں کہ تم اس کو کرو بھی حفاظت کرو جس میں تم اس کی تائید کے محتاج ہو تو اللہ تعالیٰ پھر عنایت سے تمہاری حفاظت فرما دیں گے جس سے ان کی حفاظت کا ظہور ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ہے اس سے یہ معنی نہیں کہ اب کسی کو حفاظت کی ضرورت نہیں ہی بلکہ اس کی حفاظت کے یہ معنی ہیں کہ اس کو محفوظ رہنے کا حکم دیا۔ سامان پیدا فرما دیا جس سے ہم اس کے محتاج رہتے ہیں وہ ہماری سعی کو بروئے فرماتے ہیں۔ اگر کسی طرح سے حافظہ ہو تو قرآن بھی یاد رہے۔ چنانچہ بہت سے لڑکے حافظ بنتے ہیں مگر نہیں ہوتا۔ لیے ہی بہت سے بڑے آدمی جو اس پر ہی عمر کے بہت چاہتے ہیں۔ حفظ نہیں ہوتا۔ کسی کو فرصت نہیں ملتی۔ کسی کے پاس مال جمع نہیں ہوتا۔ اس کے مقابل بعض کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ اب اگر کوئی آدمی حافظ ہو جاوے تو یہ نہیں کہے گا کہ اس نے کوشش کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو کامیاب کر دیا۔ خوب سمجھ لو۔ اور اس کے نظائر دیکھ لو۔ مثلاً کھیتی کرنا ہے تو لیا اس میں بندہ کو کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ کہ نہ زمین کو

[illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے [

ہو تو حفاظت [illegible] اور وہ سامی فون کر سرقوت
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

جب قوم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ملک کی
حفاظت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[

اگر داخلی قوت کمی ہو جاوے تو خارجی قوت کی زیادہ ضرورت نہیں ہے پہلے زمانہ میں لوگ ہمارے بزرگوں کو دیکھ کر ان کے اخلاق کی طرز معاشرت کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے کوئی روپیہ یا سپاہ کی سے مسلمان نہیں بنتے تھے مگر اب اسلام خوب اخلاق خوب معاشرت گندی معاملات خوب مگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تو ہماری کیا چیز دیکھ کر ہو؟ —

قوت اسلام

اور اس مقام پر ایک تنبیہ کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ اکثر مقررین کی زبان پر یہ جملہ آتا ہے کہ اسلام ضعیف ہو گیا شاید کوئی میرے کلام کو بھی سی پر محمول کرے سو خوب سمجھ لو کہ اسلام کے دو درجے ہیں ایک اسلام کی ذات اور حقیقت اور ایک اہل اسلام کی صفت اور حالت۔ سو میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام اپنی حقیقت کے درجہ میں مختل ہو گیا۔ ہرگز نہیں وہ تو اب بھی اپنی اسی آب و تاب پر ہے۔ اس کی تو یہ حالت ہے ؎

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں ست خم و خمخانہا پر دنشاں ست

بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارا اسلام ضعیف ہو گیا ہے یعنی ہماری اسلامی حالت مختل ہو گئی۔ باقی یہ جو آجکل لیکچراروں کی زبان پر ہے کہ اسلام ضعیف ہو گیا، جس کا مفہوم قرآن سے یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں ضعیف ہو گیا۔ سو یہ بالکل غلط ہے وہ ہرگز ضعیف نہیں ہے، وہ اپنی ذات میں کامل مکمل ہے اور کبھی اس میں ضعف نہیں آ سکتا۔ اسلام اس وقت ضعیف ہو سکتا ہے کہ نعوذ باللہ خدا ضعیف ہو جاوے خداوند کریم کے ہوتے ہوئے اسلام کبھی ضعیف نہیں ہو سکتا۔ یہ غلط محاورہ زبان پر چڑھا ہوا ہے آج کل اسلام ضعیف ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ضعف اسلام کے

کی معنی ہو گئے کہ اسلام جو قانون الٰہی ہے وہ ضعیف ہو گیا تو یہ مکمل غلط ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ وہ اسلام جو ہماری بات حاصل صفت ہے وہ ضعیف ہو گیا تو جو یہ صفت کے ساتھ متصف تھے اس میں کمی آگئی تو مسلم ہے مگر پھر سیدھی بات یوں کہیں، یہ کہو کہ آج کل ہم کمزور ہیں۔ اسلام میں ایسا لفظ نہیں ہے جس سے غلط معنی کا شبہ پڑتا ہے یوں کہہ سکتے ہو کہ اسلام ضعیف ہو گیا اس میں تو وہ آتا ہے اسلام پر۔ لفظ بن ستم ہیں پڑتے ہیں وہ اس کا مطلب یہ سمجھیں گے کہ بس مذہب اسلام ہی ضعیف ہو گیا ہے ایسے موہم الفاظ کو چھوڑنا چاہیئے۔ الغرض ہم لوگوں سے ضعف کو اسلام کی طرف منسوب کرنا ہے حیرت کی بات ہے اس قدر کہہ کے یہ ٹھکانہ بنے یہ کا دعوی کی تو تاہی تو تھی، اسلام پر ڈال دی۔ وہی حال ہے کہ ؎

حملہ بر خود می کنی اے سادہ مرد ... ہیچ آں تیرے کہ بر خود حملہ کرد

ہمارے نبی کریم ﷺ نے ایک حبشی کو راستہ میں ایک آئینہ پڑا ہوا ملا آپ نے اس میں اپنی حسین صورت کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کی صورت جیسی ہوتی ہے سب کو معلوم ہے آئینہ میں جب اپنی بری صورت دکھائی دی تو غصہ کر آئینہ کو پتھر پر دے مارا اور ایسا ایسی بھدی صورت کا تھا جبھی تو وہ راستہ میں پھینک گیا۔ تو جیسے اس حبشی نے اپنی بدصورتی کو آئینہ کی طرف منسوب کیا ایسے ہی ہم بھی اپنے ضعف اور اپنی کمزوری کو اسلام پر ڈالتے ہیں۔ کسی طرح کسی احمق بڈھے کی حکایت ہے کہ اس بیچارہ کا روٹی کھا رہا تھا، اتفاق سے ایک ٹکڑا لوٹے میں گر گیا۔ اس نے جو جھانک کر دیکھا تو اپنی صورت نظر آئی وہ اسے کسی دوسرے بچے کی شکل سمجھا وہ بچہ تھا یہ سمجھا کہ یہ میرا ہی فعل وحرکت ہے۔ رو کر کہنے لگا کہ ابا اس بچے نے میرا ٹکڑا چھین لیا۔ اب وہ بڈھے صاحب اٹھے کہ تو ہٹ میں آتا ہوں، تو کمزور ہے،

تو اس سے تعین نہیں ہوتا ہیں چھیں ہوں ہا آپ سے ہو جھا کہ راجیا تو حضور تو
ہی تسلی نظر آتی کہنے کا عنت ہے تی ہی ٹھنی کا فرشتہ کا ہ پھینکتے ہوئے
کچھ شرم بھی آتی ہے تیری اس صورت پر سب کچھ لہ دیا اور تجھ تو یہ
خبر نہیں کہ اپنے ہی کہہ رہا ہوں اور جو کچھ تو کہہ رہا ہے وہ تیرے ہی دیر بس
رہا ہے۔ خیر ہمارا بھی یہی حال ہے۔ جیسے میرے ایک دوست مجھ سے بیان
کرتے تھے کہ ایک عورت بچے کو پاخانہ پھیر رہی تھی اس سے کچھ فاصلہ پر
کھڑی ہوئی وہ دن چاند رات کا تھا۔ وہ بھی اک نظر اس کو دیکھ کر دیکھنے لگی تو پاخانہ
کی بدبو کی کہ جلدی میں کچھ پاخانہ نگل میں لگ گیا تھا تو کہتی ہے کہ ارے
اب کے چاند بڑا ہوا ہے۔ تو اس اوتی پگلی کو یہ خبر نہیں تھی کہ چاند تو بڑا ہوا
نہیں ہے تو ہی خود بڑی ہوئی ہے۔ مگر اس نے اپنے تئیں تو یہ احسان نہ کیا چاند
پر خاک ڈالنے چلی اسی طرح ہم چاند پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں کہ اپنے ضعف کو
اسلام پر لگاتے ہیں۔

کیدِ نفس

صاحبو! اسلام ضعیف نہیں ہوا ہے ہم خود ضعیف ہو گئے ہیں مگر
اپنے ضعف کو جو ہم اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اسلام کی طرف منسوب
کرتے ہیں اس میں نفس کا ایک کید خفی ہے، وہ یہ کہ اگر ضعف کو اپنی طرف منسوب
کریں تو اس ضعف کا تدارک کرنا پڑتا ہے، اور اس تدارک یہ تھا کہ ہم اسلام میں
پکے ہوتے، اور اس میں خود کو بہت سے کام کرنا پڑتے ہیں۔ اب ضعف اسلام
کی طرف منسوب کر دیا تاکہ کچھ کرنا نہ پڑے کہ بس جو کچھ ضعف ہے اسلام میں
ہی ہے۔ ہم پر ضعف کا کوئی اثر نہیں، کوئی تسلیت یا قوت ہی ہم میں ہے ہی نہیں،

[illegible] سے کا تذکرہ [illegible] سے خدمت اسلام کو سب لوگ [illegible] ہوجاتے ہیں [illegible] کے عقائد تک صحیح نہیں [illegible] عمل کا تو کیا ذکر بعض ایسے لوگ اسلام کی خدمت [illegible] رہتے ہیں [illegible] ان کی خدمت سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ جب خود تمہارے [illegible] عقائد درست نہیں بھر وہ تمہارے صحیح عقائد کی [illegible] نہیں کرتے ہو یا وہ گمراہ [illegible] عقائد کی تعریف کرتے ہو تو ایسے عقائد تو اس کے بھی ہیں۔ پھر وہ تمہارا کہنا کیوں مانے [illegible] طرح بعض جاہلین سے عمل کی یہ حالت ہے کہ نماز جیسے ضروری [illegible] حلال حرام کی پروا ہے نہ معاملات جیسے ہیں نہ معاشرت جیسی ہے۔ نئی حالت کو دیکھ کر کوئی یہ مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا۔ پہلے تو دیہاتی مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ نماز پڑھتے روزہ رکھتے، زکوٰۃ دیتے، حج و زکوٰۃ، حلال حرام کی جانچ کرتے تھے، احکام شرعیہ کے ذرہ ذرہ پر خوف کرتے تھے اب یہ حالت ہوگئی۔ بقول اکبر ؎

نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے تو خوشی ہیپی کی کیسی فری جنٹلمینی ہے

اول اول جب کالج کھولے گئے تو لوگوں نے کہا تھا کہ اب اسلام کو بڑی ترقی ہوگی، کیونکہ مسلمانوں کو حکومت کے عہدے ملیں گے اور جج کلکٹر ڈپٹی وغیرہ نماز پڑھنے آویں گے۔ مسجد کے دروازے پر گاڑی کھڑی ہوگی لوگ پوچھیں گے کہ یہ گاڑی کس کی ہے؟ ملازم کہے گا ڈپٹی صاحب کی ہے۔ ہیں بھی کھڑی ہے کس کی ہے؟ جسٹ صاحب کی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ نماز سے مسجد میں تو کیا آتے امتحان پاس کر کے خود نماز کے پاس بھی نہیں پھٹکتے (مطبوعہ بقیہ پاس ہوتے گئے لقمے ہی اور ہوتے گئے، ہاں ڈگری ملنے اور امتحان میں پاس ہونے سے پہلے بھلے بھلے نماز پڑھتے تھے، اور جہاں مقصود حاصل ہوا پھر کہاں کی نماز کہاں کا روزہ ہے خدا اب خدا کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ جیسے بعض طالب علم امتحان کے

...ازیں یا علیم یا حکیم بہت پڑھا کرتے ہیں اور جب امتحان گزر گیا چھٹی کی خبر ہیں گزرتا خدا کی عبادت نہیں رہی۔ ہمارے یہاں ایک نوجوان شخص خوشحال تھے نانی بہت بہت بہت عبادت گزار۔ وہ سے بھی رمضان عشرہ اخیرہ میں اعتکاف بھی کرتا تھا، خدا تعالیٰ سے دعائیں بھی گڑگڑا کر مانگتا تھا اس کا ایک نکما نہ حاصل وہ کسے کا سے ہاتھ پھیلا پھیلا کر کیا مانگتا ہے تجھے کس بات کی کمی ہے تجھے کس چیز کا خوف ہے غصب ہے بعض لوگ ہے عقیدہ ہیں، ابھی توبہ اور اس سے بڑھ کر یہ غضب ہے کہ بعضے پیر بہت کہتے ہیں کہ جو کچھ مانگنا ہو ہمارے پیر سے مانگو۔ اور اللہ کی نسبت کہتے ہیں کہ وہاں ان سے کیا مانگنا، ان کا تو یہ کام ہے اس سے یا اس نبی سے یا دوسرے ولی خدا کی پناہ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور وقعت قلب میں داخل ہی نہیں جو کچھ ہے میں آیا بک دیا۔ اس کی پروا ہے کہ اس بات سے ہمارا ایمان جاتا ہے۔ نہ اس کا خیال ہے کہ یہ الفاظ کفر کے ہیں۔ حاصل خدا تعالیٰ کی عظمت سب سے زیادہ ہونا چاہیے تھی۔

صرف ہمت

مگر میں اب دیکھتا ہوں کہ سب سے زیادہ تو کیا ہوتی برابر بھی نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تو کچھ عظمت دلوں میں ہے بھی۔ مگر حق جل شانہ کی عظمت تو بالکل دلوں سے جاتی رہی جبھی تو ہماری وہ حالت ہو گئی کہ ہمارے سلام کو دیکھ کر لوگوں کو اسلام لانے سے عار آتی ہے۔ جیسے ایک بڑھی کا قصہ مولانا رومیؒ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس سے کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ، اس نے کہا کیسا مسلمان ہوں تم جیسا یا بایزید جیسا۔ اگر یہ مراد ہے کہ تم جیسا مسلمان ہو جاؤں

بایزید جیسا ہونا کمال ہے پھر وہ کیسے ہوئے وہ کوئی نبی تو نہ تھے ان کے پاس وحی تو آتی نہ تھی۔ بس انہوں نے ذرا توجہ کی ورنہ نفس کی مخالفت کی مجاہدے کئے بایزید ہو گئے۔ تم بھی کر توجہ کرو گے ذرا ہمت سے کام لو گے بایزید ہو سکتے ہو۔ ورنہ باخدا ہو کر بایزید ہو جاؤ گے جو ترکیب بایزید نے کی تھی تم بھی کرو بایزید ہو جاؤ گے۔ وہ ترکیب کیا ہے، اس کا نام ہے ہمت۔ ہمت سے کام لو۔ امر کو بجا لاؤ، منہیات سے برطرف رہو۔

بزرگی کے معنی

کوئی کہے ہمیں تو مدت جاگنے کی ہمت تو ہے نہیں۔ یہ تو مشکل کام ہے سو اس کا تو ہمارے ہونا ہی خلاف بات ہے۔ مدت بھر جاگنے کو کون کہتا ہے۔ ہر ہفتے اور تر بوز چھوڑنے کو کس نے کہا۔ اناج خلد چھوڑنے کو بزرگی کس نے کہا۔ اس کو بزرگی نہیں کہتے بزرگی کے معنی ہیں حد کے اندر کا استعمال کرنا اور منہیات کو چھوڑنا۔ کھانا پینا چھوڑنے کو کون کہتا ہے خوب کھاؤ پیو۔ بایزید کو نوافل پڑھنے کی ہمت تھی، ان کے قویٰ قوی تھے وہ زیادہ مجاہدے کر سکتے تھے اس لئے کئے اور ہم کو صرف فرائض واجبات وسنن ادا کرنے کی ہمت ہے کیونکہ ہمارے قویٰ کمزور ہیں تو ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم کو تو سب فرائض کی بھی قدرت نہیں پانچ وقت کی تو قدرت ہے فجر، ظہر، عصر، مغرب باقی عشاء کی طاقت نہیں ہے نیند سے مغلوب ہو جاتے ہیں تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرمادے کہ تم کو قدرت ہے اور تم عدم کی بات کو غلط کرنا چاہتے ہو۔ رہا یہ کہ حق تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے۔ بعضے شبہ نکالتے ہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت وطاقت سے زیادہ کسی کو کسی

حکم کا مکلف نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ہر شرعیہ داخل قدرت بشریہ ہیں اور انہی میں سے عشا کی نماز بھی ہے۔ تو قرآن سے معلوم ہوا کہ یہ سب داخل قدرت ہے اور یہ شخص کہتا ہے کہ مجھے قدرت نہیں جھوٹا ہے۔ یا کسی نے کہا تھا کہ مجھ کو تو نیند نہیں کھلتی اور آنکھ کھلنا اختیار میں نہیں دں تو ہم اس عذر کو مانتے نہیں کیونکہ تجربہ ہے گر اس شخص کو جو کہ یہ کہتا ہے کہ صبح کو آنکھ نہیں کھلتی ریل پر جانا ہو تو کیسی جلدی سے جاگتا ہے اٹھ کر سیشن پر پہنچتا ہے۔ اگر سونے سے اٹھنا اختیار اور قدرت میں نہیں تو آن کیسے اٹھ بیٹھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات دل کی ہوئی تھی اس سے آنکھ کھل گئی۔ اور نماز دں کی نہیں اس سے آنکھ نہیں کھلتی۔ اور نیند نہیں کہ صبح ہو اور آنکھ نہ کھلے اگر ہم نے تسلیم کر لیا کہ اس عذر کو بھی مان لیا یہ بھی قدرت سے خارج ہے کہ سونے نکلنے کے بعد ان کو پڑھ لو قضا ہی سہی۔ تو پھر صبح کی نماز وسعت سے یہاں خارج ہوئی۔

بہر حال اپنی وسعت کے موافق فرض رہ جو تم سے بن پڑے سے جاؤ۔ یہ کون کہتا ہے کہ وسعت سے زیادہ کرو۔

شیوخ محققین کی وصیت

حدیث شیوخ محققین کی اس بارہ میں وصیت ہے کہ حساب کو اس کی ہمت سے زیادہ بتلانا ہی نہ چاہیئے۔ عارف تبریزی فرماتے ہیں ؎

خستگان را چو طلب باشد و ہمت نبود
گر تو بیدل شی شرط مروت نبود

— اور مولانا فرماتے ہیں ؎

چار پا را قدر طاقت بار نہ ٭ بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

اور فرماتے ہیں ؎

طفل ۔ گرہاں دہی بر حاسے شیر ۔ طفل مسکین ۔ ۔ ۔ مردہ بہ

ایک عورت محلے سے [illegible] عورتوں نے کہا کہ تو ان سے مرید
[illegible] ہے [illegible] پچاس برس سے بڑی سے
[illegible] وہ عورت [illegible]
[illegible] ہوئے [illegible] ہوئے [illegible] برس سے [illegible]
[illegible] ہے [illegible] ہوا [illegible] ہوں سے مرید
[illegible] ہے [illegible] ہوں [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے [illegible] ہوئے [illegible] ہوئے [illegible]
[illegible] ہے [illegible] ہوئے [illegible] ہوئے [illegible]
[illegible] ہے [illegible] ہوئے [illegible] ہوئے [illegible]

جوش و ہوش

[illegible] ہوئے [illegible] ہوئے [illegible]
[illegible] ہوئے [illegible] ہوئے [illegible]
[illegible] ہوئے [illegible] ہوئے [illegible]

مگر اس قدر مستغنی تھے کہ حال سلطنت میں بھی تم سے مستغنی رہتے۔ جب سلطنت چھوڑ کر گئے تو ایک کنویں میں وضو کرنے کے لئے ڈول ڈالا اس کو جو کھینچا تو برابر اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہمسے بھر گیا ہے۔ اس کو لوٹ دیا اور پھر ڈالا تو سونا بھرا ہوا آیا۔ اس کو بھی لوٹ کر پھر کھینچا تو جواہر سے بھرا تھا روتے لگے اور جناب باری میں عرض کیا کہ آپ یہ امتحان لیتے ہیں۔ امتحان کے لائق تو نہیں لیکن میرے قلب میں اگر ان کی قدر ہوتی تو سلطنت ہی کیوں چھوڑتا۔ میرا امتحان نہ لیجئے اپنی رحمت کے صدقہ مجھے پانی سے دیجئے مجھے وضو کرنا ہے۔ نماز کا وقت تنگ ہوا جاتا ہے۔ دیکھو ان کا دل کتنا قوی تھا۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ اگر نوکری بھی چھوڑتی تو اس برائی میں چھوڑتے ہیں کہ اس سے زیادہ ملے اور مرکز بزرگ بھی کر رہے تھے زیادہ دیں۔ چنانچہ ایک بیرسٹر کا قصہ ہے کہ اس نے ان تحریکات میں نوکری چھوڑی اور ایک انجمن کا صدر ہو گیا۔ بس ہزاروں روپے اس بہانہ سے کمائے اور ساتھ کے ساتھ نیک نام بھی ہو گئے کہ لیجئے خادم اسلام ہیں کہ بیرسٹری چھوڑ کر قوم کی خدمت کرنے لئے تیار ہو گئے سبحان اللہ دین کا بہت ہی خیال ہے۔ یہ حقیقت تھی ان کے اسباب عیش چھوڑنے کی مگر حقیقت شناس اس حالت میں بھی پرکھ لیتے ہیں۔ ہر کہنے پر سرسید کی ایک بات یاد آئی۔ گو ہم ان کے مخالف ہیں مگر انصاف یہ ہے کہ جیسے ان کے عیوب کو ظاہر کرتے ہیں ویسے ہی اگر ان میں کوئی خوبی ہو تو اس کو بھی ظاہر کر دینا چاہیئے ؎

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند

قرآن شریف کا بھی یہی طرز ہے فرماتے ہیں یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس اور فرماتے ہیں ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک ومنھم من ان تامنہ

بدیع الزمان لیک الا ما دمت علیہ قائماً ۱۲ غرض
رسید اور دنیا میں بڑے عاقل اور مسلمانوں کے محب اور بہت خیر خواہ تھے۔ گو وہ
محبت برجوان کی کے ناداں دوست کی سی محبت ہو گئی تھی لیکن ان میں قابلیت
کا عیب نہ تھا۔ بلکہ بہت سی خوبیاں بھی تھیں مگر اس عیب نے سب خوبیوں
پر پانی پھیر دیا تھا۔ غرض ان سے کسی نے کہا کہ فلاں مقام پر ایک بزرگ ہیں ان سے
آپ ملیے وہ بڑے متوکل شخص ہیں اس نے کہا ہاں میں بھی ان کو جانتا ہوں یہ بھی
ایک دنیا کمانے کی ترکیب ہے کہ لوگ ہم کو متوکل سمجھ کر زیادہ ہدایا تحائف پیش کریں گے
خیر ان کا حال تو معلوم نہیں۔ وہ کس نیت سے بیٹھے تھے لیکن بہت سے لوگ واقعی اس
کو ترکیب طلب دنیا ہی کی کہتے ہیں۔ بہتوں نے اس کو حصول دنیا کا ایک ذریعہ
بنا رکھا ہے تو ایسے لوگوں کو ضرورت ہی کیا نوکری چھوڑنے کی کیونکہ چھوڑ کر بھی دنیا ہی
ہی ہے۔ اس سے تو نہ چھوڑنا ہی اچھا ہے دھوکے دھوے سے تو بچیں۔ الغرض
سلف کے قلوب قوی تھے وہ چھوڑ کر جرأت رکھتے تھے۔ ان کے لئے ملازمت چھوڑ
دینا سہل تھا اور ہم ضعیف ہیں ہمارے قلوب بھی ضعیف ہیں۔ آج ہم کو ملازمت
سے مستغنی ہیں توکل ڈپچانے لگیں۔ اس لئے ہمارے لئے ملازمت چھوڑ دینا بے جا
ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ جب اس کا جوش اٹھے۔ اس وقت ہوش سے کام لیں سب
سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کسی مقتدا کی رائے پر عمل کریں جو وہ کہے اسی کو اختیار
کریں۔ اپنی رائے کو اس میں اصلاً دخل نہ دیں کیونکہ مریض کی بد بختی ہے علاج میں
اپنی رائے پر عمل کرنا۔ وہ خوش قسمت ہے وہ مریض جو اپنے کو طبیب کے حوالے کر دے
اور اس کے کہنے کے موافق عمل کرے۔ غرض وہ عہدہ دار انگریز نوکری چھوڑ کر آیا تھا
اس کے چند شبہات تھے وہ کہتا تھا کہ اگر وہ شبہے رفع ہو جاویں تو میں مسلمان ہو جاؤنگا۔
جب وہ تھا نہ بھون آیا تو اتفاق سے میں اس زمانے میں مہمان پر نہ تھا۔ اس انگریز کی

روحانی قوت

ایک نقطہ کا فرق ہے۔

چنانچہ کانپور میں میرے ایک دوست تھے۔ ان کے پڑوس میں ایک عیسائی رہتا تھا۔ وہ ان کو عیسائی بننے کی ترغیب دیتا تھا۔ مگر ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ وہ بیڈ کانشیل تھے طرح طرح سے ان کو سمجھاتا۔ نصرانیت کے فوائد بتلاتا۔ اگر عیسائی ہو گئے تو تمہاری بڑی وقعت ہوگی۔ وقار ہوگا۔ مگر یہاں وہی ہنوز روز اول تھا۔ آخر اس نے ایک دن باتوں باتوں میں پوچھا کہ تم کسی بزرگ سے مرید ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں کسی سے مرید تو ہوں نہیں البتہ حضرت مولانا گنگوہی سے حسن عقیدت رکھتا ہوں۔ ان سے مجھے محبت ہے وہ کہتے تھے کہ جس روز سے اس کو معلوم ہوا کہ میں مولانا گنگوہی کا معتقد ہوں اُس روز سے اس کو مایوسی ہوئی۔ پھر اس نے کبھی مجھ کو عیسائیت کی ترغیب نہیں دی بس وہ حالت ہوئی الیوم یئس الذین ـــــ کفروا من دینکم لا تخشوھم واخشون پوپیس کے خوف کے سبب ان کا اسلام خود کامل نہ تھا۔ مگر ایک کامل الاسلام سے ان کو تعلق تھا۔ صرف اس تعلق کی وجہ سے مخالف ان سے مایوس ہو گیا اور سمجھ گیا کہ ان کو عیسائی بنانا مشکل ہے۔ جب صرف ایک کامل الاسلام کے ساتھ تعلق کا یہ اثر ہے۔ پھر اگر کوئی خود کامل الاسلام بن جاوے، نماز روزہ ادا کرے، زکوٰۃ دے، حلال حرام کا خیال رکھے، کام دین کے موافق کرے کوئی بات خلاف شرع اس سے صادر نہ ہو تو دوسرا شخص دیکھتے ہی سمجھ لے گا کہ یہ کامل الاسلام ہے، پورا مذہبی شخص ہے۔ اس کے دندان آز اس کی طرف کبھی تیز نہ ہوں گے بلکہ کند ہو جاویں گے۔ پکے مسلمان پر کبھی کسی کافر کو بہکانے کی ہمت نہ ہوگی۔ اس کو کبھی نہیں چھیڑے گا بلکہ کوسوں لگ رہے گا۔

اصل علاج

ہم کو خود اپنی حالت کی فکر نہیں۔ سراپا مرض میں مبتلا ہیں۔ لیکن اس کا علاج نہیں کرتے۔ اب اگر علاج کی فکر ہوتی تو کیا دوسرے سے لڑائی بھڑائی شروع کر دی۔ غرض جو اصل علاج

تھا یعنی اپنے اعمال کی اصلاح کر کے تو پس پشت ڈال دیا اور جو حقیقت میں علاج نہیں اس کے درپے ہو گئے۔ ہماری وہ حالت ہوئی جس کو مولانا ایک تمثیل کے پیرایہ میں فرماتے ہیں ؎

ہر چہ فرماید ز علاج و دوا ۔۔۔ رنج را آں گفت و حاجت نارد

پھر کہتے ہیں اس کی وجہ بتلاتے ہیں ؎

بے خبر بود از بیان درون ۔۔۔ استفید ستہ مما لیفت رون

اور اسی کو طبیب حق سے یہ کہا تھا ؎

گفت ہر درد نہ بیماں کردہ اند ۔۔۔ آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

تو جیسے وہاں جتنی دوائیں کی گئیں وہ سب ناکافی تھیں اسی طرح ہم بھی صدہا علاج کرتے ہیں مگر ایک بھی کارآمد نہیں کیونکہ جو اصلی علاج ہے اس کی تو ہمیں خبر نہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے وہ اصل علاج سے غافل ہیں اور جو علاج نہیں ہے اس میں مشغول ہیں۔ اس وقت اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری عادت یہ ہو گئی ہے کہ ہم اپنے گھر کی بات تو ناپسند ہے اور غیروں کے گھر کی بات پسند ہے بس جو غیروں کو کرتے دیکھ وہی خود کرنے لگتے ہیں اوّل تو پوچھ کریں گے ہی نہیں اور جو کریں گے بھی تو غیروں کو دیکھ کر۔ جو وہ کریں یہ بھی وہی کریں گے سو یہ تو ان کا پورا اتباع ہو گیا مثلاً تبلیغ اسلام ہی کا کام ہے اوّل تو کسی کو اس کا خیال ہی نہ تھا، ہوش ہی نہ تھا مدہوش پڑے تھے۔ اب جو دوسری قومیں سعی دیکھی تو ہوش ہوا، اور اشاعت اسلام کی سعی کرنے لگے مگر اس میں بھی چلے تو دوسری قوم نے چلی تھی۔

اہل کفر کو کفر سے مناسبت

صاحبو! اس طرح سے ہر بات میں دوسری قوم کا اتباع۔ اس کے تو معنی یہ ہوئے کہ ہمارے مذہب میں ہمارے اسلام میں کام کرنے کا کوئی طریق ہی

۴۴ عکس ۵ ۔ ۔ ۔

ہے جس کا [illegible] کہ اللہ اس کو اس کے گھر والوں کے پاس لوٹا دے،
وَرَدَّ اَهْلَهٗ میں [illegible] اس کے بیٹے اور اس کی بیوی بھی ہے۔
مِنْ مِّنْ عَلَيْهِ اللّٰهُ الْبَعْثَ الْاٰخِرَ حَتّٰى یہ [illegible] پر ایمان
رکھے آپ نے فرمایا اس [illegible] پر قیاس کیا وہاں حکمت ہو تھا وہاں
عجب کی بھی [illegible] کہ کافر کو [illegible] نبوت نہیں مل سکتی۔ آپ نے
اس [illegible] پر [illegible] بھی کافر کو نہ ملے اس سے دعا میں اس
[illegible] اللہ تعالیٰ کی قید لگانی [illegible] ہو
اللہ تعالیٰ نے [illegible] وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ
[illegible] اس [illegible] نے [illegible] کی تفسیر
کی ہے [illegible] قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے [illegible]
[illegible] عجیب عبارت ہے [illegible] نے تو یہ تفسیر کی ہے کہ یہ معمول ہے [illegible]
[illegible] وَمَنْ كَفَرَ میں کافر بھی رزق دوں گا آگے اس کی
[illegible] ہے فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ [illegible] اس تفسیر سے
[illegible] وَمَنْ كَفَرَ پر [illegible] ہو گیا فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا [illegible] ہے۔
اور قاضی [illegible] صاحب نے [illegible] وَمَنْ ہے اور فَاُمَتِّعُهٗ خبر ہے
یہاں [illegible] ہے اور [illegible] اس کی جزء ہے خود اس کو [illegible]
یا [illegible] اور [illegible] کو جزء دونوں جائز ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ جملہ
مستقل ہے مطلب یہ ہوا کہ [illegible] کافر کو دنیا سے متمتع کروں گا۔ اور
قَلِيْلًا فیدو قتی ہے [illegible] قَلِيْلٌ مِّنَ الْعَمَلِ [illegible] اس پر
[illegible] ہوتا ہے [illegible] کا حاصل یہ ہوا کہ جو کفر کرے گا اس کو تھوڑا
[illegible] ہوں تو یہ مطلب تتمیع کا ہے ۔ قاضی صاحب نے [illegible] جواب [illegible]

کہ دنیا کو مومن سے کہ مناسبت ہے اور کافر سے زیادہ مناسبت ہے یہ ایسی بات ہے جیسے شاعر نے الخبیثات للخبیثین و الطیبون للطیبات و خبیث کو خبیث ہی ملا کرتا ہے دنیا نجس ہے اور مخلوق جس میں انسان بھی ہیں باہم تناسب ہے اور مومن شریف ہے اور دنیا خسیس ہے لہٰذا ان میں باہم تناسب نہیں ہے۔ میں نے اسی تفسیر پر دعویٰ کیا تھا کہ کفار کا دنیا سے تناسب نقل سے ثابت ہے۔ اس لئے تدابیر باطلہ کفار کے لئے مفید ہیں۔ بخلاف جن اسلام کے ان کے لئے تو وہی تدابیر نافع ہوں گی جو اسلام کے مناسب ہیں۔ وہ تدابیر کیا ہیں وہ وہ ہیں جو اللہ میاں نے بیان فرمائی ہیں جن کو میں نے اب بیان کیا ہے کہ اپنی اصلاح کرو۔ اخلاق کو درست کرو، عقائد و اعمال کو سنوارو اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے تو تمہارے دشمن ہیں ہی تمہاری دوست داری کی بہت کم ہوگی۔ یہ تو اپنا ذاتی فائدہ ہے لیکن ان غلاظت سے آگے دوسرا درجہ شاعت اسلام کا ہے اس سے بھی اس میں کامیابی ہوگی کیونکہ اس کا حسن ایسا ہے کہ دوسروں کے دل بھی لبھا جاتا ہے اگر تمہارے اندر اسلام سچے رنگ میں پائے جائیں گے۔ اس کے انوار و برکات تم میں جمع ہو جائیں تو دوسری قومیں خود ہی اس کے اندر آجائیں گی۔ زیادہ بولنے کی بھی ضرورت نہیں ہے گی۔

اسلام اور تلوار

یہ جو مشہور ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے جس سے مراد مخالفین کی یہ ہے کہ خود اس میں کشش نہیں، بالکل غلط ہے۔ اس دعوے کو خود قرآن رد کرتا ہے آیات میں لا اکراہ فی الدین میں کوئی جبر نہیں قرآن زبردستی کی ممانعت کرتا ہے تو کیا بھلا مسلمان قرآن کے خلاف کریں گے اور جبراً مسلمان بنائیں گے۔ نہ نہیں۔ خصوصاً صحابہ جو اپنے جان و مال کو اس پر فدا کر چکے حیرت کی بات ہے کہ وہ اس کے خلاف کریں۔ پس

سمجھ کر اسلام ہرگز نہ تلوار پھیلا ہوا اس کے کمال ذاتی کو دیکھ کر لوگ خود بخود کھنچے چلے آئے ہیں۔ اس کی تحقیق بہت آسان ہے وہ یہ کہ اسلام کے قوانین کو دیکھو کہ اس نے ہر ہر دعوے کا دلیل بزور تلوار پھیلا ہے یا نہیں۔ اسلام میں شاعت اسلام کا حکم یہ ہے کہ جب کسی قوم پر حملہ کرو اول ان پر اسلام پیش کرو اگر وہ ایمان لے آویں تو وہ تمہارے بھائی ہیں تم ان کے بھائی ہو کوئی فرق نہیں سب برابر ہو۔ اور اگر یہ نہیں کرتے اور اسلام نہیں لاتے تو ان سے کہا جائے گا جزیہ دو تاکہ ہم کو اطمینان ہو جائے تو ہماری اطاعت کرو گے۔ سرتابی نہ کرو گے۔ اصل مقصود تو اطاعت ہے۔ جزیہ اس کی علامت ہے یعنی جزیہ سے معلوم ہو جائے گا کہ تم ہمارے زیر ہو گے۔ سرکشی اور بداعتی نہ پھیلاؤ گے۔ اگر وہ یہ مان لیں تو اس صورت میں بھی تمہاری ہو گی کہ ان ہیں۔ جیسے تم ان کی دنیوی حفاظت کرتے ہو اسی طرح ان کی جان و مال کی حفاظت بھی تم پر لازم ہو گی۔ اور اس حالت میں جبکہ ان کے لئے کس قدر آزادی ہے کہ اپنے دینی احکام کو ان پر جاری نہ کرو بلکہ ان کو ان کے مذہب پر چلنے دو۔ کچھ تعرض مت کرو مثلاً شراب پینا اسلام میں حرام ہے مگر ان کے یہاں جائز ہے تو حکم ہے کہ اس شراب پینے سے مت روکو۔ اس کی بیع و فروخت کرنے دو۔ یا مثلاً نکاح ہے کہ ہمارے یہاں کچھ شرائط ہیں تو ان کو اس پر مجبور نہ کرو کہ ہمارے جیسا نکاح کریں بلکہ جیسا ان کے یہاں رواج ہے ویسا ہی کرنے دو۔ غرض اگر اسلام نہ لاویں تو اس حیثیت کے ساتھ جزیہ کا حکم ہے اور اگر جزیہ بھی نہ دیں تو اس وقت ان کو مجبور کرنے کے لئے کہ مسلمان بنانے کے لئے تلوار کا حکم ہے کیونکہ اب معلوم ہو گیا کہ بڑی سرکش قوم ہے۔ کسی بات کو مانتے ہی نہیں لہٰذا تلوار سے ان کی گردنیں پست کر دو۔ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا تو اوّل ہی حکم تلوار کا ہوتا تیسرے درجہ میں نہ ہوتا۔ مگر یہاں تو پہلے اسلام پیش کرنا ہے۔ دوسرے

درجہ میں جبر کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ جہاں تلوار کا خوف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام تلوار کے خوف سے نہیں پھیلا اور ایک باریک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا تو گویا لوگوں کو زبردستی سے مسلمان بنایا گیا ہے۔ تو جبر کا اثر بدن پر ہوتا ہے قلب پر نہیں ہوتا۔ مگر لوگ فرحتہً مسلمان ہوتے ہوتے تو ان کی یہ حالت ہونی چاہیئے تھی کہ زبان سے تو اپنے آپ کو مسلمان بتلاتے دلوں سے اسلام سے نفرت رکھتے لوگوں کے سامنے نماز روزہ کر لیتے پیچھے نہ کرتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام جس قلب پر اثر کرتا ہے اور جو دنیا مسلمان ہوتا ہے وہ اتنا پرانے مسلمان سے بھی پکا ہوتا ہے وہ پرانے مسلمانوں سے زیادہ احکام کا پابند اور زیادہ خائف اور زیادہ خاشع بالخشیہ ہوتا ہے جو اس وقت مسلمان ہوتے ہیں ان کی حالت پرانے مسلمانوں سے بہت ہی اچھی نظر آتی ہے بلکہ بعض علماء اسلام کا ملاحظہ کریں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تنزل پر ہے، اس کی غلطی میں نے کی ہے، وہ اس حقیقت خواہ ہماری حالت تنزل پر ہے نہ کہ اسلام وہ تو کامل ہے۔ اس کو تنزل کبھی نہیں ہو سکتا۔

محبت اسلام

اگر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تنزل پر ہے وہ دیکھیں کہ ہم اس حالت میں بھی دیکھتے ہیں کہ ہر سال ہزاروں آدمی مسلمان ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہ صرف سرکاری اسلام رکھتے ہوں جس سے یہ شبہ ہو کہ میاں اسے بھائے کھانے کو ملتا تھا اس لئے مسلمان ہو گیا، بلکہ بہت سے ان میں متمول بھی ہوتے ہیں صاحب جائیداد ہوتے ہیں صاحب تو خدم بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ بہت سے مالدار مسلمان ہو کر ہاں سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ پہلے بہت سا دھن ہوتا ہے اور اسلام لانے کے بعد کوئی تکلیف اٹھاتے ہیں نہ کھانے کو ہے نہ پہننے کو نہ رہنے کو گھر ہے اور رہنے بسنے چھوٹے

ہیں اور جھوٹ کا تعارف کرانا ہی ان کا کام ہے۔ یہاں تک کہ کسی نے کہا ہے کہ جب
ان پر حملہ ہوتا ہے تو ان کی آواز سنی جاتی ہے
بلکہ ان کے حملہ سے پہلے ہی ان کی آواز سنی جاتی ہے۔ عرض اس زمانہ میں کسی کا اسلام پر
صحیح اعتراض سے کام لینا قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے۔ ہاں کوئی شخص اسلام پر اعتراض کرتا ہے تو
فوراً جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بات ہمارے مشاہدہ میں ہے کہ آج کل جو کوئی بے پڑھا
مسلمان ہوتا ہے جو کہ ان کی چرب گفتاری میں نہیں آتے۔ اس کی کوئی عزت نہیں
کرتے حالانکہ دنیا میں جتنی متمدن قومیں ہیں وہ سب اپنا مذہب قبول کرنے والے
کی عزت کرتے ہیں، بلکہ طرح طرح سے اس کی عزت بڑھاتے ہیں جہاں سے بھی مال
ملے لیتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ ہمارے لئے وہ چیز بھی حرام نہیں کرتے،
جس میں ذرا سی بھی عزت ہو۔ نہیں ہمیں ذلت بھی ہے وہ بھی نہیں دیتا
اور ہم سے لیتے ہیں وہ تو ہم ہیں ایک ایک کی بڑی وجہ تو یہ
ہے کہ ہم میں اتحاد نہیں ہے۔ ہم میں جو لوگ ایسے ہیں جن کی اصلاح کرتے
ہیں تو ان سے اور بھی ہوتا ہے کہ کہتے ہیں اسلام رہا تو اس نے ہمارا کیا
حساب لیا۔ ہمارے کون سا مار دیا ہے۔ ان کی خدمت کریں۔ مگر مسلمان جتنے ہیں
تو ہیں نہ مناسب کے لئے مرنے والے۔ دیکھو دوسری قومیں کہ کاز کی امتحان دیتے
ہیں اس کے سوا سے کچھ سروکار نہیں رکھتے، بلکہ وہ خود ہی ہزاروں تکلیفیں اٹھاتے ہیں،
کبھی جان کی کبھی مال کی۔ لڑتے ہیں اس کو لوگ روپیہ دیتے ہیں ان کے گھر سے
بندوقیں کر جاتے ہیں، توپ خانہ سے جایا جاتا ہے۔ پھر فیس داخل
کرتے ہیں تب جا کر امتحان میں منظور ہوتی ہے یا نہ ہو تو الگ رہا۔ اسی طرح
اسلام جس کائنات آخرت کا طریقہ ہے اس کو بڑے محنت تکلیف دیتا ہے بھی ہمارا
ٹھکانا ہے۔ اس کا کیا احسان ہے جس وہ ہمارا احسان مانیں ہمیں نذرانہ دیں

یہ کسی نئی بات سے کہ کہ تو وہ حساس کریں جن کی عادت بھی ہو۔ وہ حب کی عادت ہے۔ مگر جب یہ ہوتا ہے کہ کسی کے دل میں کسی سے [illegible] کے تعلق ہے وہ ہی ہے۔ تمہارے [illegible] وہ سے [illegible] نے [illegible] کھوٹا [illegible] نے بھی اس کو [illegible] دیا [illegible] کھانے پینے کو کچھ نہیں [illegible] مسلمان ہی ہو جاتے [illegible] زیادہ پیدا نہیں [illegible] وہ حساس کریں جن کی عادت ہے [illegible] مسلمان ہونے کو کہتا ہے [illegible] وہ حساس کریں جن کی عادت ہے [illegible] ہو مسلمان ہیں [illegible] اسلام [illegible] کریں گے تو [illegible] کریں گے [illegible] ایک [illegible] کی [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] ہے

افسوس ہے کہ ہندوؤں کی نادانی کا تو خیال ہو مگر اس میاں کی نادانی کی پروا نہ ہوئی۔ انہوں نے تو کام کر دیا مگر اس کو کہاں سمجھ تھا اس کے دل میں تو یہ کھٹکا لگا ہے کہ اس کو دین سے چین نہیں ہے۔ ما اور بچہ ہے۔ ایک جگہ مطلب حاصل نہ ہوا دوسری جگہ گیا۔ آخر کوئی نہ کوئی بندہ ایسا بھی مل گیا جس نے ان مصالح کی پروا بھی نہ کی بلکہ ان مصالح کو سل بٹہ سے جوب دیں دیا۔ اور اس کو مسلمان کیا۔ اب جو مسلمان ہو تو بے چارے کے پاس کھانے کو نہیں پہننے کو نہیں جنہوں نے کہا ہم ایک رقعہ لکھ دیں گے تم مسلمانوں کے پاس سے جاؤ وہ تمہاری مدد کریں گے۔ اب وہ بیچارہ کاغذ لے کر در در مارا پھرتا ہے مگر کوئی نہیں پوچھتا وہ تو گرستے ہیں ان طرح کی تکلیفیں کرتی ہیں کیوں صاحب اگر اس کے دل میں محبت سلام نہ ہوتی تو وہ اس تکلیف کیوں اٹھاتا یا جس کو مصائب ٹھانے میں بھی مزا آتا ہے۔ فکر نہیں معلوم ہوا اس کے دل میں سلام کی محبت ہے۔ سلام کے محاسن اس کے دل میں جم گئے ہیں اس لئے سب تکلیفیں گوارا ہیں۔ اور وہ ایسا پختہ ہے کہ پرانے مسلمان بھی اس کی حالت دیکھ کر رشک کرتے ہیں

میں جب کانپور میں تھا ایک روز ایک نوجوان نہایت خوبصورت جس کے منہ سے ابھی تازہ شروع نکلی تھی میرے پاس آکر بیٹھا میں نے پوچھا آپ کس لئے آئے ہیں کہنے لگا مسلمان ہونے کو آیا ہوں مجھے مسلمان کر لیجئے میں نے بسم اللہ کہنے چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہوتے ہی اس کی یہ حالت ہو گئی کہ دن رات مستغرق رہتا تھا خدا کا عاشق ہے وہ انوار و برکات اس کو نصیب ہوئے کہ ہر وقت روتا تھا سونے کھانے کے کوئی کام نہ تھا مگر افلاس کا رونا نہیں فقر و فاقہ کی وجہ سے نہیں روتا تھا بلکہ خلوص کا روتا تھا خدا تعالیٰ کے عشق محبت میں روتا تھا۔ اس کو پڑھنے کے واسطے ایک سپارہ دیا ایک سپارہ کیا

میں نے دیدیا بس اب یہ حال تھا کہ سیارہ بڑھ رہا ہے اور رو رہا ہے۔ راہ نجات سامنے ہے، اور سو ہماری ہیں اور جو کھایا کہیں سے مل جاتا تو وہ دوں کو دے دیتا پینے والے کوئی ذخیرہ نہیں رکھتا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر تعجب یہ کہ یہ شخص آٹھ دن کے روزے پے در پے بدون افطار کے رکھے تین چار روز کے بعد میں نے اس کو بہت بیمار دیکھا۔ کیونکہ وہ بہت ضعیف تھا کبھی اس نے مشقت اٹھائی نہ تھی ہمیشہ ناز و نعم میں رہا تھا اس لئے دبلا ہو گیا میں نے پوچھا کہ تم اتنے لاغر کیوں ہوتے جا رہے ہو کہنے لگا کہ میں نے آٹھ دن کا ایک روزہ رکھ لیا ہے۔ میں نے کہا ایسا روزہ ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے اگر روزہ رکھنے کو جی چاہے تو ایسا روزہ رکھو ایک دن کا روزہ رکھو اور اگلے دن مت رکھو پھر اس سے اگلے روز رکھ لیا۔ غرض یہ دن رکھا، وہ ایک روز روزہ رکھنا یہ سب سے بہتر ہے۔ اس کو سرور لودی کہتے ہیں۔ تھے اس کو دربار شاہ مقصل الرحمن صاحب کی حیدرآبادی کی زیارت کا شوق ہوا وہاں پیدل گیا سردی کی جاڑے بہت نازک تھے کبھی چلنے کی عادت نہ تھی مگر مولا کی طاقت کو پیدل گیا یہ خیال ہوا کہ سوار ہو کر جانا کہیں ادب کے خلاف نہ ہو بیچارہ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے مگر اس کو برداشت کیا اور سوار نہ ہوا۔ اس کو شوق سچ کا ہوا اور جھوٹوں چلا گیا۔ یہاں تک تو مجھے اس کا حال معلوم ہے آگے کی یہ خبر نہیں کہ کہاں پہنچا یا نہیں۔ دیکھئے اگر اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو یہاں اس کو کون سی تلوار مجبور کیا تھا کہ کس نے اس کو اتنے مصائب کا مکلف کیا تھا یہ اپنے عیش و عشرت کو چھوڑ کر اس نے کیوں اتنی تکالیف کو اختیار کیا ہے۔

نور اسلام اگر کشش اسلام نہیں تو کیا ہے آخر کس چیز کو دیکھ کر اس نے سارے تعلقات پر خاک ڈالی کس چیز نے اس کو

بے چین کیا اگر جس اسلام کا سبب نہیں تو وہ کیا ہے؟ مگر وہ حسن فطرت شفیقہ سے مستور رہ گیا ورنہ اگر ہماری حالت بھی ہوتی ہم پورے مسلمان ہوتے تو لوگ ہماری طرف خود ہی آتے۔ ہمیں دعوت اسلام کی بھی ضرورت نہ ہوتی اور نہ لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی۔ میں بعض اوقات کبھی کبھی اپنے دوست احباب بھی ساتھ ہوتے ہیں تو ان سے باتیں کرتا ہوں جس میں ہر طرح کی باتیں ہوتی ہیں کھانے پینے کی بھی، قصے کہانیاں بھی ہوتے ہیں اور مسائل تصوف کی بھی کچھ تحقیق ہوتی ہے غرض ہر قسم کی باتیں دنیا کی بھی دین کی بھی صرف علوم و معارف ہی تک محدود نہیں ہوتا۔ مگر کفار یہ اس کا تو دیکھتا ہوں کہ جتنے آدمی اس پاس ہوتے ہیں سب ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں، کبھی طرح کان لگا کر سنتے ہیں اور جب اٹھ جاتا ہوں تو وہی لوگ کہتے ہیں (جن کے ساتھ نہ جانے کبھی تھی نہ کبھی ملاقات ہوئی) کہ میاں ان کو کہاں لے چلے ان کی وجہ سے تو یہاں اور بدبو آ رہا تھا۔ سارے کمرہ میں اجالا ہو گیا تھا آخر یہاں کون چیز ان کے قلوب کو کھینچتی تھی۔ میں انہیں کچھ پڑھتا نہیں۔ میں نے ان کی طرف کچھ توجہ کی اگر یہ اور اسلام نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنی طرف کشش کرتا ہے اسلام ایسا دلکش ہے کہ غیر کو بھی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے میں تم سے بتلاتا ہوں کہ اگر تم اپنی حالت درست کر لیں تو اسلام کی خوبیاں اس طرح ظاہر ہوں کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا پس اپنی اصلاح سے علاوہ اپنی بیرونی حفاظت کے دوسروں کے جذب کا بھی نفع ہوگا۔ صاحبو! اگر اندرونی محافظت ہو گئی تو پھر بیرونی حملوں کی فکر نہ رہے گی۔ اس سے مسلم کو چاہیئے کہ دو باتیں اپنے اندر پیدا کرے بس کافی ہے۔ ایک یہ کہ طمع نہ کرے حرص و طمع نہایت بری چیز ہے، دوسری یہ کہ اپنی حالت بھی کرے اپنے کو شرع کے مطابق بنائے ہر کام کو خدا کے خوف سے کرے اور یہ دیکھے کہ یہ شریعت کے موافق ہے

اسلام کی ابدی جھلک

اسلام کی ابدی جھلک کا قصہ یہ ہے کہ میں اس مرتبہ سہانپور جا رہا تھا، اُس وقت مجھے لکھنؤ جانا تھا جب میں تھانہ بھون کے سٹیشن پر ریل میں سوار ہوا تو ایک ہندو صاحب تشریف لائے اسی گاڑی سے آئے۔ وہ اس وقت دہلی سے مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے مجھ کو اطلاع کی میں نے کہا اب تو میں سفر میں جا رہا ہوں۔ اگر تمہارا جی چاہے تو سہانپور تک چلو، وہاں تک باتیں ہوتی رہیں گی۔ ٹکٹ لے لو۔ وقت کم رہ گیا تھا ٹکٹ نہیں مل سکا۔ انہوں نے گارڈ سے کہہ دیا اور سوار ہو گئے، جب نانوتہ کا سٹیشن آیا، یہ تھانہ بھون سے آگے ہے میں نے اُن سے کہا کہ اب گارڈ کے پاس جاؤ، اور

[illegible]

ن سے دوبارہ کام لینا بہت آسان تھا کسی کو پتہ بھی نہ لگتا مگر چونکہ شریعت میں یہ جائز نہیں اس لئے میں اکثر خط پڑھنے سے پہلے ان ٹکٹوں کو چاک کر دیتا ہوں پھر خط پڑھتا ہوں دیکھ کر یہ رہا اہل رسید ہے ان پیسوں کی جن کو شے کر ہم نے محکمۂ ڈاک سے اپنا کام لینا چاہا ہے۔ حقیقت میں یہ اجرت ہے یعنی پیشگی ادا کردہ محصول کی رسید ہے، جیسے ریل کا ٹکٹ۔ تو دوبارہ اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ جتنے کام کی یہ رسید تھی اتنا کام تو آپ نے ڈاک سے لے لیا ہے۔ اب اگر دوبارہ کام لینا ہو تو دوسرا ٹکٹ خریدنا پڑے گا اس سے نفع لینا حرام ہوگا۔ تو ایسا ہوتا ہے کہ بعض خطوط کے ٹکٹ مہر سے بالکل سالم ہوتے ہیں اور خطوط میرے پاس اکثر ایسے وقت آتے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کو خبر نہیں ہوتی، اور اگر کوئی میرے پاس دوستوں میں سے ہو ابھی تب بھی لیا میری ڈاک کوئی جانتا ہے کہ ان میں کون سا ٹکٹ سالم ہے اور کونسا نہیں۔

پس میں اگر ان ٹکٹوں سے کام لینا چاہتا تو اچھی طرح لے سکتا تھا مگر میں الحمدللہ ان کو اول ہی پھاڑ دیتا ہوں۔ تو یہاں ہم کو کس چیز نے مجبور کیا صرف اسلام نے مجبور کیا۔ ورنہ ہم کو کوئی قوت روکنے والی نہ تھی۔ اس وقت نہ کوئی پولیس تھی نہ کوئی پہرہ تھا۔ غرض اسلام کا ہر پہلو نہایت مکمل ہے جس نے اسلام کو مکمل کیا اور اس کو کامل طور پر سمجھا ہے۔ ممکن نہیں کہ اس کے احکام میں گڑبڑ کرے۔ ممکن نہیں کہ ایسا شخص ریل میں پندرہ سیر کی جگہ سولہ سیر لے جائے اور بلا کرایہ سفر کرنا تو لگ رہا۔ اور جب تک کسی کے دل میں اسلام نے گھر نہ کیا ہو اسلام سے پوری محبت نہ ہوئی ہو اس وقت تک یہ حال ہوتا ہے کہ پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر تو بڑے لمبے چوڑے لکچر دیتے ہیں اور عمل ایک پر نہیں۔ تقریر خوب روانی دے رہے اور عمل میں اندھیر۔

مسلمان اور حقوق انسانی

حضرت اسلام ایسی چیز ہے کہ مسلمان انسانی حقوق تو کیا ضائع کرتا وہ تو حیوانات

پر بھی رحم کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے سفر میں ایک دکاندار سے شکر خریدی اور کپڑے میں باندھ لی۔ گھر جا کر کھولا تو اس میں ایک چیونٹی نظر آئی یہ دیکھ کر آپ کو بے حد قلق ہوا کہ معلوم نہیں بیچاری نے کس کس عذاب سے گذرنا ہوگا، اس کا دل ان کی عدالت سے تڑپتا ہوگا۔ آخر اسی طرح کپڑا باندھ پھر سفر کے جہاں سے شکر لائے تھے وہیں لاکر اسی دکان پر کپڑا کھولا اور چیونٹی کو اس کے مستقر پر پہنچایا۔ تو دیکھئے اتنی ہمدردی یہ ثمرہ ہے تعلیم اسلام کا کہ انسان تو انسان حیوانات پر بھی اسلام ہمدردی کرتا ہے۔ تاثر رہے اسلام میں کہ حیوانات کے بھی حقوق مقرر کئے ہیں ان پر بھی ظلم و تشدد جائز نہیں۔ کھانا اس کے متعلق بھی بہت سے احکام ہیں چنانچہ اس میں کتابیں لکھی گئی ہیں میں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام ہے ارشاد الہامی فی حقوق البہائم اس میں بتلایا ہے کہ حیوانات کے حقوق کیا ہیں وہ کیا تاوان سے دینا چاہئے، اور ہر حکم حدیث سے ثابت کیا ہے اپنی طرف سے نہیں لکھا۔ تو اس سے اسلام نے جانور پر بھی رحم کیا ہے کیا وہ انسان پر رحم نہ کریگا ضرور کریگا۔ سو اگر کسی جگہ کسی کو تشدد کا شبہ ہو تو چونکہ وہ ایسے اسلام کے حکم سے ہوگا جس میں تشدد ہے تو وہ واقع میں تشدد نہیں ہے ضرور اس میں کوئی عظیم مصلحت ہوگی مخفی حقیقت میں جس کی وجہ سے وہ عین رحمت و مصلحت ہے اس وقت وہ مصلحت اسی کو مقتضی ہے اس کو ہر شخص اپنے معاملات میں غور و فکر کے سمجھ سکتا ہے کہ بعض وقت ہمدردی کی وجہ سے اولاد تک کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور مجبوراً کرنا پڑتی ہے بدوں اس کے کام نہیں چلتا یعنی دوسرے کی اصلاح بدوں اس کے نہیں ہوتی

چنانچہ میں جب کسی پر تشدد کرتا ہوں تو مجبور ہو کر کرنا پڑتا ہے، مگر ساتھ ہی دل پگھلا جاتا ہے۔ مگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے مگر یا کرنا ضرورت ہی ہوتی ہے، اس لئے تشدد کرنا پڑتا ہے اور اس کا حکم شرعی ہونا دلائل سے ثابت

۵۸ سفر ۹ ۔ ۔ ۔

کام کرنا چاہیے اخلاص اور اخلاق سے پیش آنا چاہیئے مگر یہ کام کچھ نہیں فقط مانگنا ہی ہوتا ہے۔

تبلیغ اور سوال

حالانکہ ہمارا کام تبلیغ بھی ہے اس میں ایک بات ہے ایک سیکھنا پڑتی ہے۔ کوئی مانگتا ہے اور کوئی کیا مانگتا ہے۔ سوال لوگوں سے کام کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن سب سے پہلے چندہ مانگنے کو تیار ہیں۔ حالانکہ اس طرح چندہ مانگنے سے ہرگز منع کیا ہے حتیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے ان لستھم خذ من اموالھم صدقۃ اور اور سے حضرات انبیاء علیہم السلام کا ارشاد ہے لا اسئلکم علیہ اجرا کہ ہمیں تبلیغ کے معاوضہ میں مال نہیں چاہیئے ہم تم سے روپیہ پیسہ نہیں مانگتے ہیں اور جہاں مال لینے کا حکم ہے مثلاً ارشاد ہے خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم یعنی ان کے مال سے صدقہ لے لیجئے انہیں کے تزکیہ و تطہیر کے لئے یعنی اس میں آپ کا کوئی نفع نہیں ہے تو اگر کسی کو خذ من اموالھم سے شبہ چندہ کا ہو تو اس کا شان نزول دیکھ لیجئے۔ اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ غزوۂ تبوک میں بعضوں سے کوتاہی ہو گئی تھی جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو انھوں نے کچھ مال حاضر کر کے اس کے قبول کی درخواست کی اس پر یہ ارشاد ہوا سو اس سے چندہ مانگنے کا کیا تعلق لہٰذا خذ اور کہاں سوال اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اگر وہ خود لادیں تو لے لو انکار نہ کرو اور سوال یہ ہے کہ مانگ مانگ کر لوگوں سے روپیہ جمع کیا جاوے سو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر کوئی بسبب خاطر کوئی چیز لادے تو لے لو تو خذ من اموالھم سے چندہ مانگنا کیسے نکل آیا تو خذ فرمایا ہے اسئل تو نہیں فرمایا۔ اور چندہ تو سوال ہے نہ کہ خذ اگر اسئل فرماتے تو تمہارا دعا

حاصل ہو جاتا مگر یہ سوال کے متعلق تو یہ آیا ہے وان تؤمنوا وتتقوا یؤتکم اجورکم ولا یسئلکم اموالکم اگر تم ایمان لاؤ اور خدا سے ڈرو تو اپنے مال سے نہ دو گے اور تم سے تمہارا مال نہیں مانگیں گے فکر ہو آگے فرماتے ہیں ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا ویخرج اضغانکم یعنی اگر تم سے اصرار کے ساتھ مانگا جائے تو تم بخل کرنے لگو۔ واقعی یہ خدا ہی کا کلام ہے کیونکہ وہ تو تمہارے دل تک سے واقف ہیں میں تو کہتا ہوں مگر یہ سوال تو بھی تکلم محض رسمی سے ہوتا تو اس میں تنگ ہی کیا ہی نہ ہوتیں۔ فرماتے ہیں ہو تو سہی مانگتے تو سہی یسئلکموھا فیحفکم یعنی یہاں سوال میں فیحفکم کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال میں عادۃ اصرار ہوتا ہے چنانچہ مانگنے والے کی دو حالتیں ہیں جس میں سے کو پیٹ جائے شریعت میں یہ حرام ہے تو فرماتے ہیں کہ اگر تم مانگو لگیں تو تم بخل کرنے لگو گے اور تمہاری دلی کدورت ظاہر ہو جائے گی اضغانکم سے اصل معنی سینہ کے ہیں یہاں مراد کدورت ہے یعنی انفاق میں جو دل پر تنگی ہوتی ہے وہ ظاہر ہو جائے گی۔ اس سے ہم تم سے سوال نہیں کرتے اگر سوال کریں تو یہ خرابیاں ہوں گی یہ حاصل ہے آیت کا ہاں انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کرنا اور بات ہے یہ سوال ہیں بخل نہیں اس لئے نفوس کو نفوس میں جا بجا بتا چکے ہیں اگر کسی کو ثواب لینا ہو لے لے۔ یہی تو فرماتے ہیں ھانتم ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ ہم بے شک تمہیں اس طرف بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کے راستہ میں اس میں تمہارا ہی نفع ہے مگر مانگتے سب ہیں ہم تو تم سے لیک کوڑی بھی نہیں مانگتے۔ البتہ خرچ کا راستہ بتلاتے دیتے ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک تو کسی سے کہا کہ دس روپیہ لاؤ یہ تو سوال ہے اور ایک یہ کہ کسی کو کہے کہ میاں دس روپیہ فلاں چیز لے لو گے تو نفع ہوگا یہ

مشہور ہے بیٹے پیچھے نہیں مانگتے بلکہ وہ اس کے لئے کیا کیا محنت تعلیم و
دوا میں کرتے ہیں محبت سے خرچ کرتے ہیں کوشش میں اس کی ترغیب تو ہے کہ
خرچ کرو اگر خرچ کرو گے تو اس کا ثواب یہ ہے کہ مثل حبہ انبتت سبع
سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبہ واللہ یضعف لمن یشاء بلکہ دو اور
سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ ؎

خزانہ یار میں تیرے لئے ہے کیا بیک گل بیخ ہی گلزار دے

اور فرماتے ہیں ؎

یہ جاں بستانہ وصد جاں بہ ایثار تو ارزد بہ نیم آں وہ

تو یہ ایک خاص حکمت کی بات تھی دنیا میں جو کچھ خرچ کرو گے اس سے منافع حاصل ہوں گے
بلکہ بعض ہوشیار تجارت میں بھی کمی کرتے ہیں اس کا نمبر ہ تو ہی بھگتو گے، ہمارا کیا
نقصان ہمارے تو تمہارے خرچ کی ایک بات تھی بھی نہیں مانتے مت مارو ایسی تیسی
میں جاتی ہے کرتے رہتے ہیں فمنکم من یبخل ومن یبخل فانما یبخل
عن نفسہ یعنی جس نے اس سے کچھ روکا نہیں تمہارا ہی نقصان ہے واللہ الغنی
وانتم الفقراء فقط غنی ہے اس کو کسی کی پروا نہیں ہاں تم محتاج ہو تمہاری
عاقبت ہی کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے راستہ میں دو گے تو مالا مال ہو
جاؤ گے۔ نہیں مانتے تو تمہارا ہی نقصان ہے ہمارا کیا بگڑا اس آیت کی یہ تقریر ایک
عالم صاحب نے سن کر بہت خوشی ظاہر کی اور دعائیں دیں اور کہا آج اس کا مطلب
سمجھ میں آیا پہلے تو بڑے تردد میں تھا کہ اس آیت میں یہ کیسا تعارض ہے کہ اول
آیت میں تو سوال نفی معلوم ہوتی ہے اور آخر میں خود سوال ہے اب معلوم ہوا
کوئی تعارض نہیں کیونکہ دوسری آیت میں سوال نہیں ہے بلکہ ترغیب ہے۔ انفاق
فی سبیل اللہ کی دوسری آیت میں نفی ہے۔ سوال کی اس تقریر سے سب شکایت حل ہو گئے

مگر ایک تو وہ یہ کہ اگر ہم خرچ نہ کریں تو دین کا سب کام چوپٹ ہو جاوے مدرس کیسے تنخواہیں دیں واعظ کی خدمت کون کرے اگر ہم خرچ نہ کریں تو رفتہ رفتہ دنیا سے دین رخصت ہو جاوے تو اس حقیقت سے ہر شخص واقف ہے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہاں بیشک بظاہر تمہاری ہی وجہ سے یہ کام چلتے ہیں اگر روپیہ نہ دو تو یہ کام رہے گا کہاں سے روپیہ کی دینے والے کی تو واقعی خدمت ہے مگر خاص تمہاری ذات تو بیچ میں خدمت نہیں اگر تم اس کام کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو یہ دین دیں گے کہ کما قال تعالیٰ وہ اس دینی خدمت کو کرے گی اسی مضمون کو فرماتے ہیں وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم یہ مطلب یہ ہے کہ واقعی دین کا کام خرچ کرنے سے چلتا ہے مگر وہ خرچ کرنا تم پر موقوف نہیں سمجھ لیا بلاغت ہے یستبدل میں شارہ ہے اس طرف کہ یہ خرچ کرنا تمہارا ایک عہدہ ہے تم مالک نہیں ہو۔

خزانچی کو بادشاہ کے حکم سے روپیہ دینا اس کا عہدہ ہے وہ خزانے کا مالک نہیں بلکہ مالک بادشاہ ہی ہے۔ اگر خزانچی بادشاہ کے کہنے پر روپیہ نہ دیوے تو مالک اس عہدہ دار کو ہٹانے پر قادر ہے اس طرح سے کہ فوراً کان پکڑ کر نکال دیا جائے گا اور اس کے تمام اعزہ سے کوئی خزانچی بنا دیں گے اسی طرح اگر تم خرچ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ دوسری امت پیدا کر دیں گے کہ وہ دینی سبیل میں خرچ کرے گی اور دینی خدمات کو انجام دے گی یہ بھی شبہ رفع ہو گیا۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ سب سے پہلے چندہ مانگتے ہیں اور کام کچھ نہیں کرتے۔ اس طرح چندہ کو بھی بے اثر کر دیا کہ ہر بات میں لو چندہ۔ پھر اس کے مصارف کی کچھ پروا نہیں کہ حلال طریقے سے خرچ ہوتا ہے یا حرام طریقے سے اور

کہیں صرف کرتا ہے لہاں تو اس کو پروا ہی نہیں۔ نہ لیتے ہیں نہ دیتے ہیں
کہ کوئی تقیدہ تو حق نہیں گیا۔ ان نابالغ کا مال تو نہیں آگیا۔ بس جس طرح آگیا لے لیا۔
وہ دادا ہے اس میں جو بھی کوئی پیسے نایاں نہیں ہوتا۔ پھر چندہ کرنے میں بے آبروئی کا
نیال ہوتا ہے۔ وقت کی کچھ شت خواہ کتنی ہی دشت ہو مگر چندہ تو ملے
۔۔۔ تھا۔ بھون سے اسٹیشن پر ایک بجہ بنی ہے جب اس کا کام شروع ہوا تو
ہمارے پاس کل آٹھ روپے تھے وہاں یہ روپیہ سب تھے پانی روپے کے
ہوں سے پھر آٹھ کے کتنے دیے ہوتے لوگوں نے کہا آٹھ روپے،
بیٹے آٹھ روپے سے بجہ کا کام شروع کر دیا۔ لوگوں نے بڑا تعجب کیا اور یہ کہا
اب اور روپیہ نہیں آئے گا۔ آٹھ روپے سے بھی بھلا بجہ
تیار ہو سکتی ہے۔ مگر یہ قصہ معلوم ہوا تو میں نے کہا کہ آپ نے میاں کو کیسے
یہ قیاس کیا ہے کہ ان کے پاس روپیہ نہیں ہے ان کے یہاں روپیہ کی کیا کمی ہے
وہ تو ان کے سسرال سے آئے ہیں۔ میں نے مولانا تقیہ سے کہا کہ تم بنیا کھڈ
ہو کسی کا کہنا مت مانو تم نے نام سے کر کھڈوا دیا۔ ان میاں ہی کو غلیمی سمان
سے بجھ لیں گے۔ ان مولوی صاحب نے کہا کہ میاں لڑکے ہو کچھ سمجھتے نہیں۔ میں نے کہا کہ
سمجھ سے کام چل جاتے تو بڑوں کو ہونے کی ضرورت نہیں، اور واقعی ان کے
اعتبار سے تو بڑے ہی تھے جیسے ایک بڈھے صاحب ریش والے سے میں نے پوچھا تھا
آپ میاں ہیں کہاں میں فلاں صاحب کا لڑکا ہوں تو اگرچہ یہ خود بھی بڈھے تھے مگر
اپنے باپ کے اعتبار سے تو لڑکے ہی تھے ایسے ہی ہم بھی ان کے اعتبار سے لڑکے ہی تھے
جب یہ آٹھ روپے خرچ ہو گئے اور روپیہ نہ رہا تو میں نے ناظر سے کہہ دیا تھا کہ کسی سے
چندہ مت مانگنا وہ کہتے تھے کہ یہ حال ہو گیا کہ میں بازار کو کسی کام کو جا رہا ہوں اور
لوگ پکار رہے ہیں کہ میاں فلاں صاحب ذرا ادھر آتے میں کہتا بھائی مجھے کام کو جانا ہے

وہ کہتے اچھی ذرا ٹھہرو تو پھر وہ خود آتے اور کوئی دو روپیہ اور کوئی چار روپیہ لے آتا۔ غرض لوگ بلا بلا کر روپیہ دیتے تھے اس زمانہ میں مجھ پر ہوا کے صاحبزادہ پر بیان تھے اور اس قدر پریشان تھیں کہ ڈر تک نہ رکھتی تھیں۔ اس حالت میں میں نے ناظم سے کہہ دیا کہ تم ان کے پاس لکھ دو کہ یہاں ایک مسجد بن رہی ہے ایک کارِ خیر ہے، اگر آپ اس میں حصہ لینا چاہیں تو لے سکتی ہیں۔ میں آپ سے چندہ نہیں مانگتا صرف اس لئے اطلاع کر دی کہ شاید علم ہونے پر پھر آپ کو خیال ہو کہ مجھے کیوں نہ اطلاع کی گئی اس کارِ خیر میں مجھے کیوں نہ شریک کیا گیا۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ تعمیر مسجد میں کتنے روپے خرچ ہوں گے تخمینہ درکار ہے۔ ہمارے دوستوں نے کہا کہ کچھ زیادہ لکھ دیجئے کیونکہ اگر کہیں خرچ زیادہ ہو گیا تو زیادہ روپیہ کی ضرورت ہو گی اور تعمیر کا کام ایسا ہی ہے کہ کبھی بڑھ جاتا ہے۔ میں نے کہا نہیں جی سیدھی کے بہانے کچھ کمی نہیں بیجے اگر بعد میں ضرورت ہو گی تو وہ پھر دوبارہ لکھ دیں گے۔ غرض ان کو صحیح تخمینہ کی بنا کر دی۔ اطلاع کی گئی، روپیہ آیا اتفاق سے کام بڑھ گیا اور روپے کی ضرورت پڑی۔ میں نے ناظم سے کہا کہ ایک خط اور لکھ دو بیگم صاحبہ کو۔ اور اس کا یہ مضمون ہو کہ جو روپیہ آپ نے بھیجا تھا وہ تو سب لگ گیا اور اتفاق سے کام بڑھ گیا ہے آپ کو یہ اطلاع اس لئے نہیں کی جاتی ہے کہ آپ خواہ مخواہ اس کی تکمیل ہی کریں بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ بعد میں آپ کو ناگواری نہ ہو کہ مجھے کیوں نہیں اطلاع کی۔ آپ سے چندہ کی درخواست نہیں کی جاتی۔ آپ اگر آسانی سے دینا چاہیں دے دیں۔ چنانچہ خط پہنچتے ہی فوراً روپیہ آ گیا۔ اس واقعہ سے لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ یہ سننے کے ساتھ لکھ گیا تھا اور پھر بہت جلد کامیابی ہو گئی۔ میں نے کہا کہ میاں یہ سنت نبی کی برکت ہے وہ بھی کسی سے چندہ نہیں مانگتے تھے ہم نے اس پر ہی عمل کیا ہے اس کی برکت سے خدا نے کام پورا کر دیا

جب تک حکومت میں قوت ہے اس وقت تک اس کے قانون و نظام میں ضعف نہیں آسکتا۔ اسی طرح جب تک خدا موجود ہے اس وقت تک اسلام ضعیف نہیں ہو سکتا۔ خدا سے کہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا اسلام بھی ہمیشہ قوی رہے گا اس میں ضعف نہیں آسکتا۔ اسلام کو اندھیرا کہنا نہایت بے ہودہ ہے مسلمان کو اس سے بڑی عار نہ چاہیئے۔

بجھے ہوئے دیے میں تمہیں ۱۹۱۱ء میں جن خیالات کا اظہار میں نے اس نظم میں کیا تھا وہ اب تک میرے دل میں قائم ہیں۔ اسلام کی عظمت کے زمانہ میں نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے شاندار ماضی سے غافل ہو گئے ہیں۔ ہم نے اپنی تاریخ کا مطالعہ چھوڑ دیا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے اسلاف کی عظمت کی بنیاد کیا تھی

بنیاد پر ہوئے ہیں جدھر اتحاد نہیں ہو گیا وہاں سے یہ کہ یہ قوموں کے
ہاں یہ حس کی خوبیاں ہیں تاکہ ہم نے ان سے ان کو محفوظ رکھا ہے
جس کو حق تعالیٰ نے دیا ہے وہ ہی حس ہے اس کو محفوظ رکھنا اور وحدت
اتحاد ہمیشہ ہمارا ہی حسن ہے اس وقت ہماری
حالت بالکل خراب ہو گئی ہے اعتدال سے
نہیں ہوتا۔ بس وہی حال ہے ؎

جوں گرسنہ میتوی سگ میتری ۔ چونکہ خوری تند و بدرگ میشوی

یعنی یہ حالت ہے کہ اگر بھوکے ہیں تو آدمی کی طرح ہیں اور پیٹ
بھرے ہیں تو درندوں کی طرح ہیں۔ یہ حالت ہے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جماعت کی ۔ تلافی بھی نہ کی فرصت تو پھر کیا کی

یا تو ہر حالت میں بیٹھے رہتے یا اٹھتے تو بھی دو ہاتھوں سے ساتھ
ہی تلوار لے کر اٹھتے اور بھی ان کی تلوار کاٹتی ہماری ان مثال ہے
کہ ہاتھ کے اوپر تیز ہوتی ہے نیچے تو یہ تھا کہ دونوں کے
ساتھ کچھ نہ ہوتا تو بھی وہیں حال پڑتے کا اتحاد ہی پر قید و کسب ہار تھا چاہے
سوئے رہتے مگر تلوار نہ ٹوٹتے۔ افسوس ان کو تو اتحاد کا خیال تھا اور وقت اتحاد کی
ضد تھی اور ان کو اس کی بھی پروا نہ تھی بلکہ اس اتحاد ہی کی حالت میں وہ ان
کی تلوار کاٹ رہے تھے مگر ان کو خبر بھی نہیں ہوتی اور یا اب خبر ہوئی تو مرنا جینا
برابر کر دیا تھا فرشتے نے پھر تلوار دو حصہ ہیں جب وہ نہیں پھر کیا لڑائی
طریقہ سے بغیر مرنا جینا فساد کے کچھ نہیں بس ہمیں تو یہ وقت بتلایا گیا ہے اور
ہم کو اختیار کرنا چاہیئے ہیں ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ
الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم

[illegible]

تبلیغ

آداب و اصول

[illegible] آداب تبلیغ کے متعلق حق تعالیٰ نے [illegible] آداب تبلیغ کو مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے [illegible] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے داعی کو تین قسم کی حکمت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دعوت کرنا ہی نہیں جانتے اور بعض وہ ہیں کہ دعوت تو سمجھتے ہیں مگر جنگ و جدال کرنے لگتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی اصلاح فرمائی ہے کہ دعوت تو کرنا چاہئے وہ تو فرض ہی ہے۔ اس میں فرقہ اول کی اصلاح فرمائی ہے کہ فرماتے ہیں کہ دعوت تو ہو مگر ایک خاص طریقہ سے آگے وہ طریقہ بتلاتے ہیں وہ طریقہ دعوت کا یہ ہے کہ حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ۔ نرمی سے سمجھاتے رہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا ارشاد فرمایا ہے۔ ایک حکمت دوسرے موعظت حسنہ۔

اور یہ سمجھ لو ان دونوں میں فرق کیا ہے سو حکمت تو کہتے ہیں علم کو۔ اور موعظت حسنہ کہتے ہیں ترغیب ترہیب ترقیق قلب کو یعنی ان کو علمی مضامین سے ملاؤ۔ مضامین علمیہ ان کے کانوں میں ڈالتے جاؤ اور ان مضامین کو ترغیب ترہیب سے مؤثر بناؤ۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ۔ اور یہ حکمت مقابل ہے مناظرہ و جدال کا کہ وہ بھی علمی مباحث سے ہوتا ہے مگر وہ حکمت نہیں بلکہ حکمت اثبات مدعا کا نام ہے۔

[illegible] ہے کہ [illegible] ہے [illegible] کیسے جواب [illegible]
[illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible]

تو مطلقاً سے کام لو کیونکہ وعظ کے سے چندان اثر قبول ہونے کی صورت نہیں۔ وعظ کا اکثر مضمون عام فہم ہوتا ہے۔ کیونکہ واعظ حضرات دیکھتے ہیں جس سے قلب میں نرمی پیدا ہو، رقت طاری ہو تو معنی یہ ہوئے۔ جنت کی رغبت دو۔ دوزخ سے ترہیب کرو۔ نعمائے جنت و آسائش و راحت جنت بیان کرو۔ اس سے رغبت پیدا ہوگی۔ اور دوزخ کے دکات، اور تکالیف و عذاب سے ڈراتے رہو اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شبہ کرے تو اس کے لئے حکم ہے جادلھم بالتی ھی احسن کہ ان سے بحث کرو احسن طریقہ سے جس کی تفسیر اور گذر چکی۔

آگے ان [illegible] پڑھا فرمایا ہے میں ایک باریک بات بتلادوں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان وحکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ تو یہی رائے سے سمجھ لو کوئی تعرض نہ ہو، درشتی نہ ہو، ظاہر ہے۔ یہ طریقہ ہی اختیار کرسکتا ہے جس کے اندر تعشق ہو۔ اگر وہ تعشق نہیں تو اس کو مست مجابت کی بات نہ [illegible] جیسے مست [illegible] تعلق ہوتا ہے تو چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ رہے۔ طرح طرح سے [illegible] کبھی پیسہ دیتا ہے کبھی مٹھائی کھلاتا ہے، پیار کرتا ہے، کہتا ہے کہ میاں تمہارا ہی فائدہ ہے سبق پڑھو دیکھو اگر پڑھو گے تو درجات ملیں گے۔ تو اس طریق کی تعلیم دیتا ہے اگر عشق کا حکم دیتا ہے مگر اس حکم تعشق میں ایک نقصان بھی تھا وہ یہ کہ تعشق کی وجہ سے جس طرح بچے تعلیم میں نرمی اختیار کرتا ہے ایسے ہی تمہارے نافرمانی سے رنج بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی بچہ کے ساتھ محنت اور جان کاہی کی جائے اور بچہ بھی نافرمانی ہو تو طبیعت کہتی ہے کہ ہائے ہماری ساری محنت برباد گئی خاک ہی میں مل گئی۔ بچہ رنجیدہ ہو کر گھر سے باہر دھوپ میں بیٹھتا ہے۔ اس سے اس اشکال کے عملی علاج کے لئے آگے ان ربک ھو اعلم میں اس شفقت کو معتدل پر لانے کا طریقہ بتلاتے ہیں

وہ وہ عیب ہے، قسم ہے وقتی خلق کی تین سو نے حد سے کسی نے نہیں تانی
ان کی تعلیم میں ذرا تفریق نہیں ہے بالکل عقل کی مثل ہے یہ مار فرمائی
ہے اور تفریق نہیں یا ئے ۔ حد سے زیادہ تفقت دو یہ بھی حد کہ کسی سے
آخر دم دوں ہو جاوے گا وہ کار بھی تیر بیٹھے گا اور کر تھر یا سے یہ بھی مضر ۔
لیکر تفقت کی تاثیر کا دار ہوتا ہے اور بے شفقت کا اور اثر ۔ ت تعالیٰ سے
ان تقاریر کی بابت یہ بتلانا تاکید کی جا ہیں کسی میشی نہ ہو ۔ دونوں پہلو
پر مرتبہ ہیں ۔ ۔ ۔

سے ہوتا ہے اگر تفقت سے تبلیغ کی طرف توجہ ہوتی ہے یہ منشا مقصود نہیں، بلکہ اصل مقصود تبلیغ ہے اگر تفقت سے تبلیغ ہی ہوتی ہے تو تفقت کی جتنی بھی تفقت سے زیادہ ہو یا اس کو کہہ رہے ہیں گے اس کے علاوہ اس میں ایک اور مقصد ہے وہ یہ کہ ساری دنیا تو ایسی نہیں جو اس طریق کو اپنائیں یعنی دنیا میں سب قسم کے لوگ ہیں اگر ان سے وہ لڑنے لگے یا زیادتی کرنے لگے تو کیا کریں گے اس کے لئے فرماتے ہیں [illegible] سبحان اللہ دیکھئے اس میں کیسی بلاغت ہے کہ مخاطب نہیں بنایا جس میں بتلایا کہ آپ کو تبلیغ میں اس کی فکر ہی نہ کرنی چاہئے آپ سے تبلیغ میں کوئی چوک ہو گئی یا آپ اس کا ذمہ ہیں آپ کے ساتھ حق تعالیٰ کی امانت خاصہ ہے۔ ہاں اگر تبلیغ اور ان کے عدم ان کے غلاموں کو یہ بات پیش آجاوے تو ممکن ہے اس سے تمہیں مخاطب نہ کر سکتے ہیں کہ جتنی تکلیف کسی سے تمہیں ہوئی ہو اسی کی اس کو تکلیف دہی نہ کرنا دلیل صابرتم لھو خیر للصابرین سبحان اللہ واقعی یہ خدا کا کلام ہے اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو وہ صبر کرتا اور معاقبہ کو مؤخر کرتا۔ مگر حق تعالیٰ نے صبر کو مقدم نہ کیا اس میں بندہ کی عاجزی کی رعایت ہے کیونکہ بشریت کا خاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی غصہ میں بھرا رہا ہو اس وقت اس کی موافقت کرنے سے غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور مخالفت کی جاتے تو وہ اور زیادہ گرم ہو جاتا ہے بالکل یہ ہو جاتا ہے مثلاً کسی کو آپ نے لڑتے دیکھا اور اس سے کہا کہ تو بھی اس کے چار دھول لگا دے یہ کہتے ہی وہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور اگر تم نے یوں کہا کہ کیا نامعقول حرکت ہے کیوں لڑ رہے ہو صبر و تحمل سے رہنا چاہئے۔ تو وہ یک تو اس پر دانت پیس رہا تھا اب آپ کی طرف بھی گھورنے لگے گا۔ کہ سبحان اللہ کچھ سمجھے نہ سمجھائے یوں ہی صبر و تحمل کی ہانکنے لگے تو اللہ میاں نے مخاطب کی رعایت کی۔ اگر کوئی تم سے لڑنے بھڑنے تو تم بھی اس کے

[illegible] تو وہ بہت ہی خجالت ہے [illegible] کو اس طور پر [illegible] ہے [illegible] ہے جس کا حضورؐ سے خطاب ہو رہا ہے اور اس سے پہلے [illegible] ہے [illegible] میں رہبر [illegible] یعنی آپ کو جو رنج ہوتا تھا اُن سے راضی کرنے سے [illegible] میں تو اُن پر صبر فرمایا ہے [illegible] تم میں [illegible] کرنا رہبر زیبا [illegible] ہے۔ اس [illegible] کے بڑھانے میں ایک [illegible] نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ مسلمانو سمجھو صبر جس کے [illegible] کو مشورہ دیا گیا ہے۔ [illegible] میں یہ [illegible] ہے کہ حضورؐ کو بھی باوجودیکہ آپ اعلیٰ درجے کے اخلاق پر ہیں اُس کا حکم ہو کہ صبر کیجئے تم اُس شمار میں ہو؟ تو اس سے مخاطبین کو صبر سہل ہو جائے گا اس سے آگے ایک اور مرض کا علاج فرماتے ہیں۔ وہ مرض یہ ہے کہ صبر سے دعویٰ پیدا ہو جاتا ہے دوسروں پر، کہ ہم نے ایسے موقع پر صبر کیا ہے بڑے کامل ہیں۔ اس کا اس طرح [illegible] فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو خطاب فرماتے ہیں [illegible] جس میں آپ کے خادموں کو سنانا ہے کہ میاں کیا دعویٰ کر سکتے ہو تم بے چارے کیا چیز ہو خود رسولوں کا صبر بھی جب واقع ہوگا وہ بھی خدا ہی کی توفیق سے ہوگا پھر تمہارا اُن کے سامنے دعویٰ کرنے کا یا شائستہ ہے؟ تم ہو کیا چیز اُن کے کمال کے سامنے تمہارا کمال معدوم ہے، اُن کے صبر کے مقابلہ میں تمہارا صبر کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب اُن کا صبر بھی بغیر توفیق مولیٰ نہیں ہو سکتا، پھر تم کیا دعویٰ کر سکتے ہو؟

آگے فرماتے ہیں [illegible] کہ اگر ناکامی ہو تو دل میں تنگی نہ ہونا چاہیئے آگے اس تنگی کو رفع کرنے کے لئے مراقبہ بتلاتے ہیں، اگر یہ مراقبہ پیش نظر رہے تو کبھی تنگی نہ ہوگی پس فرماتے ہیں ان اللہ مع الذین

مقصود [illegible] یعنی یہ سوچو کہ مقصود تبلیغ سے کیا ہے۔ کیا دوسروں کو خاص مسلمان بنانا مقصود ہے اگر کسی کو یہ مقصود ہوگا تو اگر ایک بھی کافر رہے گا تو رنج ہوگا پس نہ تم سے دلاتے ہیں کہ تبلیغ سے حاصل یہ مقصود نہیں کہ آپ کی سب دعوہ مراد پوری ہو جایا کرے کہ سب کے سب دین اسلام میں آجاویں بلکہ مقصود تبلیغ سے خدا تعالیٰ کا قرب اور معیت حاصل کرنا ہے اگر وہ تم کو حاصل ہو جائے تو خواہ ساری عمر میں ایک بھی مسلمان نہ ہو ایک جگہ بھی کامیابی نہ ہو کچھ حرج نہیں اور اگر یہ نہیں تو ساری دنیا کی اصلاح سے تمہارا نفع ہوا اس کو فرماتے ہیں [illegible] یعنی اللہ تعالیٰ تو متقین و محسنین کے ساتھ ہے اگر تقوے اور احسان حاصل ہے پھر تبلیغ کی بجا آوری سے یہ حاصل ہوگیا تو معیت خدا نصیب ہوئی اور یہی کافی ہے اب دنیا کی چیز کی ضرورت نہیں اب خواہ کوئی بگڑے یا سنورے تم کو اس کی پروا نہیں ہونا چاہیئے فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر یہ آداب ہیں اسلام کے اور یہ آداب ہیں تبلیغ کے۔ صاحبو افسوس ہے دعوے سے ہم اتنی بڑی بیڑیوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں کہ نہ اپنے اسلام کی تکمیل کی فکر ہے نہ دوسروں تک تبلیغ اسلام کی فکر ہے۔ لوگ چونکہ اس سے غافل ہیں اس لئے اس وقت اس کے متعلق بیان کیا گیا کیونکہ حلوا نہ تنہا بایست خورد۔ پس اب اپنی بھی اصلاح کرو اور تبلیغ بھی کرو اور اس طرح کرو جیسے قرآن میں ہے نومسلموں اور کافروں کو نرمی سے سمجھاؤ کسی سے لڑو بھڑو مت، مناظرہ مروجہ مت کرو کہ یہ آداب تبلیغ کے خلاف ہے اور اس سے نفع بھی نہیں ہوتا تجربہ ہو چکا ہے۔ جتنی کو اس کا یہ قوموں نے بھی تجربہ کر لیا ہے وہ بھی اب مناظروں سے کنارہ کش ہونے لگے ہیں اسلامی مضامین کان میں ڈالے جاؤ بار بار اسلام کی خوبیاں سناتے رہو یہی طریق

قرآن کا ہے چنانچہ جابجا فرماتے ہیں صرفنا الآیات صرفنا فی ھذا القرآن وامثالھما۔ یعنی بار بار مضامین کو دہراتے ہیں اگر یہ لوگ اس طرز کو تقیاً کریں یعنی وقتاً فوقتاً احکام پہنچاتے رہیں تو انشاء اللہ بہت نفع ہو اور اگر نفع نہ بھی ہو ہمارا کیا بگڑا ہم نے تو اپنا فرض ادا کر دیا، جو کام ہمارے ذمہ تھا وہ ادا کر دیا اب نفع ہو یا نہ ہو، وہ جانیں اور ان کا کام۔

تبلیغ میں دو نیتیں

ہمیں اس سے کیا بحث قرآن مجید میں حکایت ہے واذ قالت امۃ منھم لم تعظون قوما اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا کہ اصحاب سبت میں سے ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا کہ تم ایسی جماعت کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا تعالیٰ ہلاک کرنے والے ہیں یا جن پر عذاب شدید نازل فرمانے والے ہیں ایسے لوگوں کو خطاب کرنے سے کیا فائدہ ہے قالوا معذرۃ الی ربکم ولعلھم یتقون انھوں نے کہا کہ صاحب ہم اس لئے نصیحت کرتے ہیں تاکہ تمہارے لئے ایک عذر ہو خدا کے نزدیک کہ یا اللہ ہم نے تو کہا تھا انھوں نے مانا نہیں، جو ہمارا کام تھا وہ ہم نے ادا کر دیا تھا ایک تو یہ بات ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لعلھم یتقون کہ ممکن ہے یہ لوگ ڈریں، شاید ان میں سے کسی کو ہدایت ہو جائے۔ کیونکہ نرمی کے ساتھ سمجھانے سے امید تو ہے اُن کے ایمان کی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں یہ حکایت ہے بس یہی دو نیتیں آپ بھی تبلیغ میں رکھئے ایک معذرت عند اللہ اور دوسری ان کے ایمان لانے کی توقع جن میں سے پہلا مقصود تو قطعی الحصول ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اور دوسرا محتمل و متوقع ہے۔ بس تم ان کو اسلامی محاسن سناتے رہو ان شاء اللہ بہت کچھ اصلاح کی امید ہے اور اس سے بہت اصلاح ہوتی ہے

قانون سلم کی رعایت

چنانچہ اس کا یہ واقعہ یاد آگیا۔ جس سے ان کی حسن کا اندازہ ہوتا ہے

وہ یہ کہ حضرت سلمی رضی اللہ عنہ کے یہاں فارس کا ایک شخص آیا کرتا۔ ہو کر آیا تھا آپ نے اس پر اسلام پیش کیا اس نے قبول کر لیا جب آپ نے فرمایا تو مطیع ہو کر رہنا ہوگا اس نے کہا منظور کیا آپ نے فرمایا تو یہ اب قتل کے لئے تیار ہو جاؤ چنانچہ آپ نے قتل کا حکم دیا اس نے کہا اب تو میں مار ہی جاتا ہوں میری پیاس بجھانے کے لئے ایک کوزہ دودھ کا کہو کہا پانی پیا جاتا ہوں آپ نے کہا بہت اچھا پانی لایا وہ دودھ کا کوزہ اس کے پاس لے گیا وہ جیسا رہتا لیا آپ نے فرمایا پیتا کیوں نہیں ہو کہا مجھ کو اطمینان نہیں کہ مجھے پانی پینے کے بعد بھی قتل تو نہ کر دیا جائے گا آپ نے فرمایا نہیں حضرت عمر کے عہد میں کسی سے دھوکہ نہیں کیا جائے گا جس کے آپ سے فرمایا کہ تو پانی پی لے تجھ کو اطمینان نہیں آپ اور دیکھئے کہ جب تک تو پانی پی چکے گا اس وقت تک تجھے قتل نہ کیا جائے گا جب تجھے اطمینان ہو گا۔ آپ سے یہ بات کہہ دی اس نے یہ تدبیر کی کہ جھٹ سے پانی دودھ اور کہا اب مجھے قتل کرو کیسے کرتے ہو؟ اس کو یہ اطمینان ہو گیا کہ آپ یہ تو فرما ہی چکے ہیں کہ جب تک پانی پی چکے گا اس وقت تک تجھے قتل نہ کیا جائے گا اور اب پانی کا پینا تمام ہو گیا ہے تو اب متحقق شرط متعذر ہو گیا تو مشروط بھی متعذر ہو گیا اب مجھے کیسے قتل کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ جاؤ تم کو دیا آزاد ہوتے ہی اس نے کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ اور مسلمان ہو گیا جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اگر میں اس وقت جب آپ نے مجھ پر اسلام پیش کیا تھا مسلمان ہو جاتا تو

فرصت کب مل سکتی ہے مگر ہماری خود آنکھیں نہیں ہیں اس لئے وہ محاسن خود ہم کو نظر نہیں آتے دوسروں کے سامنے لیا پیش کرتے۔

جب ہماری ایسی حالت ہو تو ہم جیسے ایک نہایت حسین جمیل عورت ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں مگر اس کا شوہر اندھا ہے، وہ بے چاری حسرت سے رو رہی ہے دہائے کھا رہی ہے تو یہ حسن و جمال و دلکشی کا کوئی قدردان نہیں۔ وہ یہ بھی کہتی ہے کہ میرے تو بیا بھی نہیں یا فدا فی فریں گے یہ لے لئے تو نظر ہی خلال نہیں، وہ تو اندھا بھی نہیں سکتے وہ تو ہم کسی کے دیکھا بھالا تھا وہی اندھا ہے اور اندھا بھی ایسا وہ جس کو ماں نے بھی نہیں، کیونکہ جتنے اندھے ہی کسی کو دیکھتے ہیں تو کہا کرتے ہیں مسلمان ہیں اور اچھی ہو تو کہتے ہیں کہ یہ بڑا حسین ہے خواہ وہ بالکل ہی بدصورت ہو۔ چنانچہ ایک مشہور ہے کہ ایک اندھے نے بیاہ کیا بڑا اچھا ہے کسی نے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا اچھے برے کو تو لیا جائے۔ بیاہ کس نے کیا ہو رہے، عبارت تیکھی نہیں اس سے معلوم ہوا وہ شہر بھی اچھا ہے۔ اسی طرح اندھے بھی ہیں کہ ان کی آواز اچھی ہو وہ خود بھی اچھا ہے مگر بہت سے اندھے ہیں جو ہر مسلمان کو یا ان کی طرح ہی نظر نہیں آتیں ورنہ ان کا حسن تو ایسا تھا ؎

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ۔ گل چین بہار تو ز دامان گلہ دار

محاسن میں یہ بات بھی ہے کہ ایک شخص نے ایک ایسی بہت بدصورت اور داد دھا تھا۔ اتفاق سے ایک نجومی بنانے والا وہاں سے نکلا اس نے بہادر اپنے داد کا علاج کیوں نہیں کرتے۔ بچے نکا اگر وہ اچھا ہو لیا تو تیری ساری عمر کا علاج کیے دیتا ہوں۔ اسلام بدشکل ہوتا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں نکلنے سے ڈر لگتا بھی تعجب نہ تھا مگر اسلام تو ایسا حسین ہے کہ اس کے بدخواہ

دنیا میں کوئی حسین نہیں معراس کا قدر دان کوئی نہیں اس سے حسن کی کسی کو خبر بھی نہیں اور غیر تو کیا جانتے خود مسلمان بھی نہیں جانتے۔

مفاسد چندہ

بس اب تو یہ رہ گیا ہے مولوی صاحب بچوں نے دھتے ہو گئے صدقات کے کچھ فضائل یاد کر لے اور لمبی چوڑی تقریر کر کے غریبوں سے روپیہ وصول کر لیا کرتی اچھے کہ تم نے لیا دیا کچھ تم بھی کچھ دینا چاہیئے یا اور دن سے ہی وٹ لسوٹ لینا سیکھ لیا ہے، خود ایک پیسہ بھی داخل کرنا نہیں جانتے عارف تیرہ ہی لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں، جو اوروں سے تو بہت لو مگر دو نہیں اور خود کسی سے

واعظان کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند ۔ چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند
مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس ۔ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

دوسرے تو کہتے ہیں ایک پیسہ دو کہ تو سات سو پیسے میں سے کیوں نہ اور یوں لیڈر کہ اس اسلام میں کچھ تمیز بھی ہے خدا کی نہ خیر نیت خدا ہی جانے مگر ہے آپ کی جیب سے بھی ایک پیسہ یوں نہیں نکلتا چہاں ایک عبارت بہتر تخصیص ہے یعنی مال کے حلال ہونے کے اعتبار سے رحلال مال عزیز ہی کا ہے وہ ان کا مال ایسا نہیں ہے۔ ایک مولوی صاحب وعظ میں صدقہ کی فضیلت بیان کر رہے تھے کہ اس کی یوں فضیلت آئی ہے، یوں تو آیا ہے وعظ کہہ چکے تو ایک عورت سے یہ تک کہہ دیا ہے اس سے سب زیورات صدقہ کر دیجئے۔ آپ نے پوچھا آج بی کیسی ہو زیورات یہاں سے بولیں نے سب کو صدقہ کر دیا تم وعظ میں کہہ بھی رہے تھے کہ صدقہ کی یہ فضیلت ہے یہ ثواب ہے۔ کہنے لگے بے وقوف وعظ ہم لئے لینے کے واسطے کہا تھا یا دینے کے لئے۔۔

ہاں جی مولانا کا یہی ارشاد ہے کہ ہمارا مال لے لیا اور ہمارا مال تو

[illegible] ثواب کیسے ہوتا [illegible] قوت [illegible] میں [illegible] ہی خدا کے [illegible] تو بھی چندہ کا نام ہی نہ لو [illegible] سے بہت گھبرا گئے ہیں ان کے خیالات خراب ہو گئے ہیں کیونکہ بہت لوگ انجمنوں اور مساجد کے نام سے چندہ لے کر بھی گئے اس سے لوگ بدظن ہو گئے ہیں [illegible] بلکہ چندہ [illegible] نہ ہونے ہیں یا [illegible] چندہ [illegible] کو [illegible] نے جواب دیا ہے [illegible] واپس ہو [illegible] آخر چندہ بست [illegible] سے [illegible] ہے [illegible] واپس ہو [illegible] آخر چندہ بست [illegible] ہوں نے [illegible] واپس [illegible] نہ [illegible] سے [illegible] واپس [illegible] آخر چندہ بست۔ اور دوسرا [illegible] اصل [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] آخر میں مبارک [illegible] بست [illegible] اس کو میں نے [illegible] نہ [illegible] سے [illegible] آخر میں مبارک [illegible] بست [illegible] دونوں نے مجھ سے خود بیان کرنے علما کے ترلے [illegible] سے [illegible] میں چندہ نہیں مانگا گیا مگر [illegible] نیک [illegible] نہیں سنا جس کے [illegible] چندہ [illegible] ہو [illegible] دوسرے ایک فرق [illegible] ہے [illegible] مولوی [illegible] چندے [illegible] چندہ میں [illegible] چندے [illegible] لیتے ہیں اور وہ چار سو پر بھی خوش نہیں ہوتے اس سے علاوہ اگر موقع سے [illegible] لیں تو ان سے [illegible] سے [illegible] بھی [illegible] اور [illegible] تو [illegible] سے [illegible] بھی [illegible] چبالیں۔

[illegible] ان [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] چندہ کی [illegible] حذف [illegible] اور [illegible] کرنا [illegible] ہے [illegible] ایک [illegible] چندہ [illegible] سے [illegible] کا آسان [illegible] یہ ہے کہ ایک شخص [illegible] ایک [illegible] [illegible] [illegible] کے متعلق [illegible] [illegible] جس کو زیادہ وسعت نہ ہو وہ دو دو چار چار دس دس [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

منتخب رہیں۔ اس میں خود لی نکریں بکس حالت سے دیکھیں کہ ہمارے پاس سرمایہ موجود ہے آپ بتلائیے کون مبلغ اس کام کے لئے تیار ہے آپ تجویز تو دیجئے ہم خود اس کا خرچ دیں گے۔ یہ صورت بہت بھی ہے جس پر روسا بلا واسطہ کسی تعین وغیرہ کے خود بھی عمل کر سکتے ہیں پھر کسی انجمن یا کسی موٹی بڑی گڑبڑیاں بھی نہ دے سکیں گے مگر سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ جن سے یہ کام لیا جاوے وہ کس کے اہل ہوں یعنی خدمت دین کی یہ دو قسمیں جن سے اصلاح کی توقع ہیں دوسرے کو ہدایت کرنے کا پہلے وہ خود بھی تو متبع سنت ہونا چاہیئے۔ ابھی تازہ ہی تو بات ہے کہ دہلی میں مغرب کے وقت کسی انجمن کی طرف سے ایک صاحب فوجی مسجد میں گئے انھوں نے چاہا صاحبو! ذرا ٹھہر جائیے تو ایک بات سنا دی ہے اور کچھ جانے سے۔ بعض نماز پڑھ رہے تھے آپ تقریر کرنے لگے آگے بڑھے بھلے مانس نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس سے نمازیوں کا دل بٹے گا بعض آدمیوں نے روک دیا وہاں سب مسافر ہیں کچھ ملنے ملانے کا نہیں نماز پڑھ لے تو خیر وہ ذرا سے پھر جوش ہوا اور کہنے لگے بس تھوڑے ہو گئے پھر دیکھا کیا خاص دو تین شخص ہی کیا۔ آخر میں انجمن کے دو ممبر نے آتے ہیں افسوس میں تو اب تک سمجھتا تھا کہ مذہب کی تین قسمیں ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ بارہ قسمیں ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ابھی پڑھی جا رہی ہے کہ مجھ کو تقریر کا وقت ہی نہیں ملتا غرض اس نے بہت ہی چاہا تقریر کرنے کو مگر ایک نہ چلی اور خیر سے آپ کا لباس بھی شریعت کے موافق نہیں تھا۔ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس کی تجارت کے لئے آئے تھے کہ ہندوؤں سے کوئی چیز نہ خریدی جائے اور ان کو حق تھا کہ اس کی تبلیغ کریں۔ سبحان اللہ آپ علماء کے سردار ہیں۔ آپ ہی علماء کو نیچا دکھانے کے لئے رہ گئے ہیں۔ گویا آپ اعلم العلماء ہیں۔ افسوس آج کل یہ اسلام ایسے

ہیں رہ گئے ہیں کہ تبلیغ کی جو نہ حلال و حرام کی پروا نہ لباس تہذیب کے موافق نہ وضع اسلام ان کی بڑی حماقت میں یہ تاویلی موجب وہی حماقت ہے ؎

فریبہ سلطنت پر ہوش رہا ہیں کہ ہیں ہیں رفائی دولت ملک و دین بند

نہ یک نہیں بڑھتے در غائد اسلام بنے ہوئے ہیں صاحبو! اسلام کی خدمت خدمت کے قائدے سے نہ دور اس وقت تبلیغ اسلام کی سخت حاجت ہے اس لئے ٹھٹھرے ہوئے کے آپ میں نے بتلا دیے ہیں اب پھر مکرر عرض کرتا ہوں مبلغین کی تحریر میں مداہنہ مگر اپنے انتخاب سے کسی کو مبلغ مت بناؤ اپنی رائے سے کام تو نہ لو علماء سے پوچھ کر کیا کرنا چاہئے اور اس کا کیا طریق ہے تو علماء سے یہ کام ہو باقی رہا یہ کہ جن ریاستوں کی مرمریوں سے درخواست کرو وہ بھیک مانگ کر تمہیں لا کر دیں۔

اب میں علماء سے کہتا ہوں کہ ترغیب چندہ بھی نہ کریں۔ چندہ ہی کی مدت علماء عوام کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوتے جاتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت ترغیب اسلام کی سخت ضرورت ہے اس کے لازم ہے کہ اس میں سے تصدیق اور اسلام کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کریں باقی بڑی بحث ہے کہ وہ سخت نہ ہو اس کو ترک کریں۔

ترجمہ و تفسیر آیت

اب میں ترجمہ پر بیان کو ختم کرتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں حتیٰ اذا استیئس الرسل وظنوا انہم قد کذبوا جاءھم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد بأسنا عن القوم المجرمین کہ جب کے دن عادتاً سے دین سے مایوس ہو لئے یعنی اس بات سے کہ اس قوم میں یا اس پر غالب آجائیں۔ یہاں بدل اشتمال محذوف ہے ای الیسوا حین الذین کذبوا من قومہم انہم یغلبونہم یا ان یعقوبوہم اور وہ یوں مایوس ہوئے

لکثرۃ شیوعہ ولنصرۃ تعالیٰ یعنی بحمد اللہ اس وقت اسلام اس قدر پھیل بھی گیا ہے کہ عادت الٰہیہ میں اب مٹ نہیں سکتا اور نیز اللہ تعالیٰ نے وعدہ بھی فرما لیا ہے کہ یہ قیامت تک قائم رہے گا چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے چند دعائیں کی تھیں کہ میری امت ہلاک نہ ہو یہ دعا قبول ہوئی۔ دوسری یہ دعا کی تھی کہ اس پر قحط ہلاک نہ ہو یہ بھی دعا قبول ہوئی تو گویا وعدہ ہو گیا قیامت تک بقاء دین کا۔ تیسرے یہ کہ میری امت میں نااتفاقی نہ ہو یہ قبول نہ ہوئی تو فرماتے ہیں کہ آج کے دن کفار مایوس ہو گئے تمہارے دین سے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حدیث میں ہے کہ وہ دن جمعہ اور عرفہ کا تھا یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کو عرفہ کے میدان میں جمعہ کے روز نازل ہوئی وقت بھی عصر کا تھا۔ تو گویا جب یہ آیت نازل ہوئی وہ وقت تقریباً سال کا بھی آخر تھا ہفتہ کا بھی آخر تھا، دن کا بھی آخر تھا، حضورؐ کی عمر شریف کا بھی آخر تھا، کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد محرم، صفر اور ربیع الاول کی چند تاریخوں تک آپ زندہ رہے۔

کسی یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ پہلے یہ مرض یہودیوں میں تھا، اب مسلمانوں میں بھی یہ مرض ہو گیا ہے کہ ہر بات کی یادگار میں عید کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی اور کس جگہ نازل ہوئی یعنی عرفات میں حجۃ الوداع میں جمعہ کے روز نازل ہوئی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جہاں یہ آیت نازل ہوئی ہے وہ مقام ہمیشہ سے من جانب اللہ جلسۂ عید ہے اور جس وقت نازل ہوئی ہے وہ زمانہ بھی من جانب اللہ عید کا ہے ہمیں اور عید کی ضرورت نہیں بس یہی عید کافی ہے یہ تو حقیقت تھی جو حضرت عمرؓ نے ظاہر فرمادی مگر اب مسلمانوں میں ایک یہ رسم پیدا ہو گئی ہے کہ وہ یہود کی طرح ہر بات کی عید اور ہر چیز کی ایک یادگار بنانا چاہتے

ہیں یا وہ یہ ابتداع فی الدین ہے جن ایام کو شریعت نے عید بنا دیا ہے ان کے علاوہ کسی دن کو عید بنانا حرام و بدعت ہے۔ اور پہلے تو صرف یادگار کا یہی طریقہ تھا کہ اس دن کو عید مناتے تھے جس دن کسی نبی کے مرنے کے دن کو بھی عرس کا دن بناتے تھے اور اب اس سے علاوہ ایک اور نئی ایجاد ہوئی ہے وہ یادگار کے لیے ہڑتال کر دیتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ ہڑتال کیسا نام ہے ہڑتال سے تو بال صاف کیے جاتے ہیں ہڑتال تو کسی کی ہو سر منڈاتا ہے غریبوں اور مزدوروں کا کہ وہ بیچارے اس دن کھائیں کہاں سے کھائیں کیسے کیونکہ اس دن بازار اور تمام کاروبار بند ہو جاتا ہے جس سے غریبوں اور مزدوروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے مگر ان کو اس کی ذرا پرواہ نہیں۔

یہ رسم بھی بعض کفار ہی سے لی ہے۔ نہ معلوم مسلمانوں میں اتباع طریقہ کفار کا اتنا شوق کیوں پیدا ہو گیا اپنے بزرگوں کی علامت نہیں اچھتے وہ کیا کرتے ہیں اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت سال کا آخر تھا ہفتہ کا آخر تھا دن کا بھی آخر تھا حضورؐ کی عمر کا بھی آخر تھا۔ ان سب چیزوں کا آخر تھا اس کے متعلق ایک بات طالب علموں کے کام کی ہے وہ بھی عرض کرتا ہوں کہ اس آخر سے آخر حقیقی مراد نہیں بلکہ قریب آخر کے مراد ہے۔ چنانچہ سال بھی قریب آخر کے تھا، حضورؐ کی عمر بھی قریب آخر کے تھی دن بھی قریب آخر کے تھا اور جیسے یہ چیزیں قریب آخر کے تھیں اسی طرح اس آیت کو بھی جو آخر آیات کہا جاتا ہے وہ بھی قریب آخر کے ہے آخر حقیقی نہیں چنانچہ اس کے بعد فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم نازل ہوئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں تو ان سب میں آخر حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ قریب آخر مراد ہے۔

دوسرے جس سے یہ فائدہ نکالنا مقصود ہے وہ یہ کہ یہاں پر ایک امکان ہے وہ یہ کہ جب دین کامل اور تمام ہو چکا تو پھر یہ کہنا کہ خصوصاً اس کے بعد یہ دین کامل نہیں دیا جا سکتا ہے دلائل سے بعید ہیں جو آیتیں ماننے والی ہیں ان میں یہ آخر ہے جس کے بعد کوئی اور حکم نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ فمن اضطر فی مخمصۃ الآیۃ تو حلال ہی میں سے ہے اور یہ الیوم اکملت لکم دینکم آیۃ کے بعد میں نازل ہوئی ہے تو پھر آخر کہاں ہوا پس جواب صحیح وہی ہے جو میں نے بتایا کہ آخر سے مراد قریب آخر ہے اس پر کوئی خدشہ نہیں رہتا مثل یہ ہے کہ لوگ قرآن کو مصطلحات منطقیہ پر اتارتے ہیں محاورہ نہیں دیکھتے محاورہ میں قریب آخر بھی آخر کہا جاتا ہے مثلاً کوئی کسی دوست سے ملنے جاتا ہے تو کہتا ہے اب تمہارے ساتھ میری یہ آخری ملاقات ہے اس کے بعد دو گھنٹہ تک ملتا رہتا ہے حاصل یہ ہے کہ الیوم سے مراد خاص آج ہی کا دن نہیں جس پر یہ شبہ ہو کہ جب آج کامل دین ہو گیا تو اس کے بعد کوئی حکم نازل نہ ہونا چاہیئے اور آیات احکام میں یہ آخری آیت اور آخر انعام ہونا چاہیئے سو یہ شبہ اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ الیوم سے مراد خاص آج ہی کا دن نہیں بلکہ الیوم سے مراد زمانہ حاضرہ مع متصل ماقبل و مابعد سے ہے اور یہی وہ ہیں اس مجموعہ کو زمانہ حاضرہ ہی کہا جاتا ہے پس کوئی حکم کا اس کے بعد نازل ہونا مگر نزول متصل باتصال حقیقی جیسا فمن اضطر متصل ہے یا باتصال عرفی جیسا کہ کسی دوسرے حکم کا نزول اس کے بعد ہو جائے یہ تمام بزمانہ حاضرہ کے منافی نہیں الغرض حق تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم یئس الذین کفروا کہ آج سے کافر مایوس ہو گئے تمہارے دین سے کہ اس کو مٹا دیں یا اس پر غالب آویں جب یہ بات ہے فلا تخشوھم

والختون تو تم ان سے ڈرو مت تمہارا کچھ کر نہیں سکتے۔ گر اسلام سے تم کو محبت ہے تو اس میں پختہ ہو، ان سے مت ڈرو

افسوس اب بہت لوگوں کو دعویٰ ہے محبت اسلام کا اور کفار سے ڈر کر ان سے دوستی دیتے ہیں درکھتے ہیں کہ اگر یہ ساتھ نہ ہوں تو ہمارا دین قائم نہیں رہ سکتا اس لیے ان سے دوستی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا رد فرماتا ہے کہ اب وہ تمہارے دین سے مایوس ہو گئے پھر تو کیوں ڈرتے ہو۔ افسوس کفار تو سمجھ گئے کہ ہم اس دین کو دنیا سے نہیں مٹا سکتے۔ چنانچہ ان کا یہ بس بس کہنے کی دلیل ہے اور مسلمان نہیں سمجھتے پس بتلاتا ہے فلا تخشوھم واخشون تو تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو یعنی ان کی خوشامد میں شریعت کے خلاف مکرو، دین کو تباہ مت کرو کوئی اس دین کو مٹا ہی نہیں سکتا اسلام تو وہ چیز ہے [illegible]

چراغے را [illegible] ہر کہ خواہد [illegible]

کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ فتنہ تاتار میں چنگیز خاں نے اپنے زمانہ کا اسلام فنا کر دیا تھا کیونکہ خلافت کی جڑ اکھاڑ دی تھی مگر یہ اس وقت حق تعالیٰ کو خدمت کے مٹانے و اسلام کا مٹانا منظور تھا آخر خلافت کیا ہے وہ اسلام کا ایک شاخ ہے خدانخواستہ خلافت کے مٹ جانے سے اسلام نہیں مٹ سکتا بلکہ کبھی پیڑ کی ایک شاخ کٹنے سے ایک دو شاخ نکل آتی ہے پہلی شاخ سے بھی ہو تو ہے خلافت تو فرع ہے اسلام کی اس کے جانے سے کہیں اسلام مٹ سکتا ہے خود چنگیز خاں نے خلافت کی جڑ کاٹ ڈالی تھی مگر خدا نے یہ کیا کہ جنہوں نے اسلام کو مٹانا چاہا تھا انہیں سے اسلام کی خدمت کرالی۔ چنانچہ یہی اب اسلام کو چین کے بتوں سے بچا رہے ہیں یعنی ترک جو چنگیز خاں کی اولاد اور خاندان و قوم سے ہیں۔ میں نے بعض مورخین سے سنا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ترک نہیں جو مسلمان نہ ہو

اور انہوں نے کتنی بڑی خدمت اسلام کی ہے جس سے لوگوں کو ان کے متعلق گمان ہو گیا خلافت کا کہ وہ خلیفہ ہیں اسی لئے کہتے ہیں ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد ۔ ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

جس چراغ کو خدا روشن کرے وہ کل نہ ہوگا اس کی بیخ کنی کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اور یاد رکھو جس دن یہ ڈوبے گا اس دن سب ڈوب جائیں گے اسلام وہ مذہب نہیں جو دنیا سے تنہا رخصت ہو بلکہ اس کا مثنا تمام مذاہب اور تمام عالم کا مثنا ہے اس کی تو وہ شان ہے کہ

ع ہم تو ڈوبیں گے مگر تم کو بھی لے ڈوبیں گے

صاحبو! جس روز اسلام نہ رہے گا اس دن عالم ف ہو جائے گا۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں سب باغی نہ ہوں بلکہ مطیع بھی ہوں تو بادشاہ ایک طرف سے اس شہر کو نہیں اڑایا کرتا بلکہ پہلے مطیعین کو وہاں سے الگ کرتا ہے پھر شہر کو اڑاتا ہے تو جب تک شہر میں مطیعین موجود ہیں اس وقت تک اطمینان رہتا ہے کہ یہ شہر ابھی نہیں اڑایا جائے گا اور جس دن مطیعین کو وہاں سے الگ کر لیا جائے پھر بستی کی خیر نہیں کیونکہ اب اس میں سارے باغی ہی باغی ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس کی رعایت سے شہر کو باقی رکھا جائے چنانچہ قرآن میں لوط علیہ السلام کے قصہ میں بھی اسی اصل کا ذکر ہے لما جاءت رسلنا ابراھیم بالبشریٰ قالوا انا مھلکوا اھل ھذہ القریۃ ان اھلھا کانوا ظالمین۔ ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے باشندے بڑے ظالم و شریر ہیں قال ان فیھا لوطا ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ان میں لوط علیہ السلام بھی تو موجود ہیں، اس حالت میں بستی کو کیسے ہلاک کرو گے قالوا نحن اعلم بمن فیھا فرشتوں نے کہا کہ جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب معلوم ہیں

لنجینہ واھلہ الا امرأتہ کانت من الغابرین ہم ان لوط اور ان کے خاص متعلقین
متبعین کو بچالیں گے، مگر ان کی عورت کو نہیں کہ وہ بھی نافرمانوں میں تھی۔ دوسری جگہ
اس نجیہ کی صورت فرماتے ہیں فاخرجنا من کان فیھا من المومنین فما وجدنا
فیھا غیر بیت من المسلمین کہ ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے نکالدیا
علیحدہ کردیا اور مسلمانوں کا بجز ایک گھر کے اور کوئی گھر نہ پایا جب ان کو الگ کردیا اب
تو خدا نازل ہوا۔ غرض یہ خدا کی رحمت ہے کہ اگر کسی بستی میں ایک مسلمان بھی موجود ہو تو
وہاں قہر عام نازل نہیں فرماتے یہ ان کی عنایت ہے رحمت ہے۔ جب یہ سمجھ گئے تو اگر
دنیا میں ایک اللہ اللہ کہنے والا بھی موجود ہوگا تو حق تعالیٰ عالم کو فنا نہ کریں گے عام
باقی رہے گا۔ اور اگر ایک بھی مسلمان نہ رہے تو پھر اسی دم عالم کو فنا کردیں گے جب بقائے عالم
اور بقائے اہل عالم اسلام پر موقوف ہے تو تم دنیا والوں کی خوشامد کرنا چاہیئے نہ کہ مسلمان
کسی کی خوشامد کریں اس لئے فرماتے ہیں فلا تخشوھم واخشون یعنی کفار کی خوشامد نہ کرو
اور ان سے دوستی بڑھا کر اسلام کو مت کھو بیٹھو ہماری خوشامد کرو ہم سے ڈرو وہ ہیں کیا
چیز آگے اس کے بعد فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الخ
اب ہم نے دین کو کامل کردیا۔ دین ایسا کامل ہوگیا کہ اس کو دیکھ کر کسی کی ہمت نہ ہوگی اس کے
مٹانے کی و اتممت علیکم نعمتی یعنی تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ دو اعتبار سے ایک
قوت سے دوسرے قواعد و احکام سے۔ قوت کے اعتبار سے تو اتنا مضبوط کردیا کہ الیوم
یئس الذین کفروا اب کفار مایوس ہوگئے ان کے اندر اتنی قوت نہیں جو اس کا مقابلہ
کرسکیں۔ سو اب اس کو مٹانے کی ان کو ہمت نہ ہوگی اور قواعد کے اعتبار سے الیوم
اکملت لکم دینکم الخ یعنی قواعد و احکام کے اعتبار سے اتنا کامل کردیا کہ قیامت تک
جتنے احکام ہیں سب اس سے نکل سکتے ہیں کوئی حادثہ ایسا پیش نہ آئے گا جس کا حکم
اس میں نہ ملے اگر کوئی لیجئے پھر اور دلائل کی کیا ضرورت ہے حدیث و اجماع امت و قیاس

یہ بات نہیں حدیث تو دونوں کا رد ہے و دیکھیں دخل ہے دیکھ کا مقابل میں
باقی قیاس حدیث سے ثابت نہیں وہ کہاں قیاس ہے حدیث سے ثابت ہے یا
ہمارا ثابت ہوا کہ آیت یا حدیث ہی سے مضمون لیا جاتا ہے تو یہ سب
تفریقات ہیں کیا کہ ہوئے یعنی دین کے صرف نام الگ الگ ہیں ایک خانے
کا نام قرآن ہے اور ایک خانے سے ہدایت لیتے ہیں ایک خانے کا نام حدیث ہے
اور خانے سے فیاض نے

عمدہ ترا شد خسرو ما ۔ مکل فی دے محمل نیز

ے ہر نگے او ہر ہمی ہامد بدست ۔ من از فقا یا یت ہی شدم

یہ سب ایک ہی چیز ہے ان وقت کسی رنگ میں ہے کسی وقت کسی لباس
میں کسی کی بابت فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم تمہارے دین کو
میں نے کامل کر دیا دین کی حدیث ایسی نہ ہوئی ظاہر اچھی اور باطن بھی کسی قسم کا نقص
ہوئی کچھ اس میں نہیں رہی بلکہ اسلام دیا اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے
دین اسلام کو یہی اس حد کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ ہے یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے
وہ یہ کہ رضیت کا عطف تعالیٰ ہے اکملت و اتممت پر ہے اور معطوف علیہ تقیید
الیوم کے ساتھ یعنی کل دین اب دا تو رضیت معطوف میں بھی وہ قید
ہونگی سو معطوف علیہ میں تو کچھ شکل نہیں کیونکہ وہ قید بھی متحقق ہو چکی رضیت
میں کیا کہا جاوے گا کیا یہ رضا بار سلام بھی آج ہی ہوئی کیونکہ علت کا طلب تبھی
نکلتا ہے جیسے فال و تمام اب ہوا ایسے ہی یہ رضا الاسلام بھی ابھی ہوئی حالانکہ
اسلام کو ان کے لئے پسند فرمائے سے ہے یہ اشکال ہے اس کا جواب بعض نے تو یہ دیا ہے
کہ رضیت پر عطف نہیں بلکہ یوم پر ہے اب کوئی اشکال نہیں مگر یہ ضعیف تر ہے
خیر اس میں مقابلہ کا ترک لازم آتا ہے محققین کہتے ہیں کہ اس تکلیف کی ضرورت نہیں کہ

تو وہ سوائے میرے اتباع کے اور کچھ نہ کرتے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ بعد نبوت کو ان کی نبوت چھین جاتی بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ متبع ہو کر رہتے۔ غرض وصیت کے یہی معنی ہمارے ہمیشہ کے لئے اسی دین کو پسند کیا ہے پس حدیث میں جو ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور اس وقت دو ہی باتیں رہ جاویں گی یا اسلام لاؤ یا قتال کرو تو وہ نسخ نہیں ہے بلکہ اس وقت کے لئے شریعت محمدیہ کا یہی قانون ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام جاری فرما دیں گے۔ اور بڑے مزہ کا لطیفہ ہے کہ عیسائی لوگ سنگ جہاد کے اوپر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے اس کو کیوں رکھا میں کہتا ہوں کہ اپنے پیغمبر سے ہی پوچھو وہ عنقریب آنے والے ہیں فانتظروا انا معکم من المنتظرین۔ حضور نے تو پھر بھی تمہاری رعایت کی ہے کہ جزیہ دے کر بچا سکتے ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس کی بھی پرواہ نہ کی ان کے عہد میں دو ہی باتیں ہوں گی یا اسلام یا سیف غرض عیسیٰ علیہ السلام صرف اسلامی قدیم کو منسوخ نہ فرما دیں گے کہ پہلے جزیہ کا حکم تھا اور آپ اس کو اٹھا دیں گے تو اس کو نسخ کہا جاوے۔

پھر وصیت لکم الاسلام دینا تابید پر شبہ کیا جاوے تو تابید تو تب ہوتی کہ اسلام کا ہمیشہ قیامت تک رہنا۔ سو جواب ظاہر ہے کہ اس حدیث عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ نہیں کیا بلکہ حضور ہی نے منسوخ کیا ہے۔ پس اس حدیث میں تو بضع سنین خبر بھی انشا ہے۔ یعنی حضور ہی خود یہ حد مقرر کر گئے ہیں کہ عیسیٰ جب تم آؤ اس وقت کفار کے ساتھ یہ معاملہ برتنا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ طبیب نے کسی مریض کو مسہل دیا اور اس سے کہہ دیا کہ مسہل لینے کے بعد یہ ٹھنڈائی پیئے گا تو اب مریض جو ٹھنڈائی پیتا ہے یہ اس کی ایجاد نہیں بلکہ طبیب ہی کا کہنا پورا کرتا ہے طبیب ہی نے بتلا دیا تھا تین روز کے بعد یہ تجویز ہوگی۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہے کہ اس وقت آپ جزیہ کو موقوف کر دیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف سے ایجاد نہیں کریں گے بلکہ آپ ہی کے

قرآن کو سجاوں کے غلاف ان الدین عند اللہ الاسلام (خدا کے نزدیک دین پسندیدہ اسلام ہی ہے) اور رضیت لکم الاسلام دینا کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ یہی دین رہے گا۔ اس کے ایک نکتہ ہے جو علم نے لیا وہ یہ کہ فمن اضطر فی مخمصة آیت یہ جملہ یہاں کیا ہے جو معلوم ہوتا ہے ماقبل کے ساتھ اس آیت کا ربط نہیں معلوم ہوتا فرمایا اوپر تحویل سلام کی بشارت دی جا رہی ہے باب فمن اضطر فی مخمصة کا حکم نازل فرما دیا اور پھر اس مضمون کو ما کے ساتھ لے جو ترتیب کے لیے آتا ہے تو بعض نے تو اس شمال سے گھبرا کر یہ کہہ دیا کہ ترتیب ذکری کے لئے ہے ترتیب ہی کے لیے نہیں۔ لہذا حکم کا مرتب ہونا و مسلل ہونا ضروری نہیں مگر الحمد للہ میری سمجھ میں آ گیا ہے یہاں پر فی ترتیب حکمی کے لئے ہے اور پھر بھی اشکال ہیں چنانچہ عنقریب مذکور ہوگا باقی جن لوگوں نے فا کو ترتیب ذکری کے لئے قرار دیا ہے ان پر ایک اشکال یہ بھی باقی رہتا ہے وہ یہ کہ اس مضمون کو ماقبل سے کیا ربط ہوا اس کا یہ جواب ہے انہوں نے اس کا بھی ایک جواب دیا ہے وہ یہ کہ الیوم اکملت لکم دینکم و تممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا یہ بیچ میں آ گیا ہے فمن اضطر فی مخمصة کا ربط اس کے ماقبل سے ہے درمیان میں حلال و حرام چیزوں کا ذکر تھا حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل لغیر الله به والمنخنقة والموقوذة و المتردیة والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق یہ سارے حق تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمائے ہیں ان احکام کے ساتھ فمن اضطر فی مخمصة کا ربط ہے یہ یہ ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں تو حرام مگر مضطر کے لئے جائز ہیں اور الیوم اکملت لکم بیچ میں جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ کو بھی اول سے کچھ مناسبت

ہے وہ مناسبت یہ ہے کہ بعض اسلام میں کیسے کیسے قواعد ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ
و اسلام کا اقبال مقصود ہے۔ اس لئے اجھر اللہ میاں نے سارے ضروری احکام ہلکا
پھلکا کر کسی طرح کمی نہ رہنے دی، یہ تو شبہ کا جواب ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر فقہ
ترتیب بھی ہی کے لئے ہو پھر بھی کچھ اشکال نہیں اور جو اشکال لیا ہے اس کا جواب
یہ ہے کہ فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم کا ترتب الیوم
اکملت لکم دینکم پر ہو سکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے
ہیں ہم نے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور تمہارے لئے
اس دین کو ہمیشہ کے لئے پسند کیا۔ آگے ارشاد ہے فمن اضطر فی مخمصۃ
یعنی ہم اتنے کامل النعمۃ ہیں اور تم سے اتنے خوش ہیں اور ہماری اس قدر تم پر رحمت ہے
بعض حالات میں تمہاری راحت و سہولت و مصلحت کے لئے حرام کو بھی حلال کر دیتے ہیں
اس پر فقہ کا ترتب نہایت لطیف اور حسیاں ہو گیا۔ اور اس میں ایک اور لطیفہ بھی
ہو گیا وہ یہ کہ اس میں اشارہ ہے سبقت رحمتی علی غضبی کی طرف چنانچہ آیت کو
ختم بھی رحمت پر کیا ہے یعنی غفور رحیم پر گویا اشارہ ہے اس طرف کہ اے بندو
ہمارے احکام کو تنگ مت سمجھو، احکام میں کوئی تنگی نہیں ہے جہاں تنگی کا وہم ہے
جیسے تحریم محرمات وہاں بھی رحم کی رعایت ہوتی ہے۔ بندا میں دعوے سے کہتا
ہوں کہ دین میں کوئی تنگی اور حرج نہیں ہے۔ میرا ایک دعوی ہے نفی الحرج وہ
چھپ لیا ہے اس میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ دین میں تنگی بالکل نہیں ہے کسی قسم کی
رکاوٹ اس میں نہیں ہے اس کو دیکھنے تو معلوم ہو گا کہ واقعی دین میں کوئی تنگی نہیں
ہے اب ایک اشکال رہ جاتا ہے اس کا جواب سنئے کہ بیان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ
رہ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت پر اپنے کلام کو ختم فرمایا ہے چنانچہ
تکمیل دین کے مضمون کو اس پر ختم کیا ہے کہ ہماری اتنی رحمت ہے کہ کبھی حرام کو

بھی حال کر دیتے ہیں اور غفور رحیم میں رحمت کی تصریح فرما دی مگر یہ ثابت ہے
دسے آخر آیت قرآن کی یہ ہے واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم
توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون یعنی ڈرو اس دن سے جس روز تم اللہ
تعالیٰ کے پیشی میں لئے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اپنے کئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر
کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا اور اس میں ظاہر ہے کہ وعید کا مضمون ہے سو اس سے تو ثابت
ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو وعید پر ختم کیا ہے۔

اور یہاں کلام کو وعید پر ختم کرنے کی ایک وجہ بھی علماء نے لکھی ہے کہ جو کلام
آخر میں ہوتا ہے وہی نقش دل پر رہتا ہے اور اس کا اثر قلوب پر زیادہ رہتا ہے
تو اس نقل میں اور میرے قول میں تعارض ہو گیا کیونکہ میں نے تو کہا تھا کہ مضمون
رحمت پر کلام ختم ہوا ہے اور اس نقل سے معلوم ہوا وعید پر ختم ہوا ہے۔ سو رفع اس
تعارض کا یہ ہے کہ کلام تو رحمت ہی پر ختم ہوا ہے مگر اس مصلحت سے کہ اس رحمت
پر نظر کر کے کوئی بالکل لاپروائی نہ کرنے لگے ذرا سی دھمکی بھی دے دی۔ مطلب یہ ہے کہ
ہمارے احکام میں تو بالکل تنگی نہیں، بہت آسان احکام ہیں ہاں اگر سہل سہل احکام
پر بھی عمل نہ کرو گے تو تمہاری کم بختی آئے گی کہ اتنی تو تم پر رحمت کی بالکل ہلکے ہلکے
احکام نازل کئے پھر اگر اس میں بھی کاہلی برتو گے تو بس جان تباہی میں آجائے گی تو یہ
آیت ہماری تقریر کے مخالف نہ ہوئی بلکہ اس سے رحمت کی اور تائید ہو گئی اس کی
یہی مثال ہے کہ بچہ کو سبق آسان بتلا دیا اور اس کی یاد دہانی بھی آسان صورت بتلا دی
پھر اگر اس میں بھی وہ شوخی اور سستی کرے تو اس کے کان کھینچ لئے تاکہ اس ڈر کے
مارے سبق جلدی یاد کرے اور پھر دس روپیہ انعام کے لے۔ اس صورت میں
سبق تو اس کا بالکل آسان تھا مگر وہ لاپروائی سے یاد نہیں کرتا اس لئے تنبیہاً
اس کے کان کھینچ لئے تاکہ اس کو یاد کرے تو یہ گوشمالی بھی رحمت ہی کا اثر ہے۔

بہرحال تعارف رہا اب میں تم فرماؤں۔

حاصل آیت

خلاصہ اس آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نعمت اسلام کا کامل اور تام ہونا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس نعمت پر متنبہ ہو کر اس کا شکر بجا لاویں اور شکر یہ ہے کہ اس کے فضائل و برکات خود بھی حاصل کریں اور دوسروں کو بھی اس سے بہرہ ور کریں۔ دوسروں کے سامنے بھی اس کے فضائل و برکات بیان کریں تبلیغ کریں جس کی خصوصاً اس وقت سخت ضرورت ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنی بھی اصلاح کریں اور اوروں کی بھی اصلاح کریں۔ اس کو ترغیب دیں دھر متوجہ کریں۔ قرآن میں جہاں نماز روزہ زکوٰۃ کا حکم ہے وہاں امر بالمعروف کا بھی حکم ہے اس لئے امر بالمعروف بھی کریں مگر خوبصورتی کے ساتھ۔ کسی سے لڑے بھڑے نہیں اور جیسے نماز باوجود فرض ہونے کے بھی کبھی کسی عذر کے ساقط ہو جاتی ہے جیسے حائض سے نماز ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی اعذار و قیود ہیں۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ جو کچھ کرو علماء سے پوچھ کر کرو وہ ہر ایک کے مناسب کار بتاویں گے۔ کسی کے تصنیف کا کام سپرد کر دیں گے۔ کسی کو زبانی تبلیغ و اشاعت کے لئے تجویز کریں گے۔ کسی کو مالی امداد کا مشورہ دیں گے کسی کو دعا کا حکم کریں گے تم دعا ہی کرتے رہو۔ اور دعا کا کام تو سب ہی کر سکتے ہیں اور کام کرنے والے بھی اس میں شریک رہیں۔ اب دعا کیجئے کہ خداوند کریم جملہ سلسلہ عطا فرماویں اور ہم کو ظاہری و باطنی اصلاح کی توفیق بخشیں۔ آمین

اِلاِتمام لنعمۃ الاِسلام ۲

کے بارے میں

نعمتِ اسلام مکمّل دین ہے

یہ وعظ حاجی کرم الٰہی صاحب کے مکان پر نظامت نارنول ریاست پٹیالہ میں ۲۲ شوال ۱۳۴۳ھ بروز جمعہ صبح کے وقت ساڑھے تین گھنٹے تک بیٹھ کر ارشاد فرمایا —— مرد سامعین کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی مستورات اس کے علاوہ تھیں۔

مولوی محمد علی صاحب سنبھلی نے سے قلمبند فرمایا

عمر فاروق@وں ر

جو شخص اپنے سر پر ایسے مالک کو پائے گا جو ہر طرح سے کامل ہے۔ جس کا
ثواب خاص ہوگا کہ اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی ہیبت و عظمت ہوگی۔ کیونکہ
بادشاہ جتنا کامل ہوگا اتنی ہی محبت و ہیبت زیادہ ہوگی ہے۔
پھر حق تعالیٰ ایسے جمیل ہیں کہ کوئی ان کے جمال کے قریب قریب بھی نہیں

۱۔ حضرت حکیم الامت

خطبہ

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

تمہید

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے، اس کے متعلق ریوڑی میں کچھ بیان ہو گیا تھا کہ عصر کی نماز کا عادہ اس وجہ سے کیا گیا کہ اس کے متعلق کچھ تفصیل کی حاجت تھی، وہاں اس سے بیان کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس لیے اب اس کی کچھ تفصیل کی جائے گی۔ ہرچند کہ وہ تفصیل بھی پوری مفصل نہیں مگر اس اجمال کے مقابلہ میں ضرور تفصیل ہے

پسندیدہ نعمت

اس اجمال کا حاصل یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں ایک بڑی نعمت کا ذکر فرمایا ہے، اور وہ نعمت اسلام ہے حق تعالیٰ نے تم کو اس کے کامل ہونے کی بشارت دیدی ہے، اور اس کو پسند کرنے کی خبر دی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ بہت ہی بڑی نعمت ہے اس سے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور بڑی نعمت مسلمانوں کیلئے حق تعالیٰ کی رضا ہی ہے تو حق تعالیٰ نے اسلام کو ہمارے لیے پسند بھی کیا اور اس کو کامل بھی کر دیا۔ یعنی وہ نعمت اپنی ذات میں بھی کامل ہے اور صفات میں بھی کہ اس کو پسند بھی فرمایا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی؟ دیکھئے اگر کوئی چیز فی نفسہ مکمل ہو اور بادشاہ کو پسند نہ ہو

اقسام نعمت

جنت کے پاس پہونچیں گے۔ اور دروازہ کھولدیا جاویگا۔ یہ گویا تبدء ہوگی اس نعمت کے عطا ہونیکی۔ گویا تبدء عطائے نعمت کی یہ ہوئی کہ فرشتہ کے ذریعہ سے حکم ہوگا کہ داخل ہو جاؤ جنت کے اندر۔ اور دخلہ اس طرح ہوگا کہ ان کے جاتے ہی دروازہ کھولدیا جائے گا اس وقت ایک خاص فرحت ہوگی پھر دوسری فرحت یہ ہوگی۔ وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین فرشتے دعا دیں گے سلامتی کی، کہ سلامتی ہو تم پر خوشحال رہو جنت میں داخل ہو جاؤ فادخلوھا خالدین پھر ساتھ ہی خلود کی بشارت بھی دیں گے یہ سامان تو تبدء کا ہے پھر بہشت کے اندر جائیں گے تو اس وقت خوش ہو کر کہیں گے وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العاملین۔ یعنی وہاں کے حالات دیکھ کر خوش ہو کر کہیں گے کہ سب تعریف اس ذات کو ہے جس نے وعدہ کو سچا کیا اور ہم کو ارض جنت کا مالک بنادیا کہ جہاں چاہیں اس میں چل پھر سکتے ہیں پوری آزادی ہے کسی طرح کی رکاوٹ نہیں ہر طرح سے کامیاب ہو چکے ہو گے وہی ہوگا جو کسی کو مکان میں بیٹھے بیٹھے یہ خیال ہوا کہ سیر چھت نہ ہو خیال کرتے ہی فوراً ایسا ہی ہو جاوے گا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو چھت مزا دکھ رہا مکان ہے۔ یا کوئی پرندہ کہیں بیٹھا ہو اسے کسی کا خیال ہوا کہ اس کے کباب کھاؤں بس فوراً کباب بن کر تاب کے اندر حاضر۔ ایک منٹ کی بھی دیر نہیں اور پھر دیکھا تو وہی جانور وہاں بیٹھا ہوا ہے یا کسی نے کوئی پھل بہت خوشنما کھانے کیلئے توڑا، اس کے نیچے سے ایک حور عجیب غریب حسین وخوبصورت نکل آئی کہ السلام علیکم بھل رہا ہے اور صفت میں یک حور ہاتھ آگئی غرض وہاں کی عجیب وغریب حالت ہے اور دنیا کی نعمتیں دو چار دن کے بعد نہ رہیں گی۔ کبھی نہ کبھی ختم ہو ہی جائیں گی اور وہاں کی نعمت ہمیشہ باقی رہے گی کبھی اس کو زوال نہ فنا نہیں۔

دینی نعمت میں کمال

پھر یہ کہ یہاں کی نعمت کی یہ حالت ہے کہ گر اسے ہمیشہ کھایا جائے تو ضرر میں طبیعت کر جاتی ہے یا کبھی کوئی مرض

پیدا ہو جاتا ہے، دست نہ لگنے میں قبض ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو انقطاع توالد ہو جاتا ہے ہمیشہ میسر نہیں آتی اور وہاں اگر کوئی میوہ پسند ہو اور کھانے کو جی چاہے اور ہمیشہ کھائیں تو کھاتے رہو کچھ ڈر نہیں نہ پیشاب سے، نہ پاخانہ سے، نہ مرض کا خوف ہے، صرف پسینہ یا اور ڈکار لی اور دست کھا ملغم ہو گیا اور کوئی بکھیڑا ہی نہیں اور پسینہ بھی مشک عنبر خوشبودار اور ڈکار بھی اس قدر خوشبودار کہ کبھی سونگھی بھی نہ ہو گی عفونت اور بدبو کا وہاں بالکل نام نہیں۔ بہرحال وہاں ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ نعمائے دنیوی کو ان سے کچھ نسبت ہی نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ دینی نعمت بہت زیادہ کامل ہے، دنیوی نعمت سے

نعمت اسلام جب یہ سمجھ گئے تو اب سمجھو کہ آخرت کی نعمت بغیر اسلام کے کبھی میسر نہ ہو گی۔ تو سب نعمتوں کی جڑ اسلام ہے اور وہ نعمتیں ایسی ہیں کہ دنیا کی نعمتیں ان کے مقابلہ میں ہیچ بھی نہیں اور اسلام سے وہ نعمتیں ملتی ہیں تو اسلام سی بڑی دولت ہوئی تو عقلمند یہ ہے کہ ایسی چیز کو چھوڑ کر نعمت خالی کے طالب ہیں اور ہم تمہاری خاطر سے کہہ دیتے بھی مان لیتے کہ اسلام سے دنیا کی نعمتیں نہ ملیں مگر اس میں تو دنیوی نعمتیں بھی ملتی ہیں یعنی اگر کوئی اسلام قبول کرے تو دنیا میں بھی کوئی نعمت اس کی برابر کسی کو نہیں مل سکتی اس کو میں عنقریب ثابت کروں گا بہرحال اسلام کے اندر جب دونوں نعمتیں بھی موجود اور دنیوی کی تو وہ حیثیت ہے تو اس کی برابر کونسی نعمت کامل ہو گی؟ تو حق تعالیٰ نے اسلام کو نعمت فرمایا اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ نعمت کامل ہے اور نعمت تام ہے پھر اس کا دین ہونا بھی ظاہر فرمایا ہے اس حساب میں کوئی تو اس کا مسلم ہے اور کوئی مقلب ہے غرض یہ ایسا مضمون ہے کہ اس میں کوئی حجاب نہیں پس فرماتے ہیں کہ اسلام دین کامل ہے نعمت کامل ہے اسلام دین پسندیدہ ہے جب

یعنی نعمت سے تو اس کا حق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ نعمت کا یہ حق ہوا۔ نعمت سلام کا بھی یہ حق ہوگا اور سلامت کا حق یہ ہوتا ہے کہ اس سے نفع حاصل کرو۔ اس کا بھی یہ حق ہوگا کہ اس سے نفع حاصل کرو یعنی سلامتی کو کام میں لاؤ اس سے ہی حاصل کرو۔ سلامتی کرو تو اس کے آثار و برکات تمہیں حاصل ہوں گے۔ اس کے فیوض سے تم بہرہ یاب ہوں گے۔ تو ایک موٹی بات تھی۔ دوسری بھی ایک بات سمجھ لیجئے

امر بالمعروف جو کہ یہاں اس وقت مقصود ہے وہ یہ کہ بھی معلوم ہو کہ نعمت کا ——— حق یہ ہے کہ اس کو کامل طور پر حاصل کیا جائے تو اسی طرح بھی ہمیں یہ حق ہو کہ ہم اسے کامل طور پر حاصل کریں۔ سلام کیوں کر کامل ہوتا ہے تو شریعت نے بتلا دیا ہے۔ جیسے سلام علیہ صوم و صلوٰۃ کے کامل ہیں ہوتا ایسے ہی ہر ایک چیز سے کہ اس کے بدون بھی سلام کامل نہیں ہوتا اس کا بیان یہ ہے کہ ہم نے جو احکام کو دیکھا تو ان میں اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ کا حکم ہے یعنی نماز کو قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور کتب علیکم الصیام یعنی تم پر روزہ فرض کیا گیا اور تموا الحج والعمرۃ للہ یعنی حج کا بھی حکم ہے یہ سارے احکام تو ہم پر فرض ہیں ہی سارے روزہ حج زکوٰۃ سب ہی کے ادا کرنے کا حکم ہے اور اتل ما اوحی الیک من الکتاب میں تلاوت قرآن کا بھی حکم پایا ان احکام کے ساتھ ہی ایک حکم یہ بھی فرمایا ہے وامر بالمعروف وانہ عن المنکر یعنی دوسروں کو بھی بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے روکو اور یہ حکم احکام مذکورہ کے مقابل نہیں بلکہ جہاں نماز کا حکم ہے وہاں ہی امر بالمعروف کا بھی حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے یٰبُنَیَّ اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر اور ارشاد ہے والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اولٰئک سیرحمھم اللہ ان اللہ عزیز حکیم اور جہاں جنت کا وعدہ ہے وہاں نماز کے ساتھ امر بالمعروف کا وصف بھی مذکور ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں ان اوصاف کے

عصر شاہ ولی اللہ

... سے وعظ للمؤمنین والمؤمنات جہاں ان کے فضائل بیان کئے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت ہے کہ وہ امر بالمعروف بھی عمل میں لاتے ہیں جو حکم تو یہ ہے اور احکام فرض ہیں ویسے ہی امر بالمعروف بھی فرض ہے مگر عادت ہماری یہ ہے کہ اس کا بالکل خیال ہی نہیں آتا ہم لوگوں کو خود دین کی طرف توجہ نہیں اور جو دیندار ہیں بھی ان کی عادت یہ ہے کہ صرف اپنی کمی کو تو خیر سمجھتے ہیں مگر دوسروں کی خبر نہیں کسی کو ایک کام کی تعلیم دیتے ہیں اور نہ برائی سے روکتے ہیں گویا یہ حکم قرآن میں ہے ہی نہیں دیندار تو کیا کرتے خود اپنے گھر والوں سے بھی کچھ نہیں کہتے حالانکہ جیسے اپنے درست کرنا فرض ہے ایسے ہی اپنے اہل و عیال کو عمل کیسے کہنا بھی فرض ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں قوا انفسکم واھلیکم نارا اور خاص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے وامر اھلک بالصلوۃ یعنی خود بھی نماز پڑھیے اور اپنے گھر والوں کو بھی حکم کیجئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے کیا نماز نہیں پڑھتے تھے؟ ان جیسا تو نمازی بھی مشکل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جو آپ کو حکم ہوا ہے کہ اہل بیت کو نماز کا حکم کیجئے تو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کرتا بھی رہے اسے بھی کہتے رہو۔ دیکھو جب بچہ قرآن ختم کرتا ہے تو خوشی منائی جاتی ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ جان اس کو بھول مت جانا بلکہ دو ایک منزل ہمیشہ پڑھتے رہنا تنفیق منائی یہ نہیں کرتا کہ میں نے تو ختم سنا دیا آگے وہ جانے اس کا کام جانے یا تم نے پیسے کسی عزیز کو حساب سکھایا ہوتا اسے کہتے رہتے ہو کہ دیکھو روزانہ ایک دو سوال نکال لیا کرو۔ نہیں تو بھول جاؤ گے اور پھر اس پر بس نہیں کرتے بلکہ روز یا دوسرے تیسرے دن اس سے پوچھتے رہتے ہو کہ سوال نکالا تھا یا نہیں اگر کسی دن اس نے سستی کی تو ڈانٹتے ہو اسی طرح اپنی اولاد اور اپنے بچے کو بیماری میں آپ نے سکھلا دیا کہ تم کو فلاں چیز مضر ہے۔ دماغ خراب کرتی ہے اس سے پیٹھے خراب ہو جاتے ہیں بدہضمی پیدا کرتی ہے کھائی مت کھانا وہ یہ نقصانات کریگی اور وہ سمجھ

بھی گیا کہ یہ شے مضر ہے مگر پھر بھی تم دوسرے تیسرے دن کہتے رہتے ہو دیکھو کبھی کھٹائی نہ کھانا اب وہ کہتا ہے کہ میں نے تو سمجھ لیا تھا سن لیا ہے پھر روزانہ کہنے کی ضرورت کیا؟ تو اس سے کہتے ہو کہ بھائی محبت کا تقاضا ہوتا ہے اس لیے کہتا ہوں یہ نہ ہو کہ کبھی غلطی سے کھا جاؤ اور نقصان کرے تو۔ اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضورؐ کو فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے باوجودیکہ حضرت ازواج مطہرات اس کی نہایت پابند تھیں اور ایسی کامل فضیلت تھیں کہ اُن کے فضائل قرآن میں جابجا موجود ہیں ایک مقام پر تو یہ تصریح ہے کہ۔

یانساء النبی لستن کاحد من النساء کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ کیا اسی طرح بے نمازیوں کے فضائل میں ایسا خطاب ہو سکتا ہے ہرگز نہیں مگر پھر بھی حکم ہوتا ہے۔ وامر اھلک بالصلوٰۃ اپنے گھر والوں سے نماز کہیے کہتے رہو کہنا مت چھوڑو واقعی کہنے کی بڑی برکت ہے دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے متقی نیک لوگ بھی چند روز کے بعد عمل میں کچا جاتے ہیں کہنے سننے سے پھر تنبہ ہو جاتا ہے اور اسی لیے تو صحبت نیک کی تاکید کی ہے وجہ یہ ہے کہ اس سے عمل میں پختگی ہوتی ہے صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے چنانچہ بے نمازی آدمی چند روز نمازیوں میں رہنے سے نمازی ہو جاتا ہے اور نمازی بے نمازیوں کی صحبت سے چند دنوں میں بے نمازی ہو جاتا ہے پس کوئی اپنے گمان پر نماز نہ کرے میں بڑا نمازی ہوں یہ سب نمازیوں کے پاس رہنے کی برکت ہے پس یا تو اپنے سے بڑوں میں رہو اور اگر بڑے میسر نہ ہوں تو چھوٹوں میں ہی رہو بشرطیکہ وہ نیک اور صالح ہوں۔ بڑے کے پاس رہنے سے تو اس کی صحبت کا اثر اپنے اندر ہوگا اس کے حالات کو دیکھ کر ذوق شوق پیدا ہوگا اور کوئی لغزش ہو جائے تو وہ روک ٹوک کریگا اور چھوٹوں کی صحبت سے ان کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر شرم آئے گی کہ ہائے اتنے چھوٹے چھوٹے بچے تو کیا کچھ کرتے ہیں کسقدر خوف خدا ان میں ہے کس پابندی سے احکام کو ادا کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے بڑی شرم کی بات ہے غرض جسطرح بڑے سے نفع ہوتا ہے ایسے

ہی کہنی پھوٹنے سے بھی نفع ہوتا ہے۔ یہی راز ہے صحبت کا کہ اس سے عمل میں پختگی ہوتی ہے۔ غرض حضور کو حکم ہے واٰمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے جب حضور کو یہ حکم ہے تو دوسروں کے گھر والوں کا کیا حال ہوگا؟ انہیں تو تاکید کرنا بہت ہی ضروری ہوگا مگر ہمارا یہ حال ہے کہ جب کوئی کہتا ہے تو اول سوال یہ ہوتا ہے کہ روٹی پکی یا نہیں؟ کرتہ سلگیا یا باقی ہے؟ ہانڈی پک گئی نہیں؟ یہ ساری باتیں تو پوچھی جاتی ہیں مگر نماز کا کہیں ذکر ہی نہیں کہ تم نے نماز بھی پڑھی یا نہیں؟ جب گھر والوں کے ساتھ ہمارا یہ حال ہے تو غیروں کیساتھ کیسا ہوگا؟ خیال فرمائیے کہ اگر تمہارے کسی دوست کا روپیہ رستہ میں گر پڑے تو تم پر حق یہ ہے کہ اسے اٹھا کر دیدو اور اس سے کہو کہ اچھی طرح باندھ کر رکھو اور ایسا ہی کرتے بھی ہیں یہ نہیں کرتے کہ روپیہ کو راستہ ہی میں پڑا رہنے دیں کہ ہمیں کہنے کی کیا ضرورت ہے یہ کوئی بچہ ہے خود خیال کیوں نہیں کرتا نہیں نہیں بلکہ روپیہ کو ضرور اٹھا کر دیتے ہیں کیوں کہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوست ہے اس سے بیچارے کو نفع ہو گا۔ اٹھا کر دیدو اور سمجھا دو یہ اس کے کام آویگا اسی طرح مسلمان کو چاہیے کہ جب اپنے بھائی مسلمان کو دیکھے کہ نماز نہیں پڑھتا ہے اور اس کی نماز چھوٹ گئی ہے۔ تو یہ سمجھے کہ گویا اس کا روپیہ کھو گیا بلکہ روپیہ اور اشرفی کی بھی اس کے سامنے کیا حقیقت ہے تو اسکو بھی ضرور سمجھا دو مگر یہاں یہ کہتے ہو کہ ہمیں کیا غرض پڑی ہے؟ کیوں صاحبو کیا نماز روپیہ سے بھی کم ہے؟

طرزِ نصیحت ہاں تم ایک عذر کرو گے کہ وہاں تو ٹوکنے سے دوسرا احسان مانے گا اور یہاں برا مانتا ہے۔ حضرت یہ کوئی عذر نہیں تم کہنے کے طریقہ سے کہو ہرگز کوئی برا نہ مانے گا اس طرح کیوں کہتے ہو جس سے دوسرا بھڑک اٹھے تم تو کہتے ہو طعن و تشنیع سے۔ اس سے بے نمازی تو کیا جو نمازی ہے وہ بھی برا مانے گا مگر یہ مرض ایسا عام ہو گیا ہے کہ جو بے نمازی کبھی نماز کیواسطے آتا ہے اس پر ضرور طعن کرتے ہیں۔ قصہ مشہور ہے تھانہ بھون میں ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب مہمان تھے نماز کیوقت ایک بے نمازی بھی مسجد میں گیا تو اس بیچارے کو لوگ شرمندہ کرنے لگے ادھر آج کیسے گئے کیا رستہ بھول گئے

مولوی صاحب بڑے دانشمند تھے ہوں نے فرمایا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ نماز نہیں پڑھتے لیکن ہے گھر میں پڑھ لیتے ہوں لوگ کہنے لگے جی یہ تو بتانا نہیں پھر مسجد میں کیوں نہیں آتا کوئی نہ کوئی عذر ہوگا، تو ہیں اندھا تو نہیں کوئی عذر نہیں فرمایا کہ بھائی کوئی عذر ہوگا جو تمہیں معلوم نہیں انکی صورت سے تو نور معلوم ہوتا ہے یہ بے نمازی تو نہیں ہے وہ شخص کہتا تھا کہ میں دنیا بھر کے وعظ سے بھی نماز نہ پڑھتا مگر ان کی تھوڑی سی ظرفدری سے پکا نمازی بن گیا تو صاحبو! کہنے کا اثر کیوں نہ ہو، دوسرا کیوں مانے تم اس طریقہ سے کہہ کر تو دیکھو اب تو طعن سے کہتے ہیں یوں تو اگر اٹھا کر روپیہ بھی طعن سے دو تو دوسرا ضرور برا مانیگا۔ مٹھاس اتنے زور سے اس کے ابرو پر مارو کہ آنکھ ہی پھوڑ دو تو ضرور برا مانے گا غرض برے طریقہ سے کہا جاوے گا تو دوسرا ضرور برا مانے گا خواہ روپیہ کا معاملہ ہو یا نماز کا معاملہ اور اچھے طریقہ سے مسنون ہوگا۔ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے مجلس وعظ میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا ہے اپنے وعظ میں تو کچھ نہ فرمایا جب وعظ ختم ہوا۔ اور وہ مصافحہ کیلئے یا فرمایا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیں مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے وہ ڈرا کہ اب مجھے لتاڑیں گے جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے اس کو بلایا اب ظاہر میں تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے یوں فرماتے کہ پاجامہ ٹخنوں سے لٹکانا حرام ہے مگر وہ تو حکیم تھے دیکھا یہاں یہ طرز نافع نہ ہوگا۔ فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے چونکہ اپنے عیوب خود کو معلوم نہیں ہوا کرتے لہذا تم کو دکھلاتا ہوں ذرا دیکھنا وہ عیب میرے اندر ہے یا نہیں وہ یہ کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا ہو جاتا ہے میں تمہارے سامنے کھڑا ہوتا ہوں دیکھنا ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہوتا کیونکہ اکثر میرا پاجامہ نیچے لٹک جاتا ہے اور حدیث میں ہے جو شخص مسبل ازار ہے یعنی پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہنتا ہے وہ دوزخ میں جاوے گا اور جتنی بھی وعیدیں اسبارہ میں آئی تھیں سب اس بہانہ سے اس کے کان میں ڈالدیں اور کہا میں کھڑا ہوتا ہوں ذرا دیکھنا وہ پیروں میں گر پڑا اور کہا حضرت آپ میں یہ عیب کیوں ہوتا یہ عیب تو مجھ میں ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں آئندہ نہیں

[illegible] ایک یہ بھی طرز ہوتا ہے حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ [illegible] ایک خاص صاحب بیٹھتے تھے اور داڑھی چڑھاتے تھے [illegible] سے نیچے پاجامہ پہنتے تھے لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اس کو اس قابل سمجھا کہ نصیحت کر دیجئے آپ مولانا کا طرز نصیحت دیکھئے ہیں کتابوں میں نصیحت کرتا ہوں اس کا طریقہ لوگوں سے سیکھنے میں یہ نہیں کہتا کہ نصیحت پر [illegible] نصیحت سب [illegible] لوگوں سے سیکھ کر [illegible] ہر چیز حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے کوئی ہر یوں ہی نہیں آیا کرتی اور حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کے پاس رہو [illegible] سے [illegible] ہو وہ بتلا دیں گے یاد رکھو نصیحت میں سختی نہ [illegible] لطافت اور نرمی سے کہو اور جہاں مولانا روم پر کہہ کر سنا دو مولانا رومی کا شعر ہے۔

[illegible] باشد کسر دوران گفتہ مرد حدیث دیگران

دوسروں پر رکھ کر سب کچھ کہہ بھی دو اور کسی کا دل بھی نہ دکھے اب مولانا کی نصیحت دیکھئے فرماتے ہیں لوگوں میں تو کہدیتا ہوں حاجی صاحب بڑے نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اپنی وضع کے بہت پابند ہیں جب تک میں فعل کی برائی سمجھ میں نہ آویگی اس وقت تک چھوڑیں گے نہیں اور جب سمجھ لیں گے تو آپ ہی چھوڑ دیں گے کسی کے کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ان سے جو یہ واقعہ کہا گیا تو وہ بگھل ہی تو گئے اسی وقت توبہ کی اور کہا کہاں میں اور کہاں مولانا مگر پھر بھی مولانا نے میری بڑی رعایت کی اسی طرح کانپور میں ایک شخص داڑھی منڈتے تھے اور مجھ سے ملنا چاہتے تھے ایک بار ایک شخص سے کہا کہ مجھ کو حاضری کا بہت شوق ہے مگر میں داڑھی منڈا ہوں اس لیے سامنے آتے ہوئے شرم آتی ہے میں نے جواب دیا شرم کی کوئی بات نہیں تمہارے دو ظاہری عیب ہیں میرے اندر باطنی عیوب ہیں اس کے بعد وہ مجھ سے ملنے آئے تو پہلی دفعہ تو ہلکی ہلکی داڑھی نظر آتی تھی مگر جب دوسری دفعہ آئے تو داڑھی پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور جب تیسری یا چوتھی دفعہ آئے تو داڑھی تمام تھی

اقسام نصیحت بعض اوقات کچھ کہنے کا بھی تر ہوتا ہے بنارس میں ایک دفعہ ریل میں سفر کر رہا تھا میں ایک ڈپٹی کلکٹر بھی ہو تھے نماز کا وقت آیا ہم نے ریل میں نماز پڑھی اور وہ ویسے ہی بیٹھے رہے میرے ایک دوست کہ وہ بھی ڈپٹی کلکٹر تھے اس سفر میں رفیق تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ان کو تم سے محبت معلوم ہوتی ہے تم ان سے کہو تو نماز پڑھ لیں گے میں نے کہا کہ مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے یہ کوئی بچے ہیں کہ میں کہوں گا تو سمجھیں گے ورنہ نہیں سمجھیں گے بالآخر ہم نے ان سے کچھ نہیں کہا اور نہ نماز پڑھی اور حقیقت میں سب کچھ کہا مگر اس طریقہ سے کہا کہ دوسروں کو علم بھی نہ ہوا اور اثر ہو گیا۔ اب ان کا یہ گمان تھا کہ جب یہ نماز پڑھ کر بیٹھیں گے تو ہم بھی نہیں مگر میں پھر ویسے ہی بشاشت سے باتیں کرنے لگا اس سے ان پر یہ اثر ہوا کہ وہ پکے نمازی ہو گئے پھر وہ ہمارے ضلع میں پولیس کے سپرنٹنڈنٹ ہو گئے تھے، وہ وطن میں مجھ سے ملے تھے مجھ سے یہ بھی کہا میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے پیچھے نماز پڑھوں اس وقت نماز ایک دوسرے امام پڑھاتے تھے میں نے ان سے اجازت لے لی کیونکہ وہ تو دراصل میرے ہی نائب تھے تو کہنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے کبھی صریح ہوتا ہے کبھی تدبیر سے موقع محل کا خیال کرنا چاہیے مگر فکر کہنے کی ہو اگر کسی دھن میں لگے رہو تو یہ طریقے بھی معلوم کرنے کا شوق ہو گا مگر یہاں تو یہ فکر ہی نہیں بلکہ اپنی خیر منائی جاتی ہے اور نصیحت کریں گے بھی تو برے طریقہ سے جیسے دوسرے کے سر پر کلہاڑی ماردی جائے اس کی بھی پرواہ نہیں کہ کس طرح کہنے سے فائدہ ہو گا؟ کیوں کہ نصیحت کے بھی اقسام ہیں کبھی نصیحت قالی ہوتی ہے کبھی حالی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زباں روشن گرست ۔۔۔ لیک عشق بے زباں روشن تر ست

جہاں جو طریقہ مناسب ہو اسی کو اختیار کرنا چاہیئے، اور ہر موقع پر مختلف طریقوں سے نصیحت کرنا چاہیئے اگر ایک طریقہ مفید ثابت نہ ہو تو دوسرے طور سے کرے پیچھا نہ چھوڑے

دیکھو جب اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہیں تو کبھی مارتے ہیں کبھی پیار کرتے ہیں کبھی پیسے دیتے ہیں مٹھائی کھلاتے ہیں کبھی لڑکے کے سامنے گردوسرا بر کہتا ہے کہ یہ لڑکا خراب ہے یا بدشوق ہے تو تم کہتے ہو کہ نہیں اب یہیں وہ تو مدرسہ میں جاتا ہے اگر شوقین نہ ہوتا تو مدرسہ میں کیوں جاتا۔ غرض تم اس کے مرہونے سے اس سے تقریب مقصود نہیں ہوتی بلکہ ترغیب مقصود ہوتی ہے کبھی کہہ دیتے ہو کہ بھائی تمہاری چھٹی ہے اور اس سے مقصود تعطیل نہیں ہوتی بلکہ مقصود ٹھہرا ہے کہ تم تمہاری چھٹی ہے جلدی سے چلا جائے اور کہہ دو کہ چھٹی کا نام سن کر خوشی خوشی کہ بتاتے عرض سب کو ایک لکڑی سے ہانکو موقع اور مرتب کا لحاظ کھو یہ نہ کرو جیسے ہمارے ہاں عقیدوں کا ایک قصبہ ہے ضلع سہارنپور میں وہاں ایک شخص بچے باپ سے کہا کرتا تھا کہ میں تو آپ کو جانے باپ ہی کے سمجھتا ہوں تو آپ مجھے کچھ ہی سمجھیں دیکھئے مقفی باپ سے کہتا ہے کہ میں ایکو جانے باپ کے سمجھتا ہوں۔ اسی طرح ضلع مظفر نگر میں ایک قصبہ ہے وہاں کا یک قصبہ ہے کہ ایک شخص ایک مدعا میں اپنے باپ سے کہتا ہے کہ آپ اپنے اخلاق درست کیجئے ورنہ اس معقول کا کلام تو دیکھئے قرآن میں تو حکم ہے کہ والدین کا ادب کرو ان کی تعظیم کرو حتیٰ کہ اگر وہ کافر بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ تا ئیستگی برتو دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی کیوں کہ وہ کافر تھے مگر کس خوبی سے فرماتے ہیں۔ یا ابت لم تعبد ما لا یسمع و لا یبصر و لا یغنی عنک شیئا۔ اے میرے باپ اے ابا جان! اولاً یا ابت کہنا یہ لفظ ہی ایسا ہے کہ جس سے باپ پگھل جاتا ہے کیوں کہ باپ کو اپنی طرف نسبت کرنے سے اُس پر خاص اثر ہوتا ہے جیسے بیٹے کو کہو اے میرے بیٹے تو اس کا خاص اثر ہوتا ہے اسی طرح یہ کہنا کہ اے میرے ابا اس کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اس کا وہ اثر ہے جو تلوار کا بھی نہیں تو اولاً تو یہ لفظ ہی غضب کا موثر ہے پھر فرماتے ہیں کہ آپ ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ دیکھے نہ سنے نہ کچھ فائدہ ہی پہنچا سکے اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں دیکھئے کس خوبی سے تبلیغ

کی یہ نہیں کہ تو ہمارا دین چھوڑ دے بلکہ بات تو اس میں اُن کے طریقہ کی مذمت بیان کی پھر فرماتے ہیں یا ابت انی قد جاءنی من العلم ما لم یاتک فاتبعنی اھدک صراطا سویا۔ یہاں بھی مگر وہی خطرہ ہے یا بت شاید کسی کو وہم ہو کہ ایک دفعہ یا ابت کہہ چکے ہیں پھر بار بار یا بت یا بت دھرانے کی کیا ضرورت؟ جواب یہ ہے کہ وہاں کوئی پیکچر تو دینا تھا نہیں وہاں تو دل موزی کی ضرورت تھی اس لیئے بار بار وہی لفظ استعمال کرنا چاہیے جس سے دل پگھل جائے تو فرماتے ہیں یا بت انی قد جاءنی من العلم ما لم یاتک فاتبعنی۔ اے میرے باپ اے باجان اب مجھے خدا نے ایسا علم دیا ہے جو تجھ کو نہیں آپ میرا اتباع کیا کیجئے اھدک صراطا سویا میں تجھ کو سیدھا رستہ بتلاؤنگا جس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ نہیں ہے دیکھئے سامنے دلائل بطلان کے بیان کرتے تو اب بطور تفریع کے فرماتے ہیں۔ یا ابت لا تعبد الشیطان ان الشیطان کان للرحمن عصیا۔ پیارے باجان شیطان کی پرستش نہ کیجئے بظاہر تو وہ بت کو پوجتے تھے شیطان کی عبادت نہیں کرتے تھے مگر واقع میں وہ شیطان ہی تھا کیونکہ عبادت اصنام کا امر وہی کرتا ہے اس لیئے بجنسہٖ صنم کے شیطان فرمایا جس میں اس پر تنبیہ تھی کہ عبادت صنم درحقیقت عبادت شیطان ہے اور شیطان کو آپ بھی برا جانتے ہیں پھر جس کو آپ خود بھی برا جانتے ہیں ایسے کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ اس کو چھوڑ دیجئے یا ابت انی اخاف ان یمسک عذاب من الرحمن فتکون للشیطان ولیا۔ غرض یہاں انہوں نے چار دفعہ یا ابت یا ابت کہا۔ اور یہ بھی جب ہے کہ آزر باپ ہو کیونکہ اس میں دو قول ہیں بعض نے کہا کہ آزر باپ تھا اور بعض نے کہا چچا تھا باقی رہا قرآن میں ہے کہ باپ تھا اور یہ قول مرجوح ہے کہ چچا تھا اور باپ مجازاً کہدیا اگر باپ ہو تو دیکھئے کس قدر ادب سے پیش آئے اور اگر چچا ہو تب تو اور زیادہ ادب ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے چچا کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو اب کوئی اپنے باپ کے ساتھ بھی نہیں کرتا بلکہ بجائے ادب کے۔ اب تو یہ ہے کہ اگر باپ سے کوئی بات خلاف مرضی کے ہو جائے تو اس کو بھی حقیر اور ذلیل کرتے ہیں۔ بہرحال نصیحت اگر

وہ آہستہ سے بولا تو اس ناخلف نے موقعے کو غنیمت جانا اور کہا کہ جامع مسجد میں ایک مسافر عظیم الشان نماز پڑھے گا تم بھی اس سے ایک دو رکعت صاحب بھی جماعت میں شریک تھے جماعت کے بعد لوگ سب سنتیں پڑھنے لگے، درویش صاحب بھی دل ہی دل طریقے سے سنتیں پڑھنے لگے جمعہ کی نماز کی تعدیل ارکان کی جب انہوں نے سلام پھیرا تو گندی نے سامنے آکر سلام کیا اور کہا درویش جی آپ نے سنتیں نماز جمعہ کی نماز ٹھیک نہیں ہوئی ہے پھر پڑھ لیجئے وہ بڑے خفا ہوئے کیونکہ وہ تو دل سے سچی بات کو پسند کرتے ہیں درویش ہی تو کہتے ہیں وہ سچی بات کیوں نہ لگے مارے غصے کے آگ بگولہ ہو گئے اور کہا ہمیں تو ہمارے پیر نے یہ جرأت کبھی نہیں دی تجھے نصیحت کرتا ہے اس نے کہا نہیں میں نصیحت نہیں کرتا ہوں اس نے کہا مگر میرا دل کہتا ہے تجھے آپ کے وقت کا بڑا تعلق ہے کہ آپ نے اتنی محنت کی اور یوں ہی ضائع جا رہی ہے اس سے درویش خفا ہوئے کہ خبردار نہیں مگر اس نے کہا ہوا کرے درویش نے کہا اچھا اگر تم نے کہا اور مار لیجئے جی بھر کر پیٹ پیٹنے مگر مت سے مار بھی طرح نہ پڑھو گے مسجد سے نکلنے نہ دوں گا میں نے تمہاری مار پٹائی سب معاف کی کیوں کہ تم حقیقت سمجھتے نہیں اس لیے معذور ہو جب درویش حاضر آیا اس نے مرید و اتنا دھمکایا مارا پیٹا مگر کسی طرح نہ چھوڑا ہمیں ملا اس تمور و غل میں چاروں طرف سے لوگ جمع ہو گئے لوگوں نے درویش کو سمجھایا کہ اس میں سر ماننے کی کیا بات ہے؟ ایک مسلمان خیر خواہی کرتا ہے اور تم سختی کرتے ہو نماز دہرانے میں تو تمہارا ہی نفع ہے بے وہ مار پڑھے کہ کھڑے سوئے سوچا گر ویسی ہی پڑھوں گا تو پھر پکڑا جاؤں گا لہٰذا تعدیل کے ساتھ پڑھنی چاہیے اب تو یہی مار پڑی کہ تیسری پشت تک بھی کسی نے ایسی نماز نہ پڑھی ہوگی تو یا جمعہ بعد کی نماز پڑھ رہے ہیں پھر اس گندی نے معافی چاہی کہ میں نے آپ کو تکلیف دی درویش نے کہا کہ آپ مجھے معاف کر دیجئے اور بزبان حال کہا ؎

ہزار بار کہ چشمم بار کردی ۔ مرا با جان جاں ہمراز کردی

تو درویش جی ہو گئے تو دیکھئے یہ بھی طریقے سے نصیحت کا اس میں ثواب تو انشاء اللہ

ملا سی اس کے ساتھ دنیوی نفع پہنچا ہو کر لوگ اس گندی کے معتقد ہو گئے اسے بزرگ سمجھنے لگے پہلے تو وہ سیدھا نقاب طیب ہو کر سادگی سے رہتی میں اس قصبہ کی شہرت ہوئی تب یہ بدھو بنا سے لوگ کہتے ہیں حضرت ذرا یہاں بیٹھ جائیے کون دکان پر بیٹھتا ہے ..... کوئی گھر لیجاتا ہے کہ برکت ہوگی کوئی یوں کہتا ہے کوئی شربت پلاتا ہے کوئی جلیبی پیش کرتا ہے اس نے کہا بھائی میں کوئی بزرگ نہیں ہوں میں تو معمولی عطر فروش آدمی ہوں اس سے لوگ اور معتقد ہو گئے کہا اچھا اور کچھ نہیں تو عطر ہوں یہ بیچتے ہیں لوگ فضیلت سے ہیں بلکہ تبرکا عطر خریدتے ہیں دعاؤں میں بھی کچھ تاثیر نہیں کرتے کہ کرتے کرتے بھی چلے جائیں گے تو برکت ہوگی غرض اس کا عطر خوب بکا اور دن کی ایک بات سے رسا کی مزہ ہو گیا میں نے وعظ کہا کہ دین کی درستی سے دنیا کا بھی نفع ہوتا ہے کہ میں کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مدرس میں دنیا نیت نہ کرنا چاہیے بلکہ خلوص ہونا چاہیئے برکت خلوص ہی سے ہوتی ہے۔

خلوصِ نیت

مگر دکھل خلوص نیت تو نہیں ہاں مدرسہ کا کام بھی ان کا کرتے ہیں۔ اس میں دنیا کی بچت بھی ہوتی ہے اپنے گھر میں وعظ کہلواتے ہیں شہرت کیلئے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں کے یہاں وعظ ہوتا تھا مدرسہ کی ایک کام میں چندہ دلاتا کہ شہرت ہو کہ فلاں نے پچاس روپے دیئے میں کوئی یکمشت دینا چاہتا ہے شہرت کوئی نہ ہونا چاہتا ہے پھر اس کیلئے کسی کو ساتھ بھی بھیجدیں گے کہ تم میری تعریف کرو اور فلانے تم تائید کرنا اور تائید کرنیوالے بکثرت ایسے جاہل کو دن ہوتے ہیں کہ ان کو وہاں سبق پڑھایا جاتا ہے کہ میں یوں کہوں گا تم یہ کہنا جہاں سارے ستیں ہوتی ہیں کہ میں یہ تقریر کروں گا تم اس طرح تائید کرنا اور وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ حقیقت کو سمجھتے بھی نہیں غلط سلط جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتے ہیں۔ غلط پر ایک قصہ یاد آیا۔ کانپور میں ایک جلسہ میں کوئی صاحب ایک مہاجن کو اپنی تائید کیلئے لیگئے اول تو اسے گھر پڑھا کر لیگئے تھے کہ میں تقریر کروں گا تو تم یہ کہنا کہ میں بھی تائید کرتا ہوں وہ بیچارہ محض ہندی پڑھا ہوا تھا اس نے عمر بھر کبھی تائید کا لفظ سنا نہ تھا کیوں کہ عربی

کانفرنس کے مرکزی دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا جو تقریباً ۴۰ سال کا تھا۔ وہ شخص بہت پریشان تھا۔ کہنے لگا کہ میں نے آج تک کبھی اتنی بڑی مصیبت نہیں دیکھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرا لڑکا ۱۲ سال کا ہے۔ وہ بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹر کو بلایا۔ ڈاکٹر نے دوا دی۔ دوا پی کر لڑکا مر گیا۔ میں نے کہا کہ ڈاکٹر نے دوا دی اور لڑکا مر گیا۔ اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟ کہنے لگا کہ ڈاکٹر نے دوا دی اور

ہر یکے ناصح برائے دیگرے ۔ ۔ ۔

عرض کیا حضور نے یہ حصہ سوری کا آپ کو دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں اور میں تم سے زیادہ توپ سے مستغنی نہیں میں بھی توپ کا محتاج ہوں سبحان اللہ یہ بات وہی حضور کا اپنے خدم کیساتھ کسی بات میں نرمی برتنا شوکت و ہیبت میں کسی قسم کا امتیاز نہ تھا جب تک دربار میں کوئی آتا تو ہر شخص تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کون ہیں اور خدم کون۔ ایک دفعہ آپ صحن پائیں باغ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا من محمد فیکم کہ تم میں محمد کون ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ آپ کو اس نے کیوں نہ پہچانا آپ کے چہرہ مبارک پر تو انوار و برکات صد و ندی نمایاں تھے جو یہ کہے کہ میں تو نور دیکھنے کیلئے نظر چاہیئے نور کو ہر شخص نہیں پہچان سکتا ہر مومن بھی تمیز نہیں کر سکتا پھر غیر مومن کیا پہچانے ہاں دوسرے نور سے تاسی تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ صاحب نور مقدس ہیں باقی آثار سلطان ہونا کونکر معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ صاحب نور کیلئے سلطان ہونا ضرور نہیں اور یہ شخص حضور کو سلطان ہی سمجھ کر آیا تھا ہنوز اس کو کہاں نبوت کی خبر نہ تھی اسی طرح ظاہری حسن اور آثار بھی آپ میں اسقدر تھے کہ کسی بڑے حسین و جمیل میں نہ تھے مگر اس سے بھی سلطان ہونا کیسے معلوم ہو لوازم سلطنت تو تاج و تخت وغیرہ ہیں جس سے آپ منزہ تھے اس لیئے ہر کس و ناکس آپ کو نہیں پہچان سکتا تھا غرض آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ سب سے ملتے جلتے رہتے تھے کوئی امتیاز کوئی نشان نہیں تھی اگر تم یہ کہو کہ حضور کی کیا بات وہ تو نبی تھے ہم ویسے کیوں کر ہو سکتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اے جب باوجود اس عظمت کے نبی کی یہ عادت تھی تو تم کو تو بہت زیادہ تواضع اختیار کرنا چاہیئے اور اگر یہ سمجھو میں نبی تو میں ابھی ایک غیر نبی مگر عظیم شان کا واقعہ سناتا ہوں۔ خورجہ کے ایک آدمی مجھ سے نقل کرتے تھے جب لکا متعین ہو گیا وہ کابل گئے تھے مجھ سے بیان کرتے تھے کہ عبدالرحمن خاں میر کابل کا یہ حکم تھا کہ جب وہ دربار سے اٹھ جائیں تو پھر مجلس میں کوئی ان کی تعظیم نہ کرے دربار کے بعد مصاحبین کے ساتھ ہنستے بولتے تھے اور مصاحبین میں سے کوئی ان کی طرف پشت کیئے ہوئے ہے کوئی پاؤں پھیلائے ہوئے ہے کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے تو واقعی سلطان کی حالت ایسی ہی ہونی چاہیئے یہ کیا کہ کچھ فلاں

درد ہے میں خلاف حج ہیں دیکھو کوئی گستاخی ہو جائے ورنہ سر ہو جائے گی کچھ نہیں وہ سمجھ کو
مردود نے ضرب کر کے کہا ہے تمہارے مدعا میں نہیں کہ ہمارے۔ ہم میں اللہ فرماتا
ہے ہمارے ہیں۔ ان تو دنیا کے کام بھی ہیں وہ ہمارے تھے۔ جب دین کے کام
بھی دنیا سے خالی ہیں ہر کام میں حضور اور رجاء کا خیال ہے جب دل میں خلوص نہیں تو برکت کیا
ہوگی جب دل کو دنیا سے اور عزت و شہرت ہو جانے سے پھر یہ حالت ہوتی
ہے کہ یا تو کوئی اس کا نام نہیں لیتا ہے تو دکان دار ہیں لیتے ہے اور آخر میں وہ
درمیان میں نام

اخلاص اور شہرت

ہاں خلاص حاصل کرنے سے مقصد شہرت بھی ہوگی
اور عزت بھی ہوتا فرماتے ہیں ؎

کعبہ را مردم تمامی سے نروند ۔۔۔ ہیں نہ خاصیت بر بیم بود

ورنہ نام کا کعبہ تو اور لوگوں نے بھی بنایا تھا جو ظاہری زیب و زینت میں اس سے کہیں زیادہ تھا
مگر کہیں اُن کا نام و نشان بھی نہیں رہا چنانچہ ایک کعبہ تو حضورؐ سے پہلے یمن میں بنا تھا جس کے
بانیوں نے اس پہلے کعبہ کو اس جھوٹے کعبہ کی بنا دینی کا سبب دیکھ کر ہدم بیت اللہ کا ارادہ
کیا تھا جس پر عذاب غیبی سے سب تباہ ہوئے اور ایک اور کعبہ حضورؐ کے زمانہ میں بنا تھا حضورؐ
نے اس کو منہدم کر دیا اگر کعبہ منہدم نہ ہوتا تو تشدید شہرت ہوتی اب شہرت ہو گئی جب منہدم
کر دیا تو میاں اس کعبہ پر بھی بہت سی آفتیں نازل ہوتی ہیں مگر وہی آب و تاب ہے اور اس
مصنوعی کو کوئی جانتا بھی نہیں اور مثال تو ایک تو حضورؐ نے دعویٰ کیا نبوت کا اور ایک مسیلمہ
کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا مگر دونوں کا فرق دیکھ لیجئے مولانا فرماتے ہیں ؎

بو مسیلم را لقب کذاب ماند ۔۔۔ مر محمد را اولوالباب ماند

اس کا کذاب لقب ہوا اور حضورؐ کو اولو الالباب کا خطاب ملا۔ اور یوں فرماتے ہیں ؎

احمد و بو جہل در بت خانہ رفت ۔۔۔ زیں شدن تا آں شدن فرقت نفت

[illegible] ہے مگر فرق کیا [illegible] تو حق تعالیٰ کی [illegible] کے [illegible]
[illegible] ہے [illegible] ہیں مست کر بڑے [illegible] فرماتے ہیں ؎

[illegible] ہے [illegible] :: حمد و ہو تہلل تم ہیں [illegible] ہے

[illegible] ہے [illegible] :: [illegible] ہے [illegible]

اور ایک جگہ فرماتے ہیں۔

[illegible] :: گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

اس شعر سے پہلے مثنوی والے تو ہیں مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ کسی عطار کے یہاں ایک طوطی بھی خوش آواز خوش رنگ تھا وہ دکان پر نگہبانی کیا کرتی تھی اور سوداگروں سے باتیں کیا کرتی تھی موقع کی بات ایک طوطی ایک روز مر گیا ہوتا تھا اور طوطی دکان کی نگہبانی کر رہی تھی وقت کی چوہا بکری سے دوڑی طوطی اپنی جگہ سے جان کے خوف سے جست کر کے یک طرف چلی وہاں روغن گل کی دوات رکھی تھی اس کے اوپر پاؤں سے گر گئی۔ مالک جب گھر سے آیا دیکھا کہ تمام دکان اور فرش چکنا ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ یہ کسی کی حرکت ہے اس کو مارنا شروع کیا اتنا مارا کہ اس کے سر کے بال گنجے کر دیئے۔ وہ طوطی بیچاری مر چکی تھی اس سے باتیں کرنے والی نہ رہی تھی اس کو بہت افسوس ہوا اور اس پر بڑی حسرت ہوئی۔ اسی وقت کسی سے پوچھا کہ بھائی دکان کی رونق کہاں ہے اس وقت میرا مال کیوں ٹوٹا گیا جب اس نے

اس کو مارا تھا بغرض حسرت و ویا کر کے مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ ہر قسم کی تدبیریں کیں طرح طرح پھل پھول نقش و نگار اس کے سامنے پیش کرتا تھا کہ کسی طرح بول اٹھے مگر سب بیکار۔ اسی مایوسی میں تین روز کے بعد ایک گنجا اس کے سامنے سے گزرا جس کے سر پر مطلق بال نہ تھے جیسے تدبیر کا حسرت ہوا اس کو دیکھتے ہی طوطی بول پڑی اور کہا ؎

[illegible] :: تو مگر زشیشہ روغن ریختی

کہ گنجے تو کس وجہ سے گنجوں میں شامل ہو معلوم ہوتا ہے شاید تو نے بھی کسی کا روغن گرایا ہوگا۔

از قیاسش خندہ آمد خلق را ۔۔ کہ چو خود پنداشت صاحب دلق را

اس سے لوگ بہت ہنسے اس نے سمجھا کہ بھی پنا جیسا سمجھا تو وہاں مولانا فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔۔ گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

اسی طرح کہاں مخلص کا عمل ؟ کہاں غیر مخلص کا ؟ لوگ بزرگوں کی ریس کرتے ہیں کہ ان کی تو شہرت و عزت ہوتی ہے اور ہماری نہ شہرت ہے نہ کسی کے دل میں وقعت ہے نہ عزت ہے ارے ہو کیسے ان میں خلوص تھا وہ تو سب بر اصل دوسرے درجہ کی قسم کا خلوص سے کام ہو تو شہرت خود بخود ہو جائے صاحب کہتے ہے ؎

اگر شہرت ہوس داری بیا در حضرت شو ۔۔ کہ در پیش زمیں دارد دگوش گیرد نام عنقا

غرض جو منہ چاہتا ہے وہ روشن ہو جاتا ہے اور جو شہرت چاہتا ہے اسے ذلت گھیر لیتی ہے اور بزرگوں نے جو کام بھی کیا خلوص سے کیا اس لیئے ان کے ہاتھوں کام بھی پورا ہوا اور شہرت اور نیکنامی بھی ہوئی مگر ان کو کبھی شہرت کا قصد تو کیا وسوسہ بھی نہیں ہوتا تھا اور ہم تو بندرے شہرت ہی چاہتے ہیں اس لیئے وہ بھی نصیب نہیں ہوتی ۔ ارے کیا شہرت کے طالب بنے ہو ایسی تیسی میں جائے شہرت مقصود صلی تو خدا کو راضی کرنا ہے بس جو کام کرو رضائے حق کو پیش نظر رکھو۔

کارِ پاکاں

غرض ہم میں بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ہمارے اندر خلوص نہیں ہے حالانکہ ہمارے بزرگوں نے جو کچھ کامیابی حاصل کی خلوص ہی کے بدولت حاصل کی ۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس خلوص ہی کی برکت سے کتنی بڑی بڑی فتوحات حاصل کی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حالانکہ یہ بڑے قوی اور شجاع تھے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ضعیف نحیف تھے گو تھے بڑی شجاعت اور مردانگی والے مگر اس وقت تک جرنیل نہیں تھے بلکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ جرنیل تھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھتے ہیں تخت امارت پر بیٹھتے ہی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ

عادت ہمیں ہے کہ کسی کو کچھ ملتا ہے تعریف کرتے ہیں نہیں ملتا تو ہجو کرنے لگتے ہیں چنانچہ ایک شاعر نے ایک شخص کی ہجو کی تھی اس نے کچھ انعام کرام دیدیا تو پھر تعریف بھی کر دی کسی نے کہا میاں ہجو بھی رہنے دو تعریف بھی یہ تو اجتماع ضدین ہے کہا میاں دونوں حال میں سچ ہوں یہ دنیا کی میں بھلائی برائی دونوں ہوتی ہیں ہم خوش ہوتے ہیں بھلائیاں بیان کر دیتے ہیں، خوش ہوتے ہیں برائیاں بیان کر دیتے ہیں تو ممکن ہے کہ حضرت خالد نے اس نیت سے دیا ہو کہ اس سے دفع شر ہوگا اور دفع شر کیلئے دینا جائز ہے لہذا ہم جیسوں کو تو ان پر اعتراض کا حق نہیں لیکن امیر المومنین کو حق ہے وہ ان کو جائز سے گذر کر دل وراحوط کے درجہ پر دیکھنا چاہتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے وعصیٰ آدم ربہ فغوی و ہم لوگوں کو زبان کھولنے کی مجال نہیں غرض حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا جبکہ اس واقعہ کا بھی علم تھا سو اس حالت میں اگر یہ خلوص سے کلام نہ کرتے ہوتے تو اس وقت ضرور کہا ہوتا کہ تم نے سنا وہ تو خالق کو کیسے کلام کر رہے تھے خواہ عمرؓ سنتے ہوں یا نہ سنتے ہوں اس کی ان کو پروا نہیں تھی یہ رنگ تمام صحابہ پر رگوں کا اور سبھی کا تھا۔ سچ ہے کہ اول ہی دل سے بڑا ہونے کا خیال ہو جاتا ہے وہ بڑا ہونا کیسی بری بلا ہے کہ اول بدطلب وخواہش بھی بڑا ہو جائے تب بھی افسوس ہے مولانا فرماتے ہیں۔

تن قفس شد کلست ما خار جاں ۔۔ ۔۔ فریب و خلق و خار جاں

اینش گوید نے منم انبار تو ۔۔ ۔۔ آنش گوید نے منم ہمزار تو

او جو سید نفس و بد مست خویش ۔۔ ۔۔ از تکبر سرود زد دست خویش

یہ مصائب ہیں شہرت اور بڑا ہونے کے اس لیے تفریق وحدت فرماتے ہیں ؎

خویش را بگزار و بگذار ۔۔ ۔۔ تا تو ہیرو کس نہ داند نہ اشتہار

ہست از خلق بند محکم ست ۔۔ ۔۔ بندہ ایں را بند آں کے کم ست

یہ تو دین کی خرابی ہے اور دنیا میں یہ حالت ہوتی ہے۔ ؎

کو جرنیل بنایا اور حضرت خالدؓ کو معزول فرمادیا لوگوں نے ان سے حضرت کیا یا وہ تو بڑے دلیر اور بہادر تھے اور یہ کمزور و پتلے پتلے میں نے یہ سنا تھا کہ معزول کرنا ہوں کہ خالد پر سب کی نظر ہو تی ہے اور ابو عبیدہ کی امارت میں سب نے بیعت کر لی ہے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ ہی مدد فرمادیں جو فتح حاصل ہوگی وہ خدا ہی کی طرف سے ہے ساتھ سمجھی جو لیکن حضرت یہ تھے سمجھنے والے دین کے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس کہ میں آج سے آپ کو لشکر اسلام کا جرنیل بناتا ہوں اور خالد کو طلاع کر دو یعنی خود ان کو خط لکھا بھی نہیں کہ تمہارے بجائے ابو عبیدہؓ کو جرنیل مقرر کر دیا گیا ہے۔ اب حضرت ابو عبیدہؓ شروع کریں کیسے ان کو ہوں اب تک تو ان کی ماتحتی میں کام کر رہا تھا اور اب ان کو معزول کروں مگر امیر المومنین کا حکم تھا ماننا ضروری تھا اس لئے وہ خط ایک آدمی کے حوالہ کیا کہ اس کو حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس لے جاؤ اور یہ کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم اس میں میرا کوئی دخل یا خواہش نہیں ہے آپ مجھ سے کبیدہ خاطر نہ ہوں وہ خط پا کر خوشی خوشی حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ میں اپنے کو معزول کرتا ہوں اور امیر المومنین کا فرمان سر آنکھوں پر ہے وہ میں آپ کی اطاعت کروں گا اور کام پہلے سے زیادہ کروں گا پھر اس کی حقیقت بتائی ورنہ شاید کوئی اس قول کو شاعری پر محمول کرتا وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ اب تک کبھی کبھی مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ اگر میں مارا گیا تو لشکر بد دل ہو کر پسپا ہو جائے گا کیونکہ عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ افسر کے مارے جانے سے لشکر بیکار ہو جاتا ہے اس لئے بہت دفعہ میں اپنی حفاظت کرتا تھا اور اب آزاد ہوں مجھ کو وہ اندیشہ نہیں رہا اب انشاء اللہ تعالیٰ میری خدمت دیکھئے گا حضرت یہ لوگ تھے خادمان دین اور یہ وہ تھے کہ حضرت عمرؓ نے یک بارگی کو جاہ طلب بھی فرمایا تھا اور وہ واقعہ اس طرح ہوا تھا کہ ایک بار حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو کچھ روپیہ دیدیا تھا۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ ان میں حب جاہ ہو گیا ہے حالانکہ ممکن ہے حضرت خالدؓ نے شاعر کو بیت المال کا مصرف سمجھ کر دیا ہو اور یہ سمجھے ہوں کہ یہ شخص مستحق ہے۔ یہ خیال ہوا ہو کہ اگر نہ دیں گے تو شاید ہجو کرے کیونکہ شعراء کی

ف ... تسلیم و رضا ... بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

... کا مدد ... کا کام کی دار دیدہ ور جمہور کے مفاسد سارے دنیا کے اعتراضات اسپر پڑتے ہیں ... نہیں ... تو کسی پر بھی اس کا الزام نہیں ہوتا اور نہ اس کو کسی کی پروا ہوتی ہے یہ خاص ہوا ہے

شکوۂ بیرحمیٔ یار ... ہے غم دزد و نے غم کالا

ایک دوست کچھ سے کہنے لگے ... میں ماتیں حاصل ہوں ایک تو بھائی دوسرے کپڑا اور تیسرے کوئی ماسے پیسے نہیں تو اس سے بعد چاہے کوئی ہمیں بھنگی کہے تجھے تو ہمارا خرچ کیا ہے حقیقت میں جن لوگوں سے ... مقاصد ... ہیں ... ان سے ... کے مقاصد بھی حاصل نہیں ہوتے ... ہوتو دین بھی رہے گا اور دنیا کا بھی ... جھوٹ ... عظمت ... بہت سیدھے عظمت ... کی رکھتی بلکہ وہ تو اس پر آمادہ تھا کہ عظمت ... بھی ... ہوڑوں کا نتیجہ کیا ہوگا دین دنیا دونوں کا ... ہوتو ... یہ طریقہ ہوتے ... اب تو یہ ... کے کہ ... ہی سے یوں کہے ... ... ہے ... اس کو بھی ... عظمت ... ایک دوست بیان کرتے تھے کہ کسی موقع پر ایک محصل چندہ نے ایک شخص سے چندہ مانگا اس نے عذر کر دیا اب وہ فرماتے ہیں کہ سلامی کاموں میں مسلمانوں کی مدد کرنا مسلمان کا کام ہے کیا تم مسلمان نہیں ہو اس نے کہا ہاں میں مسلمان نہیں ... محصل نے لکھ لکھ دو ... تم مسلمان نہیں لہٰذا وہ ... عذر اس نے لکھ بھی دیا اب کرے کوئی اس کا کیا کرے اس کے بعد یہ شخص نے کہا میاں تم نے یہ کیا ... کیا لکھ دیا کیا تم اسلام سے خارج ہو گئے کہنے لگا نہیں ... تو میں کیوں، اسلام سے خارج ہوتا میں تو پکا مسلمان ہوں کہا پھر تم نے یہ فعل ایسا کیا کہنے لگا ان کمبختوں نے تنگی کی مجھ پر تبرا کیا میں نے انکار کیا پھر انہوں نے میرے ... کو اسلام کے خلاف سمجھا اور مجھ سے لکھوانا چاہا کہ میں مسلمان نہیں میں نے لکھ دیا اور مطلب یہ تھا جیسا تم جسکو اسلام کہہ رہے ہو جو چندہ نہ دینے سے جاتا رہے میں

مسلمان نہیں درسمروں کے بھوتے، درکھلونے سے کیا ہوتا ہے حق تعالیٰ تو یرید اللہ بکم الیسر فرماتے ہیں، یہ کرتے میں تنگی۔ تو صاحبو! یہ طریقہ نہیں نعمت کا دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ بنی ثقیف کا یک وفد آیا تھا اور کہا کہ ہم دو شرطوں سے اسلام لاتے ہیں یک تو یہ کہ زکوٰۃ نہیں دیں گے دوسرے یہ کہ جہاد نہیں کریں گے یعنی نہ مال خرچ کریں گے نہ جان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں شرطوں کو منظور فرمایا عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ یہ شرطیں کیسے تسلیم کرلیں باوجودیکہ زکوٰۃ وجہاد دونوں فرض ہیں۔ فرمایا کہ تم ان کو مسلمان تو ہونے دو جب اسلام ان کے دلوں میں گھر کرلیگا اس وقت سب کچھ خود ہی کریں گے کہنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ تم کسی کو شراب پلاؤ، وہ کہے اس شرط سے پیتا ہوں کہ شراب پی کر جھوٹ نہ بولوں گا نہیں تو آپ کو اس شرط کے ماننے سے انکار کی کیا ضرورت ہے وہ تو خود ہی شراب ہی جھوٹ بولا دیگی۔ تمہارے جھوٹ بلانے کی ضرورت نہیں اسی طرح اسلام خود ہی زکوٰۃ بھی دلوادے گا اور جہاد بھی کرا دیگا بغیر اس کے چین نہیں ہوگا اور یک روایت میں ہے کہ کوئی شخص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں بشرطیکہ نماز سے چھٹی مل جاوے آپ نے لکھا فرمایا کیونکہ اسمیں کوئی خرچ نہیں جس سے لگی ہو اور اس وقت ایسے کم ہمت نہ تھے کہ ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں لیکن اب ایسے بھی کم ہمت ہیں اس لئے اب اگر کوئی یہ شرط لگادے کہ ہم مسلمان اس شرط پر ہو سکتے ہیں کہ ہم کو نماز سے معافی دی جاوے تو ہم اس کی بھی اجازت دیں گے چنانچہ مولانا مظفر حسین صاحب ایک بار گڑھی جو ایک مقام ہے تشریف لیگئے تھے وہاں ایک بڑا رئیس قسم نشین تھا جو نماز نہیں پڑھتا تھا۔ مولانا نے اس سے دریافت فرمایا کہ خانصاحب نماز کیوں نہیں پڑھتے کہا مولانا مجھ کو داڑھی چڑھانیکا شوق ہے اور وضو کرنے سے وہ بار بار خراب ہوجاتی ہے پھر دن میں پانچ دفعہ داڑھی بنانا چڑھانا مصیبت ہے مولانا نے فرمایا کہ تم بے وضو پڑھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح تو ضرور پڑھ لوں گا فرمایا ہاں مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ جماعت سے پڑھنا اور مسجد میں پڑھنا

کہا بہت اچھا شاید دو ایک وقت خانصاحب نے بے وضو ہی ڑھائی پھر خیال ہوا کہ میاں خو
مخواہ اتنی محنت بھی کی اور پھر نماز بے وضو پڑھی بفرض تیسرے ہی وقت سے وضو کرنے لگے،
وضو کرکے پھر داڑھی چڑھاتے مگر دو ایک روز کے بعد کہا کہ میاں میں یہ اتار چڑھاؤ ورا دیر
ہن کب تک کرونگا اب داڑھی چڑھانا بھی چھوڑ دیا تو مولانا نے جب بے وضو کی اجازت دی تھی
تو مولانا نے یہ سمجھا تھا کہ جب جماعت سے نماز پڑھے گا تو ان میں کوئی اللہ والا بھی ہوگا اس کے
قلب کا نور اس پر پڑے گا اور یہ صحیح طور سے نمازی ہو جائیگا دوسرے خانصاحب کو بھی غیرت
ہوگی مولانا نے یہ راز سمجھ کر اجازت دی تھی یہ نہ سمجھنا کہ بے وضو تو نماز ہوتی نہیں پھر مولانا
نے کیسے اجازت دی بات یہ ہے کہ مولانا نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تاکہ ان پر اعتراض ہو بلکہ
اس کے نمازی بنانیکا طریقہ یہی سمجھا اور یوں خیال فرمایا ہوگا کہ جہاں اس نے نماز میں
ترک کی میں چار وقت اور بے نمازی رہے گا مگر طریقہ یہی ہے اس کو رہ پر لگانیکا کیوں کہ
مولانا نے دیکھا کہ یہ عہد و پیماں کا بڑا پکا ہے غیرت مند ہے جب کام شروع کرے گا چھوڑے
گا نہیں اس وقت کے دیندار تو اتنے پکے ہوتے تھے کہ اب دینداروں میں بھی وہ پکا پن نہیں
ہے اسی کو عراقی کہتے ہیں ؎

بہ قمار خانہ رفتم ہمہ پاک باز بینم ۔ چو بصومعہ رسیدم ہمہ پاکباز یافتم ریائی

یہ قمار خانہ میں پاک باز کیسے مطلب یہ ہے کہ بعض صفات میں وہ پاک باز تھے یعنی عہد و
پیمان کے پکے تھے گو دین کے پکے نہ تھے کیوں کہ اگر سب جوا ری بدعہدی کریں تو بازی
کسی کی بھی نہ ہو تو ان کی لڑائی ہی لڑائی ہوا کرے تو پہلے لوگ قول کے پکے تھے اگر کبھی لڑائی
ہو جاتے تو اس میں بھی پکے ہو جاتے تھے اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی سید الطائفہ
حضرت جنیدؒ ایک جگہ تشریف لے گئے تو راستہ میں دیکھا کہ سولی پر ایک چور لٹک رہا ہے
جس کا ہاتھ بھی کٹا ہوا پاؤں بھی کٹا ہوا اور عبرت کیلئے سولی پر لٹکا رکھا ہے حضرت جنیدؒ نے
جاکر اس کے پاؤں چوم لیئے خدام سب حیران کہ شیخ کیا کرتے ہیں چور کی قدم بوسی کرتے ہیں

[illegible] یہ [illegible] ہے [illegible] ایک [illegible] اس کا [illegible] [illegible] [illegible]

مقصود ہے کیوں کہ فطری بات ہے کہ مصیبت کی ناکامی بلکہ ہر چیز کی ناکامی کا قلب پر ایک اثر ضرور ہوتا ہے اور جب رنج ہوتا ہے تو بعض وقت اس کام ہی سے رہ جاتا ہے چنانچہ اسی لیے لا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون فرمایا تنی شقت نکرو جس کے عدم ترتب ثمرہ پر رنج ہو جائے مقصود کو دیکھنا چاہیئے سو یہ مقصود حاصل نہیں کہ بس مخاطب ہمارے کہنے سے مسلمان سی ہو جائے گو ایک درجہ میں یہ بھی مقصود ہے مگر خود اس کی بھی حقیقی ہدایت پر خیال کرنا چاہیے وہ کیا ہے وہ رضائے حق ہے اور وہ ناکامی میں بھی حاصل ہے اس لیے ایسی ناکامی پر بھی راضی رہے اس کو بھی کامیابی ہی سمجھے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

گر مرادت را ندہد کرست ۔۔ بہر مردی نے مرد دیرست

اور فرماتے ہیں ؎

بس زبوں و سوگ باشی و ۔۔ گر طرب را باز دانی زیں

ثمرہ پر عدم نظر یک نظر سے یک دینی مقصود میں کوشش کی تھی مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے اس پر کسی نے طعن کیا کہ میاں اس کوشش سے کیا ملا انہوں نے خوب جواب دیا سودا کے شعر سے ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن ۔۔ بازی گرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز ۔۔ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

مگر یہ جب ہے کہ مقصود در عمل شریعت کے خلاف نہ ہو ورنہ خسر الدنیا والآخرہ ہو جاوے گا غرض عاشق کو ثمرہ پر نظر نہیں ہوتی عاشق کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من ۔۔ ہر دمے یار دل رنجان من

اور یہ مذہب ہوتا ہے ؎

زندہ کسی عشقے تو ۔۔ در بجستی قدمے تو
جان شد مستے تو ۔۔ ہر چہ کنی رضائے تو

عاشق کو اس سے کیا بحث کہ کلام موزوں ہے یا نہیں اس کی نظر تو یہاں تک محدود ہوتی ہے کہ محبوب کو صرف حیرتی ہو جانے کہ کلام اس کا چاہنے والے کے سوا اس پر بھی کس قدر ہے یعنی اس کو رضا کا بھی خیال نہیں ہوتا اسی کو کہتے ہیں ؎

ہمیں سم بس کہ دلدادہ دیدہ ۔۔۔ کہ من نیز خریدہ رق باشم

واندکسے ہیں اور جو معلوف ہاں ہوتے ہیں وہ اس سے بھی آگے کہتے ہیں ؎

ہمیں سم بس اگر کامد قبولش ۔۔۔ کہ من نیز خریدہ رق باشم

ذہن نتیجہ پر نظر مت کر دو حوالے کا کام ہے وہ کرو۔

عملی نمونہ ان ہی کرنے کے کاموں میں سے ایک تبلیغ اور ترغیب بھی ہے مگر اس سے پہلے ہی اصلاح کر دو تاکہ تم کو یکھ کر لوگ مسلمان ہونے لگیں پہلے مسلمان کس طرح ہوتے تھے تاریخ سے حضرت بیتا ہے کہ ہمارے اسلاف کے زمانہ میں کفار باسوں کے اوپر ستکر اسلام میں سے وہ مسلمان ہوگئے چونکہ کے شکر ہی جا کر اسلام پھیلا ایک واقعہ یہ ہے کہ ترکاوں کے ایک واقعہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہوگئی تھی آپ نے ان کو یہ زرہ دی کے پاس دیکھا اس وقت آپ خلیفہ تھے کہا یہ زرہ میری ہے۔ یہودی نے سایہ ہی ہے دیکھے خلیفہ کے متعلق میں یہ رعیت کا وہ بھی کس بیباکی سے کہتا ہے کہ یہ چیز میری ہے یہ اسلام ہی کے فوائد میں سے تو اس کی جرأت تھی کیونکہ جانتا تھا کہ بادشاہ کے صرف کہنے سے یہ زرہ اس کی نہ ہو جائے گی دیکھئے اسلام کی کتنی خوبی ہے کہ غیر قوموں کو بھی اس سے نفع ہوتا تھا سے تو یہ ہوا کہ وہ مسلمان کبھی اس سے نفع نہیں لیتے ہیں غرض آپ نے قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کیا اس وقت قاضی تھے شریح یعنی وہ آپ کے ساتھ ہے دیکھے کہ آپ بادشاہ اور شیخ اسلام تھے فضائل و خصائص دیکھ کر ہیں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ تصرف ہو سکتے ہیں ۔ ہیں مگر باہمہ حضرت شریح کے فیصلہ میں حضرت علیؓ سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی گواہ ہے صاحبو! اس

حضرت علیؓ مقدمہ ہار کر عدالت سے ہنستی ہوئی نکل آئے یوں محسوس ہوا۔ یہودی نے دیکھ کر باوجودیکہ یہ بادشاہ ہیں میرے مقابلہ میں ان کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ یہ مذہب سچ ہوتا تو ہمیں اتنی خجالت و برکت ذلت نہ ہوتی۔ بس کلمہ شہادت پڑھ کر کہا کہ حضور آپ ہی کی زرہ ہے میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے [illegible] وجہ کر دی وہ حضرت علیؓ سے بہت [illegible] ایک صحابی میں تھے [illegible] دیکھا آپ نے زرہ کے [illegible] معاملہ نے کیا کہا دیکھئے ہی [illegible] دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے [illegible] دیکھ کر کوئی کافر [illegible] جب [illegible] اس کے مناسب مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کسی مقام پر کافروں کے محلہ میں ایک مسلمان جایا کرتا تھا جو بڑا ہی ہٹا کٹا تھا مگر اس کے دماغ میں یہ جنتے صحابہ میں [illegible] یہ بھی ایک مرض ہے چنانچہ میں نے بھی مدتوں دیکھا کہ ہر جمعہ کو ہر جمعہ کے بعد ایک ہندی حاجی سورہ رحمٰن بہت اچھا پڑھا کرتا تھا پھر سنا میں نے دل میں کہا کہ ہندوستان کو مذاق کرتے ہوئے سمجھتا ہی نہ تھا کسی طرح وہ موذن کسی اشنا میں ایک کافر ہیں سے ایک دن اس ہندو نے کے سامنے شیطانی نیزہ پیش کی اس کی برداری نے سیر سلامت کی کہ تک مسلمان کا تنا گرم اس نے کہا میری ایک رائے کو سدہ میں ہوگیا تھا۔ میں بڑا پریشان تھا بہر حالت

خائف رہتا تھا کہیں یہ نکل جائے جب یہ سوال پوچھا گیا تو لڑکی نے یہ جواب دیا کہ جان یہ کہتے ہیں سے کہا کہ یہ اسلام کی اذان سے بس یہ سن کر سے سے نفرت ہوئی تو اس نے اس شکریہ میں اس بڑھیا کو یہ اطلاع دی تھی کہ یہ تو میرا بڑھ گئی کہ اس کے آنے سے میری لڑکی کو اسلام سے نفرت ہوئی یہ تو حکایت تھی مگر ہماری حالت یہ ہے کہ مشکل معاملات میں بعض عقیدے ہم کافروں سے ہی گرے ہوئے ہیں ہمارا کافر سے ملنے کے جو ارادہ کے کہنے کے بعد کہ کوئی ہوئے ہیں کسی پر نے [illegible] ہوئے کہ مسلمان کے پاس رکھنے سے کھیت ہوتی ہے [illegible] کھاتی جاتی اور مسلمان پر نہیں یہ کیسی [illegible] میں کہتا ہوں سب سے پہلے [illegible] علاج کرو مگر نہیں کہ [illegible] کو صحت نہ ہو [illegible] دونوں کام کرو تو ایک ہی طرف [illegible] مرض کو قوت ہو جاوے اس کو ایک لیڈر سے سمجھو مثلاً تعلیم [illegible] معلومات بھی پڑھنے میں یہ نقصان تو ہوتا ہے اور بعض جگہ [illegible] ہوتا ہے کہ پہلے معلومات کی ضرورت ہی نہیں ہوتی یا [illegible] اس سے [illegible] معلومات اور [illegible] منقولات کے سمجھنے میں ایک گونہ مدد ملتی ہے تو [illegible] حقیقت ہے کہ معقولات میں جمنے کے لئے مقدمات کے سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے [illegible] بعض جگہ پہلے معقولات اور پھر معلومات پڑھتے ہیں اس کی مضرت [illegible] ہے کہ [illegible] سے بعض بعض مشکل جگہ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ لہٰذا قدماء کا [illegible] سے یہ ترتیب [illegible] ہے کہ دونوں [illegible] رکھتے ہیں۔

طریق باطن میں ترتیب

[illegible] طریق باطن میں بھی یہی [illegible] ہے پہلے بزرگوں میں [illegible] قائد [illegible] ہونا چاہئے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

طولی منہ بلی منہ اور اس کو فخر سمجھتے ہیں بھلا آدمی کا بار کر جاور پہ رکھ دیا گیا تو اس میں فخر کی کیا بات ہے غرض اتنی تو واقفی حکام سے کہ تیمم تک کی بھی خبر نہیں اور پھر ہمدرد قوم کہلاتے ہیں افسوس ایسے لوگ مقتدا اور ہادی بنتے ہیں ان کی حالت کو دیکھ کر وہی شعر یاد آتا ہے ؎

گر ہمیں مکتب و ایں ملا و ایں رویہ کنند ۔۔۔ یں چنیں رکان دولت ملک را ویراں کنند

واقعی یہی حالت ہے جب یہ مصلحان قوم ہیں اور یہ رہنمائے اسلام ہیں تو بس کچھ نہ پوچھو کہ اس کا انجام کیا ہوگا ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم ۔۔۔ سیھدیھم طریق کیف کانا

اپنی اصلاح کی فکر

غرض آجکل جیسے جیسے لوگ تبلیغ و اصلاح کو کھڑے ہوئے ہیں جن کی یہ حالت ہے تو بات یہ ہے کہ اس سے حیرت اور غرور ہوتی ہے کہ فلاں صاحب رات دن تبلیغ میں رہتے ہیں وہ اپنی اصلاح کی طرف نہیں کرتے اسمیں تکلیف بہت ہیں اسمیں رکاوٹ بہت ہیں بار پڑتا ہے کیوں کہ جی چاہتا ہے کسی کی غیبت کریں پھر وعید آئی ہے تو چھوڑنا پڑتا ہے کسی حسین عورت کو دیکھ لیا یا کسی امرد حسین پر نظر پڑ گئی جی چاہتا ہے کہ اس سے نظر نہ پھیریں بار بار تقاضا ہوتا ہے کہ اسے دیکھتے ہی رہیں ادھر یہ آیت یاد آتی ہے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم الآیۃ ادھر نفس کا تقاضا ہے کہ دیکھتا رہے ادھر یہ وعید یاد آتی ہے تو قلب پارہ پارہ چلتا ہے ہر لحظہ نئی موت آتی ہے وہ حالت ہوتی ہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ۔۔۔ ہر زماں زیبد حیات دیگر است

میں نے یہ تھکا پڑھا ہے ورنہ یہ حالت تو سچے عشاق کی ہے جن کی شان ان شہداء کی سی ہے جن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ شہداء جنت میں اپنے اجر کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ پھر زندہ کئے جائیں پھر مارے جائیں پھر زندہ کئے جائیں۔ یہی حال عشاق و عارفین کا دنیا میں عمر بھر رہتا ہے کہ مرتے ہیں پھر جیتے ہیں پھر مرتے ہیں مگر وہ موت و حیات کونسی

میں وہ موت موت نفس ہے اور وہ حیات حیات روح ہے ایک بار نفس کو مار کر روح
کو حیات دی پھر کچھ دنوں میں نفس زندہ ہو گیا پھر مجاہدت سے اس کو مار ساری عمر
کی محنت گئی ہے جس میں پہلے اتنی محنت اور زیادہ مجاہدہ ہوتا ہے پھر تو مشاہدہ کی
دولت نصیب ہو جاتی ہے شیخ فرید فرماتے ہیں ؎

حاصلے گر ہست پس ہمت دریں محنت ہمہ ۔۔ چند روزے صبر کن ماتی کنند

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

تندریں رہ می تراش و می خراش ۔۔ تا دمے فارغ نشینی فارغ باش

مولانا و شیخ فرید کے کلام میں تعارض کا شبہ نہ کرنا تیاری تو مجاہدہ کیسے ساری عمر ہو
لیکن وہ ہوتا ہے چند ہی روز دوسرے اول دن کچھ زیادہ ہوتا ہے پھر کم ہوتے ہوتے بالکل ہی
نہ رہا حافظ محمد عباس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سالک نے فرمایا تھا کہ یہاں ہونے
نے ہمیں جہنم تک پہنچا دیا فرمایا تھا کہ یہ مجاہدت ساری عمر کرنا پڑتے ہیں ہاں
دن اول تلب پر بہت بار ہوتا ہے پھر اتنی مشقت نہیں رہتی۔ مگر بالکل فارغ بھی
نہیں ہو سکتے جیسے سایہ گھوڑا کبھی کبھی شوخی کرتا ہے مگر ایڑ کے اشارہ سے ٹھیک ہو
جاتا ہے شائستہ تو ہے لیکن کبھی کبھی شرارت بھی کرتا ہے مگر تھوڑی سی حرکت سے
ٹھیک ہو جاتا ہے اسی طرح نفس ساری عمر شرارت کرتا ہے مگر صلاح ہونے کے بعد
تھوڑی سی توجہ سے درست ہو جاتا ہے صاحبو! نفس سے کبھی بے فکر نہ ہونا چاہیے

مولانا فرماتے ہیں ؎

نفس اژدھاست او کے مردہ است ۔۔ از غم بے آلتی افسردہ است

یعنی نفس اژدھا کے مثل ہے جو سردی میں ٹھٹھر گیا ہے سامان حرکت نہیں اس لیے
مردہ کی مانند ہو گیا ہے سامان ہو تو پھر دیکھو پس ہر چند کہ فرق ضرور ہے ابتدا اور انتہا
میں لیکن بالکل نفس کسی وقت نہیں ہو سکتے سو یہ مصیبتیں ہیں اپنی اصلاح میں اور

دوسرے کی اصلاح کیا مشکل ہے صرف زبان چلانا پڑتی ہے جو بالکل ہی آسان ہے اس لئے لوگ اسی کو بڑی اصلاح سمجھ لیتے ہیں اسی لوگوں کے بارہ میں عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند ۔۔۔ چوں خلوت میرسند اں کار دیگر میکنند

مشکلے دارم زدانشمند مجلس بازپرس ۔۔۔ توبہ فرماں چوں خود توبہ کمتر میکنند

صاحبو، جیسے ہی اصلاح کا بوجھ بڑی کٹھن سے سر میں اس کو آسان کئے دیتا ہوں۔ دیکھئے اگر کسی کا ذہن صاف ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ تو وہ لوگوں سے رستہ پوچھتا پھرے گا لوگوں کو دیکھ دیکھ کر رستہ بتا دے گا کہ فلاں رستہ پر چلے جاؤ گے اس سے داہنی طرف کو جانا مگر لوگوں سے کہا اس کے ساتھ نہیں گئے تو جیتے جی وہ کہیں کھڑے ہی گر کر مر جائے گا اور اگر جس سے رستہ پوچھے وہ شفیق ہے تو وہ یہ کرے گا کہ کوئی سوجھا جانا ہے اس کے ساتھ اندھے کو کر دے گا اب دونوں چلے چلے جا رہے تو دیکھے اندھے کو خود تو پہونچا بہت مشکل تھا مگر جو کہ سوجھا کے ساتھ ہے اس لیے یہ دونوں آسان ہو گیا اسی طرح اصلاح باطنی کی حالت ہے بطور خود اصلاح بہت مشکل ہے مگر کسی واصل کا ہاتھ پکڑ لیا جاوے تو اب آسان ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو ۔۔۔ پیش مرد کاملے پامال شو (دوسرا شعر شیخ فرید فرماتے ہیں)

یار باید راہ را بسیار بد ۔۔۔ بے قلاوز اندریں صحرا مرد

ہر کہ تنہا رفت ازیں راہ بعید ۔۔۔ ہم بوں گشت و بدوں رسید

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق ۔۔۔ عمر گمگشت و نشد آگاہ عشق

گر ہوائے ایں سفر داری دلا ۔۔۔ دامن رہبر بگیر و پس در آ

در ارادت باش صادق ہمچو فرید ۔۔۔ تا بیابی گنج عرفاں را کلید

گو فی نفسہ یہ طریق آسان ہے کچھ اسپر موقوف نہیں کہ کسی کا ہاتھ پکڑو اگر اپنے پاس عقل سلیم ہو تو خود ہی طے کر سکتے ہو مگر چونکہ ایسی عقل سلیم قریب قریب مفقود ہے اس لئے اگر تنہا بھی ہمت کرو گے تب بھی چار منزل چل کر کہو گے یا رجل خذ بیدی اس وقت

یہ شخص بالکل ندھا معلوم ہوگا بعض لوگوں سے گوشۂ عزلت اختیار کرلیا ہے میں ان پر کوئی طعن نہیں کرتا یوں تو وہ تارک دنیا ہیں مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ساتھ ہی تارک الدین بھی ہیں کیونکہ امر بالمعروف بھی تو دین ہی ہے اب اگر شیخ کسی مصلحت سے اس سے چند روز کیلئے منع نہ کرے تو پھر نہ کرنا چاہیئے مگر وہ ترک نہیں کرتا بلکہ ملتوی کرتا ہے جیسے طبیب کسی کو مسہل دیتا ہے تو بھی ہوئی بوٹیاں کھانے سے منع کرتا ہے تو یہ نہیں کہ ساری عمر کیلئے چھڑا دیتا ہے بلکہ علاج تو یہی ہے مگر اس وقت اس کا معدہ اس قابل نہیں کہ اس کو ہضم کرسکے اسی طرح شیخ دیکھتا ہے کہ اگر یہ اب ہی سے امر بالمعروف کرنے لگا تو اس کے مذہب پیدا ہوجائیگا اس لیئے روکتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

منصب تعلیم نوعے شہوتیست ۔۔۔ ہر خیال شہوتی در رہبتیست

چنانچہ خود میں نے ایک شخص کو جس نے اپنی تدریس اور دوسرے کی تحقیر کے طور پر ڈاڑھی منڈا دی تھی اور یہ سزا مقرر کی تھی کہ نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کیا کرو ان کو دھو کر وضو کیلئے دیا کرو کیونکہ جب اس نے نصیحت کی تھی اپنے کو اس شخص سے اچھا سمجھا تھا اور یہ کبر ہے اور اس کا علاج بھی دست ہے پس امر بالمعروف کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عین نصیحت کے وقت بھی یہ نہ سمجھے کہ میں اس شخص سے اچھا ہوں شاید اس پر کوئی کہے کہ صاحب ہم تو نماز پڑھتے ہیں اور دوسرا بے نمازی ہے اس سے تو اپنے کو اچھا ہی سمجھیں گے مسلمان اپنے کو کافر سے تو اچھا ہی جانتا ہے اس کے جواب کے دو درجے ہیں ایک ذوقی دوسرا عقلی۔ ذوقی کو تم کیا سمجھو گے جواب عقلی بتلاتا ہوں وہ یہ کہ العبرۃ للخواتیم تو افضل وہ ہے جس کا خاتمہ اچھا ہو اب کس کو پتہ ہے کہ بے نمازی کا خاتمہ اچھا ہوگا یا ہمارا اس وقت تو ہماری یہ حالت ہے ؎

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکیٔ ما ۔۔۔ گہ خندۂ زند دیو بر ناپاکیٔ ما
ایمان چو سلامت بلب گور برم ۔۔۔ احسنت بریں چستی و چالاکیٔ ما

بس بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ آدمی ایمان کے ساتھ مر جاوے جو معلوم نہیں کس طرح کافر کی حالت معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ اچھا ہوگا کس لیے کہ مرتے وقت وہ مسلمان ہو جاوے اور اس کا خاتمہ اچھا ہو جاوے پھر یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہو کہ تم ان سے اچھے ہو۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہیچ کافر را عوری مگیر ۔ کہ مسلمان بود شش باشد امید

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے نقل کیا تھا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک بچے کو خواب میں دیکھا جو ان کے پڑوس میں رہتا تھا اس کے مرنے کے بعد دیکھا کہ وہ جنت کے باغ میں سیر کر رہا ہے یہ اچھا لڑکا تھا یہاں کیسے ہو گیا مرتے وقت کلمہ پڑھ لیا تھا اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی یہاں لڑکے جی سے وہاں کل والے ہو گئے کیا معلوم کس کا خاتمہ کیسا ہو۔ ایک عابد نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے ساتھ ہو لیا اور ایک گنہگار فاجر فاسق اپنے دروازہ پر کھڑا رہا عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر بہت جی چاہتا تھا کہ ان کے ساتھ ہو لے مگر اپنی بدکاری پر نظر کرتے ہوئے ہمت نہ ہوتی تھی کہ آپ کے پاس آوے اپنے کو بہت ہی روکا آخر رہا نہ گیا اور ساتھ ہو لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو آگے سے پیش گئے اور اس جاہل عابد کمبخت متکبر نے اس کو بہت ستایا کہ تو ہمارے ساتھ کیسے ہو گیا اور دعا کی کہ اے اللہ مجھ کو آخرت میں بھی اس کو ساتھ جمع نہ کیجیو اور اس گنہگار نے بھی مغفرت کی دعا کی فوراً وحی آئی کہ دونوں کی دعا مقبول ہوئی اس نے تو اللھم اغفرلی کہا تھا اس کو ہم نے جنتی بنا دیا اور اس نے یہ دعا کی تھی کہ میرا اس کا آخرت میں ساتھ نہ ہو ہم نے اس کی بھی دعا قبول کی کہ دوزخ میں جائے گا تاکہ اس کا ساتھ نہ ہو اسی لیے ایک عارف فرماتے ہیں ؎

غافل مرو کہ مرکب میدان مردرا ۔ در سنگ لاخ بادیہ پے ہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ۔ ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ مومن مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے۔

غرض اس کا عقلی جواب یہی ہے کہ لعبرۃ لعموم ورخاتمہ کا حال معلوم نہیں کیا ہوگا کسی شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے میں نے کہا لعنت کی ایسے شخص کو اجازت ہے جس کو یہ یقین ہو کہ میں اس سے اچھا ہو کر مروں گا ورنہ وہ جبڑا دیگا کہ کہنے کا بھی مزہ تجھ لعنت کرنے کا خدا تجھ سے بچاوے کیا خبر اب تو اپنے کو بایزید سمجھتے ہو اور وہاں کہیں ہاتھ ہو کر یزید ہی رہ جاؤ اس لیئے شیوخ جب تک کسی کے اندر عجب و پندار نہ دیکھتے ہیں اس تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے منع کر دیتے ہیں پھر جب اہل ہو جاتا ہے اجازت دیتے ہیں سو اصل فرض تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی ہے مگر اس میں کبھی سے روک دیتے ہیں جیسے مریض کو دست بوٹی سے روکا جاتا ہے یہ اور مثال دیتا ہوں اس سے وہ ذاتی جواب سمجھنے کی بھی قدر قابلیت ہو جائیگی کسی قصبہ سے نہ سمجھ سکو مثلاً کسی شہزادہ نے کوئی جرم کیا ہو اور بادشاہ کی طرف سے کسی بھنگی کو حکم ہوا ہو کہ شاہزادہ کے ایک دھپ بید لگاؤ اور بادشاہ بھی عادل ہے ظالم نہیں اور یہ بے چارہ بھنگی ہے اور وہ شاہزادہ ہے اب وہ بھنگی باندھ کر بید لگاتا ہے کیا کرے شاہی حکم ہے گو بید مارتے ہوئے اس کی روح نکلتی ہو اب دیکھنا چاہیئے کہ ضارب تو بھنگی ہے اور مضروب شاہزادہ ہے مگر باوجود اس کے کیا یہ بھنگی بید لگانے کے وقت یہ سمجھ گا کہ میں اس سے افضل ہوں نہیں ہرگز نہیں اس کا تصور بھی اس کے ذہن میں نہ آوے گا مگر مجبوراً مارنا پڑتا ہے اگر نہ مارے تو مجرم بنے کیا کرے ہاتھ اٹھتا نہیں روح فنا ہوتی ہے حالت یہ ہے کہ بید تو مارتا ہے اس کی کمر پر مگر اپنے قلب پر بھی ڈرہ چل رہا ہے ذرا ہاتھ ڈھیلا ہوا اور بادشاہ نے کہا زور سے مار اب بیچارہ شرم کے مارے مرا جا رہا ہے مگر کرے کیا۔ ؎

چوں طبع خواہد ز من سلطان دیں ۔۔ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

جب یہ مثال سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو اگر کسی وقت مصلح کو حکم شرعی یہ ہو کہ

بے نمازی کو دھکا دے دیا ہے تو جیسے بھی بن نماز کے وقت اپنی حقیقت
دیکھ رہا ہے اسی طرح تو عارف ہو گا وہ بن نماز کے وقت یہ سمجھے گا کہ ممکن ہے
اس کا درجہ مجھ سے بڑھا ہوا ہو اور میں اس سے کم درجہ ہوں مگر حکم سے مجبور ہوں جب
آپ کو یہ درجہ حاصل ہو جائے اس وقت قابلیت ہوں گی بالمعروف کی اس سے ثابت
ہوا کہ شیخ کا امر بالمعروف سے کسی مرید کو منع کرنا بھی نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ
جیسے دوسرے کی اصلاح کے درپے ہوتے ہو اول اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے اور
تربیت کی فرصت نہ ہو تو یہ دونوں کام دوش بدوش ہوں مگر اس جمع کا طریقہ کسی بزرگ
سے پوچھ لو چاہے اس کے مرید مت ہو میں مرید ہونے کو نہیں کہتا بلکہ ان سے مشورہ
لینے کو کہتا ہوں کیوں کہ اس کی اونچ نیچ نشیب و فراز کو وہ خوب سمجھ سکتے ہیں جہاں
ان کا ذہن پہنچتا ہے وہاں تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہو گی پس جیسے کسی طبیب
سے نسخہ لکھوا لیتے ہو اسی طرح کسی شیخ سے پوچھ کر کام کرو۔ مرید تو نہ ہو مگر اس کے
اتباع کو ویسا ہی لازم سمجھو جیسے پیر کے حکم کو لازم سمجھتے ہو۔ غرض اصل ترتیب یہ
ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرو پھر دوسرے کی پھر دوسروں کی، اصلاح میں بھی پہلے اپنے
گھر کی اصلاح کرو پھر نوکر چاکر کی پھر اپنے ہم وطنوں کی پھر ان میں جو کافر ہوں ان کو
اسلام کی ترغیب دو ان کو اسلام کے محاسن سے مطلع کرو مگر طعن و تشنیع مت کرو
دیکھو اگر تم کسی کو حسین معشوق پر عاشق بنا رہے ہو اور دوسرے بدشکل دیدی سے اس
کو پھرانا چاہتے ہو اس کے دل میں جو ہوا ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں جاگزیں
ہے تو اول تو وہ تم سے جھگڑے گا اور اپنے معشوق کو اچھا کہے گا اس سے رنجیدہ نہ
ہو اور کچھ معارضہ نہ کرو بلکہ اس کو اپنے معشوق کی ادائیں دکھلاؤ جب وہ اس کی ادائیں
دیکھنے لگا تو فوراً کہے گا ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

وہ خودسی کے گاگہ سے میں نے کہاں اپنی عمر برباد کی۔ ایسے دلکش دربا معشوق کو چھوڑ کر کس چٹریل کے پیچھے میں نے اپنی جان کھپائی۔ صاحبو اسلام کی خوبیاں صاف صاف ہیں پھر باوجود سادگی کے دلکش ہیں متنبی شاعر کہتا ہے ؎

حسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ ٭ وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب

یعنی شہری معشوق کا حسن بناوٹی ہوتا ہے دیہاتی میں اصلی حسن ہوتا ہے اسی کے متعلق عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

دل فریبان نباتی ہمہ زیور بستند ٭ دبرماست کہ با حسن خداداد آمد

اور اسلام کا حسن خداداد اور دل کشی بھی یک بناہے

تبلیغ سے اہل حق کی یک درصد میں بے فکری کی اور یہ

یک راز ہے جو عامہ نہیں کہ اس کو بیان کروں کہیں لوگ اس سے امر بالمعروف میں وہ سستی نکالنے لگیں مگر اب میں نے سستی کی مذمت بیان کردی پھر اس راز کو کیوں چھپاؤں تب کہ اس سے اسلام کی جو بھلائی ہے وہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل باطل اپنے مذہب کے پھیلانے میں بڑی بڑی تدبیر کرتے ہیں مال سے جان سے۔ جاہ سے مگر حق اسی لیے رہتے ہیں اہل حق کثر ایسے بے فکر ہیں کہ اشاعت اسلام کو اپنا کام بھی نہیں سمجھتے بلکہ مدرسیاں کا کام سمجھتے ہیں کہ حضور آپ کی جائیداد سے ہمیں تو نفع سے مطلب ہے کہ ہم کو کھانے کو ملے تو بس کافی ہے باقی جائیداد کا انتظام خود آپ کیجئے چنانچہ آپ نے اللہ لک فطون فرمایا بھی ہے

اس کا حاصل اس کی یہ ہے کہ اہل باطل اپنے مذہب کو جانتے ہیں اور اس لیے سمجھتے ہیں کہ مدد علمی تو ہوگی نہیں ہم بھی اگر کوشش نہ کریں گے تو مذہب ہی مٹ جاوے گا اہل حق اسلام کو حق سمجھ کر تائید حق کا یقین رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بدون ہماری کوشش کے بھی اس کی ترقی ہوگی سو اس اصل کے اعتقاد میں تو کوئی سلامت نہیں

ہے اس میں غلو کر دیا کہ جتنی کوشش کا حکم ہے اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ قرآن مجید کے حفظ کرنے کو تو جو کہ ایک فرد ہے حفاظت قرآن کی طرح خدا کے تو نہ کیا بلکہ تین تین چار چار سپارے یاد کرتے ہیں۔ پھر بھی دور کرتے رہتے ہیں اور اسلام کی حفاظت کو اس طرح خدا کے حوالے کیا کہ ذرا سعی نہیں کرتے۔ اگر قرآن مجید کے متعلق کوئی ان سے سوال کرے کہ میاں قرآن کا بھی تو خدا حافظ ہے پھر تم یاد کیوں کرتے ہو؟ تو وہاں جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی تو خدا کی حفاظت ہے کہ ہم کو حکم دیتا ہے کہ ہم یاد کریں اور اس ذریعہ سے اس کو قائم رکھیں۔ سو ایسا ہی اسلام کے متعلق معاملہ ہونا چاہیے کہ یہ بھی خدا کی حفاظت ہے کہ ہم کو حکم دے دیا کہ اسلام کی خدمت کریں اور اسلام کو قائم رکھیں مگر ہم یہاں یہ بھاری غلطی کی کہ حفاظت و اشاعت اسلام سے بالکل بے فکر ہو گئے اور قریب قریب جتنے اہل حق ہیں سب ہی بے فکر ہیں اور گو اس بے فکری کا راز اصل میں یہی ہے کہ اسلام کا حسن ہی ایسا ہے کہ جو کوئی اس کو نظر انصاف سے دیکھے گا وہ اس کی طرف خود ہی مائل ہو جاوے گا کسی کے بدلنے کی ضرورت نہیں بقول حافظ شیرازی ؎

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست ۔۔ بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

سو اس کو تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ آب و رنگ خال و خط اسلام میں خود ہی بہت کچھ ہے اور ضرور ہے۔ مگر اتنا تو کرنا تمہارا کام ہے کہ کسی آنکھ بند کرنیوالے کی آنکھ کھولدو۔ اسے ایک دفعہ اس کا چہرہ دکھا دو پھر یہ اپنا کام خود ہی کرلے گا گو جن لوگوں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا ان پر بھی اس کا قبول کرنا اس لیئے فرض ہو گیا ہے کہ وہ دیکھ سکتے ہیں اور یہ نہ دیکھیں تو ایسوں نے دیکھ لیا ہے جن کا دیکھنا ان پر حجت ہے لیکن اگر ان کو بھی دکھا دو تو ان کا یہ جہل رفع ہو جاوے گا کہ ہم نے تو دیکھا ہی نہیں اس لیئے ہم مکلف نہیں۔

جیسے کوئی ڈوم تھا اس نے سنا تھا کہ چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے اس نے رمضان کا مہینہ آتے ہی گھر میں ایک پاخانہ کا برتن رکھ لیا وہاں ہی بیٹھ رہتا تھا کہ مبادا

گھر سے نکلے تو کہیں چاند نظر نہ آجاوے پھر روزہ فرض ہو جاوے گا دو چار دن تو عورت نے خدمت کی پھر ہاتھ پکڑ کر کہا رکل۔ کہاں کی رکل کہاں بھاڑ سا آمدنی آدمی اور میں اس کا کوہ موت صاف کروں جا کل اب جنگل یا مجوزیر جا کبھی شہر میں کوئی دن سہی میں منہ دھو کر کھا دوں گا چاند نظر پڑ جائے اب جو وہ جنگل میں پانا نہ کر کے تمام دن خدمت کرتے گیا تو رات میں چاند نظر آیا اب چاند سے لپٹا گئے گھس جا آنکھوں میں کر دے روجا فرج ہم تو دیکھتے نہیں تو آنکھوں میں گھسا آتا ہے۔ سنگ آمد سخت کا مضمون کے غرض چاند کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ اس کے نور کو کوئی دھلا دے مگر جو شخص جہل سے آنکھ نیچے کئے ہوئے ہے جہل رفع کرنے کیلئے ذرا اس کی آنکھ تو اوپر کو کرو۔ بس یہ حاصل ہے سراپا معروف کی حقیقت کا کہ جو کوئی اسلام کا حسن دیکھنا چاہے یا آنکھیں میچی ہوئی ہیں کہ نہ دیکھے اس کو دکھلا دینا چاہئے اب میں اسلام کی کچھ خوبیاں بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں لوگوں نے آجکل ایک بڑی غلطی کی ہے اسی غلطی پر تنبیہ کرنے سے اسلام کا حسن عیاں ہو جاوے گا وہ غلطی یہ کی ہے کہ جیسے آجکل سب چیزوں کا ست نکال جاتا ہے اسی طرح لوگوں نے اسلام کا بھی ست نکالا ہے حکم تو یہ ہے ادخلوا فی السلم کافۃ کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور لوگوں نے اس کا خلاصہ نکالا تو اب اسلام صرف نماز روزہ حج زکوٰۃ کا نام رہ گیا اور باقی احکام معاملات و عقائد و معاشرت و اخلاق کو کالخارج کر دیا گویا وہ اسلام میں داخل ہی نہیں چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نماز تو پڑھ لیتے ہیں مگر عقائد کی فکر نہیں کہ موافق شرع کے ہیں یا نہیں۔ بعضوں کے ایسے عقائد ہیں کہ کفر تک نوبت پہنچتی ہے اس کی کسی کو فکر نہیں اسی طرح معاملات کا حال ہے بلکہ اس کو تو عقائد سے بھی زیادہ دین سے بے تعلق سمجھتے ہیں وہیں اس کی یہ ہے کہ جب کسی بیع وغیرہ کا مسودہ لکھواتے ہیں تو وکیل کو تو دکھلاتے ہیں کہ یہ قانون کے موافق ہے یا مخالف مگر کبھی کسی کو یہ بھی کرتے دیکھا ہے کہ اس نے کسی عالم سے پوچھا ہو کہ یہ مسودہ شرع کے

موافق ہے یا نہیں اگر یہ کہو کہ صاحب اگر کسی عالم کو دکھائیں تو جیسے وہ بتلا دیں گے وہ قطعاً قانون کے موافق نہ ہوگا پھر یہ مسودہ کس کام کا رہے گا تو یہ عذر محض غلط ہے جب تم نے تو کسی عالم کو دکھلایا ہی نہیں بتلیں کیا خبر کہ وہ شریعت اور قانون کو جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کبھی ایسی مشکل پڑے تو کسی محقق عالم سے پوچھو جب شریعت اور قانون میں مخالفت ہوگی، وہ تفصیل وار حکم بتلا دے گا جو اکثر صورتوں میں قانون کے بھی موافق ہوگا بشرطیکہ وہ فعل کھلم کھلا خلاف شریعت نہ ہو۔ یہ نہیں کہ زنا چوری کو بھی شریعت جائز کر دیتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جائز معاملات کی صورت عام اکثر ایسی بتلا دیں گے کہ قانون کے بھی خلاف نہ ہوگی بہرحال پوچھنے ہی سے تو اس کا پتہ لگے گا لیکن معاملات کو تو دین میں داخل سمجھتے ہی نہیں آجکل لوگوں کے زعم میں یہ باطل یا فاسد کرنے سے تو دین نہیں جاتا بلکہ نماز روزہ نہ کرنے سے جاتا رہتا ہے۔

اسی طرح یہ سمجھ لیا ہے کہ معاملات و معاشرات کا دین سے کچھ علاقہ ہی نہیں کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ بلا ٹکٹ کے ریل کا سفر کرنا گناہ ہے خیر ایسے لوگ تو کچھ کم بھی ہیں مگر نیدہ سر کے بجائے بیس سر ہلانے والے تو بہت ہی کثرت سے ہیں۔ اس کی پروا ہی نہیں۔

اجزائے اسلام | غرض لوگوں نے شریعت کا خلاصہ نکالا۔ حالانکہ وہ درحقیقت حماقت ہے اسلام کامل مکمل اور بہت مفصل مکمل قانون ہے جس کا خلاصہ ہو ہی نہیں سکتا اب اس کے مفصل مکمل ہونے کو ثابت کرنے کیلئے بتلاتا ہوں کہ اس کے کتنے اجزاء ہیں سو سمجھو کہ اس کے یہ اجزاء ہیں ایک عقائد دوسرے دیانات جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ تیسرے معاملات جیسے بیع وغیرہ چوتھے معاشرت یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کس طرح ملنا جلنا چاہیے کیا برتاؤ رکھنا چاہیے۔ سب کے حقوق واجبہ کا بیٹے کے خاص حقوق ہیں رعیت کے خاص حقوق ہیں حاکم کے خاص حقوق ہیں پڑوس کے خاص حقوق ہیں۔ پانچویں اخلاق باطنی جیسے صبر شکر زہد توکل محبت حق تفویض تسلیم

رضا مرتبہ موت مرتبہ حساب یہ عناصر ہیں جن کو خلق کہتے ہیں تو شریعت کے پانچ اجزا ہوئے اب ان پانچ چیزوں میں سے ایک ایک کو دیکھو ان کے اندر کیسی کیسی خوبیاں ہیں ایک مشترک خوبی تو یہی ہے جس سے نجات آخرت حاصل ہوتی ہے مگر اس کے علاوہ ہر ایک میں خاص خاص خوبیاں بھی ہیں جن کا دنیوی مصالح پر بھی اثر پڑتا ہے اب ان کو الگ الگ سمجھو۔

فوائد توحید | چنانچہ پہلا جزو عقائد کا ہے اس میں خوبیوں کو دیکھو کہ اسلام کا بہت بڑا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کو وحدہ لاشریک جانے۔ یعنی تمام کائنات عالم قدرت وغیرہ میں وہ یکتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے کوئی چیز خالی نہیں۔ قدرت ایسی ہے کہ کوئی ممکن نہیں [illegible] یہ عقیدہ [illegible] سے [illegible] اس کا معاملہ [illegible] ہے [illegible] ایک کو [illegible] طرح سے [illegible] اس [illegible] میں [illegible] محبت و عظمت ہوگی [illegible] محبت ہوگی یوں کہ [illegible] میں [illegible] محبت زیادہ ہوتی ہے [illegible] جہاں کے قریب قریب بھی نہیں جب کسی کے قلب میں خدا تعالیٰ کی ہیبت و محبت ہوگی تو کسی شخص کو یہ جرأت نہ ہوگی وہ کسی کا حق تلف کرے گا کیوں کر ڈرے گا کہ خدا راضی ہوگا۔ ادھر تو محبت کا تقاضا محبوب کو راضی رکھنا ہے ادھر ہیبت کے سبب اس کی مخالفت کرتے ہوئے جان نکلے گی۔ قطع نظر دوزخ جنت کے خوف و طمع کے محض اللہ تعالیٰ کی یہ محبت و ہیبت پیدا ہو جائے تو ایسا شخص ہرگز مخالفت نہیں کرسکتا چنانچہ حدیث میں ایک صحابی کی بابت آپ فرماتے ہیں کہ اگر ان کو خدا کا خوف بھی نہ ہو تو بھی نافرمانی نہ کرے گا وہ کیا چیز ہے جو نافرمانی نہ کرنے دے گی؟ وہ محبت ہی تو ہے۔ دیکھئے خود اس عقیدے کے بعد جو شخص خدا کے ساتھ یہ عقیدہ رکھے گا کیا وہ کبھی اس کی نافرمانی کرے گا ہرگز نہیں برخلاف اسکے جو

کوئی حاکم دنیا ہی سے خائف ہو وہ جرأت سے تماشہ نہیں کرے گا۔ کیوں کہ دنیا کا حاکم ہر وقت سامنے نہیں اگر پیٹھ پیچھے کچھ کرے تو اس کو خبر بھی نہ ہو گی مثلاً کسی کے پاس کوئی خط آیا اس وقت اس کے سامنے کوئی پولیس کا آدمی بھی نہیں ہے اور لفافہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ٹکٹ پر مہر نہیں پڑی بالکل سادہ صاف ہے تو اب دو قسم کے لوگ ہیں، ایک تو وہ جن کو خدا کا خوف یا اس سے محبت ہے اور ایک وہ جس کو خوفِ خدا نہیں ایسے شخص کو اس وقت کوئی قوت روکنے والی نہیں ہے کہ وہ پھر اس سے کام نہ لے اور یہ جرم ہے جس میں ڈاکخانہ کا نقصان ہے گو کم ہی ہو مگر خبر یہی ہے کہ یک پائی کی خیانت بھی خیانت ہی ہے بخلاف اس شخص کے جس کو خوفِ خدا ہے وہ اس پر ہرگز جرأت نہیں کر سکتا کہ اس ٹکٹ سے بغیر کام لے گو کسی کو اس کی خبر نہ ہو کوئی اس کو دیکھ نہ رہا ہو مگر مالک حقیقی کو تو خبر ہے اس لیئے وہ خط پڑھنے سے پہلے اس ٹکٹ کو چاک کر دیگا۔ دیکھئے یہ دنیا کا نفع ہوا یا حکومت کو یا نہیں؟ اور یہ محض اسلئے کہ اس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ ہم میں ہیں اسی طرح ہر مقام میں بھی کامل ہیں۔

اور دیکھو فرض کرو کہ تم ریل میں جا رہے ہو یک بیک پتہ چلا۔ یتیم جس کے ساتھ کوئی نہیں اور ایک ہزار کا نوٹ اس کے پاس ہے اس نے کہا ہم کو فلاں جگہ پہونچا دو۔ راستہ میں تعلق سے وہ مر گیا اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پاس اتنے روپے ہیں نہ ریل والے جانتے ہیں اور نہ کسی مسافر کو خبر ہے اور نہ ہم کو اس کی جان پہچان ہے صرف اتنا جانتے ہیں کہ فلاں جگہ جانیوالا ہے غسل دینے کے وقت جو پہلا کپڑا اس کے بدن سے نکالا تو جیب سے ہزار کا نوٹ نکلا اب کسی کو خبر بھی نہیں اور تم حاجتمند بھی ہو کہ دس ہزار کے قرضدار بھی ہو جس میں جائداد نیلام ہونیوالی ہے آبرو پر بن رہی ہے۔ فرمائیے کوئی قوت ہے اس وقت اس نوٹ کے لینے سے روکنے والی۔ اب خیال کیجئے کہ ایک تو دہری ہے جو خدا کا قائل نہیں اور اس کو ایسا موقع پیش آوے وہ تو یقیناً سب روپیہ دبا لے گا۔ ایک وہ ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہے وہ اس یتیم بچہ کے بتلائے ہوئے موقع پر جاوے گا اور اس کے ورثہ

کو تلاش کرکے یہ رویہ سے دھصہ رسد بانٹ دیگا اگر وہاں کوئی نہ ملے تو اسمیں لقطہ کے احکام جاری کرے گا دیکھئے یہ کیسا پاکیزہ عقیدہ ہے جس نے ایک حاکم کو ظلم سے بچایا یہ اسی عقیدہ کی بدولت ہو کہ خداوند کریم ہمارے علم و قدرت میں۔

برکاتِ تقدیر اور اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند کریم نے جس چیز کو جسطرح مقدر کیا اسی طرح ہوگا اس کی برکت اور نافع ہونیکو خیال فرمائیے اس کا بیان یہ ہے کہ بڑھاپے کی نیچ انسان کا جو اصلی مقصود ہے راحت ہے کہتے ہیں اسی لیئے کہ راحت ہوا وہ دکی تمنا کرتا ہے اس لیے تاکہ راحت ہو دولت جاہ سے ہی مطلوب راحت ہی ہے۔ مکان بناتا ہے راحت ہی کیلئے غرض مطلوب ہر چیز میں راحت ہی ہے اب اس تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں کوئی نا قابل تدارک مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اب دیکھنا چاہیئے کہ اس کی راحت کا کوئی سامان اس کے پاس ہے نہیں ہرگز نہیں مگر میں دعوی سے کہتا ہوں کہ اسلام کے پاس اس کی راحت کا سامان موجود ہے وہ وہی عقیدہ تقدیر ہے بغیر اس عقیدہ کے بندوں کو راحت ہرگز میسر نہیں ہو سکتی اور یہ عقیدہ اسلام کے سوا کسی کے پاس نہیں کہ ہر چیز تقدیر کے موافق ہوتی ہے اس کا جو ایمان ہو جاوے اور اس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو عمر بھر مصیبت میں مبتلا رہتا ہے اس کا علاج کسی طرح کرتا تو نہ مرتا جائے اس کا پرہیز کسی طرح نہ ہوا اگر طبیب کے پاس جانا تو ٹھیک ہو جاتا یہ تو منکر عقیدہ تقدیر کی حالت ہوگی اور ایک وہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز تقدیر کے موافق ہوتی ہے اس میں حکمت ہوتی ہے اگر اس کا کوئی ایسا ہی مریض ہو جاوے تو اس کو رنج فعلی تو ہوگا اور وسوسہ کے طور پر اگر اس کو یہ خیال بھی ہو کہ دوا میں غلطی ہو گئی تو تھوڑی ہی دیر کے بعد مدّ پھر وہ اسی سے تسلی حاصل کریگا کہ یہ بات بھی تقدیر ہی میں تھی کہ دوا میں غلطی ہو جائے اول اول تو اسے ضرور حزن تھا مگر تعلیق کے ساتھ تھا پھر بعد چندے وہ بھی زائل ہو گیا بخلاف دہری شخص کے وہ تو تمام عمر ہی غم و الم میں گھلتا رہے گا تو دیکھئے مسئلہ تقدیر کا دنیوی بھی کتنا بڑا نفع عظیم ہے

اور حق تعالیٰ نے بھی اس حکمت کو بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ما اصاب من مصیبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبرأها ان ذلك على الله يسير لكيلا تاسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما اتاكم والله لا يحب كل مختال فخور یہ کام کی ایک مقدر کے متعلق ہے جس پر پہلا جملہ دال ہے اور دوسرا جملہ لکیلا تاسوا یعنی ہم نے مسئلہ تقدیر کو اس لیئے بیان کیا تاکہ تم کو رنج و ہوا و ہوس پر اور نہ ترقی و سامانی پر یہ تو مصیبت کا ذکر تھا۔ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جو مسئلہ تقدیر کے معتقد نہیں ان کو نعمت میں بھی راحت نہیں ہے کیونکہ اس کے دل میں طمع حرص بہت ہوتی ہے اس کو حق بھی ملے اس قدر اس کی حرص بڑھتی ہے اور ترقی ہو ایک گاؤں کا مالک ہو تو دس میں حرکت ہوتی ہے ایک گاؤں دو میں جاوے اسی طرح اس کا انتہا ہی نہیں ہے کہیں ٹھہر چین نہیں لیتے پاتا ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اور بڑھتا ہے اور جو تقدیر کا قائل ہے وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا جتنا بھی ملا یہ کافی ہے جو کچھ میری تقدیر میں تھا اور بھی کچھ اگر تقدیر میں ہوگا وہ بھی ملے گا اور وقت پر ہوگا گو ظاہر میں نفس مطمئن نہیں ہے مگر کوئی فکر و پریشانی نہیں ہے۔

ان کے چین کا حال کیا بیان کروں حضرت شیخ عبدالقادر کو ملک خیروز کے بادشاہ سنجر نے لکھا تھا کہ آپ کی خانقاہ کیئے میں ملک خیروز کا ایک مقدمہ بڑا تعلق دینا چاہتا ہوں آپ نے جواب میں یہ تحریر فرمایا ہے

چوں چتر سنجری رنا بختم سیاہ باد ۔۔ در دل ہوا گر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک تیم شب ۔۔ من ملک خیروز بیک جو نمیخرم

یعنی میرے دل میں اگر ملک خیروز کی ہوس ہو تو میرا چہرہ سنجری چتر کیطرح سیاہ ہو جائے اس وقت ان سلاطین کا چتر سیاہ ہوتا ہے، اور فرمایا ہے

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک تیم شب ۔۔ من ملک خیروز بیک جو نمیخرم

جب سے مجھے یہ [illegible] اس نے میرے دل کی کوئی حقیقت نہیں رہنے دی
[illegible] کہ [illegible] سلطنت [illegible] سے [illegible] گا
صاحبو! [illegible] مسئلہ تقدیر کی [illegible] وہ جانتے تھے [illegible]
وہ کسے [illegible] اس [illegible] کی ضرورت پڑتی ہے اور
واقعی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو [illegible] وہ ضرور ملتے ہے اور جو تقدیر میں نہیں وہ
تدبیر سے بھی [illegible] ہوتا ہے [illegible] حوادث ہوں کو بھی مسترد نہیں، اور مسلمان
اس عقیدہ [illegible] سے طرح نہیں ہوتا [illegible] بیان ہوا اس طرح اس کو کسی سے [illegible]
بھی نہیں ہوتا [illegible] نہیں لگاتے کیوں کہ ان کا عقیدہ یہ ہے
[illegible] کہ [illegible] بدلہ [illegible] حکم پروردگار کو ٹیکنیک نہیں [illegible]
سکتا اور اگر [illegible] ہے [illegible] حضرت علی [illegible] صفین کی [illegible]
میدان میں گھوڑے [illegible] [illegible] سے [illegible] کیا حضرت [illegible] میدان [illegible]
گردنیں گیند کیطرح [illegible] کہ [illegible] کے جواب دیا ہے

ای یوم من موت افر ۔ یوم لا یقدر او یوم قدر

فرمایا کونسی [illegible] موت سے بھاگوں یا تو مقدر دن میں یا غیر مقدر دن میں ہے

یوم لا یقدر لا یرانی القضا ۔ یوم قد قدر لا ینجی الحذر

ہے کوئی ایسا شخص [illegible] میدان جنگ میں [illegible] کو ایسی شان سے دکھا سکے؟ یہ حضرت علی
ہی کی ہمت ہے [illegible] ان کے غلاموں کی [illegible] یہ ہمت و جرأت کہاں سے ہے؟ اسی عقیدہ
کی بدولت، اسی کو فرماتے ہیں ہے

موحد بر پائے ریزی زرش ۔ چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد ز کس ۔ ہمیں ست بنیاد توحید و بس

اور اگر کسی مقدر تقدیر میں [illegible] قوت نہ پائی جاوے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ خود اس اعتقاد

میں تنگی ہی کمی ہوگی خواہ جزم کی کمی ہو تو وہ تلفظ میں کمی ہو یہ تو ٹرسے درجہ والوں کی باتیں ہیں۔

اب میں اپنی ساتھ نمونہ دکھاتا ہوں جس سے تو مل جل کر بیان میں گو اس نمونہ کو بیان کرتے ہوئے شرم بھی آتی ہے کیوں کہ صورت دعوی کی سی ہے مگر حاشا وکلا یہ مقصود دعوی نہیں ہے صرف ایک نمونہ دکھانا ہے میرے پاس ایک رئیس کا خط آیا تھا کہ میں تمہارے مدرسہ کیلئے دو سو روپیہ بھیجتا ہوں اور میں نے تو کہلا دیا تھا میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور یہ لکھا کہ آپ روپے بھیج کر مجھ کو متاثر نہیں چاہتے میں روپیہ اپنے پاس رکھئے اور اب بلانے کی تحریک کیجئے لوگوں کو خواہ مخواہ اتنی بڑی رقم کو کیوں واپس کر دی۔ مدرسہ کا کوئی کام نکل جاتا میں نے کہا کہ مدرسہ کی تدبیر کا سے تو یہ دیکھا جائے گا پھر منی آرڈر آیا و معذرت کی کہ میری غلطی ہوئی یہ رقم مدرسہ کو دیتا ہوں اور بلا کی دعوت کو واپس لیتا ہوں میں نے کہا دیکھو بھائی آپ کی تدبیر سے اب مجھ کو آپ کے ملنے کا اشتیاق ہو گیا پھر مدت کے بعد انہوں نے بلا بھیجا کہ اب بتلائیے روپے آنے والے تھے ٹالنے سے بھی ٹلے کیا کوئی ایسا تدبیر ایسا کر سکتا ہے؟ اور ایک جگہ سے پانچ روپے آنے اور لکھا کہ غلبہ سے میرے واسطے دعا کرو۔ میں نے واپس کر دیا اور لکھا کہ یہاں دعا کی کوئی دکان نہیں ہے پھر اس نے لکھا میں دعا نہیں چاہتا اور معذرت کے ساتھ روپیہ پھر بھیجا ہم نے لے لیا اور لکھ دیا کہ آپ کے واسطے خاص طور پر دعا بھی کی گئی مگر تمہیں حق نہیں ہے کہ روپیہ دیکر دعائی درخواست کرو تم کو تو برعکس ہمارے لئے دعا کرنا چاہیئے کہ تمہارے رقم ہم نے لے لی اور تمہاری طرف سے کافر ہیں نکالی قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و سیرا انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا اس میں مخلصین کی حالت بیان فرما کر یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کھانا کھلا کر یہ کہو کہ نہ ہم اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ جس میں دعا بھی داخل ہے بلکہ اللہ واسطے

حدیث کی رو سے کہتے ہیں رقم دے کر دعا کی درخواست کرنا ایک قسم کا ہدیہ لینا ہے پس ادب یہ ہے کہ دیے دلائے سے دعا بھی نہ طلب کرے گے اس کا فعل ہے جو وہ چاہے دعا کرے اور جو چاہے نہ کرے اور پھر اس کیلئے دعا کرے کہ اللہ [illegible] سے [illegible] لکا دیا [illegible] ہو مجذوب کا بیان دیتے ہیں اور پھر لوگ ان کے پیچھے پیچھے [illegible] کہ وہ پیچھا نہ چھوڑے گا ان بھی نہیں دیتے بلکہ قسم لے لیتے ہیں [illegible] سے کو مدرسہ ہی کیلئے دی ہو اصل میں [illegible] سے ہی [illegible] کے مدرسہ کیلئے کہیں سے روپیہ آتا ہے تو [illegible] کا حصہ [illegible] سے [illegible] کا [illegible] اس کی رقم کو [illegible] لگا دیا یہ شکر یہ بھی قرض [illegible] کے لئے میں [illegible] میں لگا دیئے [illegible]

[illegible] ایک [illegible] ایک شخص کی حکایت ہے وہ ہر جاکر [illegible] مسجد کے نام سے [illegible] جاکر چندہ کرتا اور کہتا کہ وہ تو مسجد میں لگا دیئے اور دو ایک [illegible] سے کہا رے خدا سے بھی ڈر کہ مسجد کے نام سے مانگ مانگ کر [illegible] خود ہی ہضم کر لیتا ہے اور جھوٹ موٹ کہتا ہے کہ میں نے مسجد میں لگا دیئے۔ کہا خدا کی قسم میں مسجد میں لگاتا ہوں تو آپ میرے ساتھ دیکھ لگاتا ہوں یا نہیں بس اگر کہا کہ سب روپے کو مسجد سے [illegible] سے رگڑ کر پھر گھر لے گیا تو یہ بھی ایک قسم کا لگانا ہے مگر چونکہ روپیہ مدرسہ کو سطرح لگایا ہے تو اللہ پورا شکریہ ادا کرتا آپ کے ذمہ ہے

اور اس لگانے کی تاویل پر ایک اور حکایت یاد آگئی ایک قصبہ میں ایک شخص تھا ایک تہجد گزار وہ دودھ میں پانی ملا کر بیچتا تھا دوستوں کہا جاتا تھا کہ میں دودھ میں پانی نہیں ملاتا ایک شخص نے کہا ارے جھوٹی قسم کیسے کھاتا ہے؟ کہا جھوٹ کہاں میں تو پانی میں دودھ ملاتا ہوں دودھ میں پانی نہیں ملاتا یعنی وہ یہ کرتا تھا کہ پہلے سے برتن میں

بانی کو الگ کرکے دودھ چھوڑ دیتا ہے تاکہ قسم کھا سکے تو بلیغ سے بھی متقی میں خدا عدالت کرے ایسے متقیوں کو اصلاح کرے گا۔ کامل صلاح تو ہوں گر سے جیدہ دینے والے ہوں وہ ضد و تنکر یا اکریں ہیں تو اس کی ہدایت نہیں تو لوگ جیدہ کے کرشمہ رہتے ہیں مجھ تو ان پر شب ہوتا ہے کہ کہیں ہموں نے ہیں تو سمجھیں کیا کہا یا تو نہیں ؟ ورنہ تنکر کیوں کرتے ہو ملکہ ان سے تنکر بنا چاہیئے۔ یہ سر خاکسار یا ۱۲ جامع)

اصل بات یہ ہے کہ بعض مدعیان علم کو عزت نہیں دی جاتی کی عوام کی نوشامد کرتے ہیں تو ہمیں ہمارے تو اسکی عبادت کو تو دس دفعہ جائیں گے و ہمارے کو پوچھتے بھی نہیں۔

ایک مرتبہ ایک ہمارے مدرسہ میں [illegible] بلکہ اس شرط کے ساتھ کہ ایک مسجد شہر کے سامنے قبر [illegible] کو ہم نے بلایا [illegible] ستاویز پر سب شہر کے دستخط کرا دو اور اس تحریر کی یہ شرط تھی کہ اس رقم کی کسی سے دعویت کی تھی اور گورنمنٹ کو اس کا مگر اس سیاست کی بھی کوئی علیحدہ حساب داخل کرنا ضروری تھا ہم نے کہا ہم بسی مشروط رقم نہیں لیتے پھر انہوں نے بھی ہر مہینہ میں دو دفعہ وجہ مجبوری کی لکھی میں نے جواب دیا کہ ہم تو ایسا نہیں کرتے ہیں۔ میں وہ رقم نہ بھیجئے انہوں نے پھر لکھا چھاؤنی کے کسی مجسٹریٹ ہی کے دستخط کرا دو میں نے جواب دیا کہ مجسٹریٹ تو خود ہمارے دروازہ پر آسکتے ہیں مگر مجھے عزت آتی ہے کہ روپے کیلئے مجسٹریٹ سے التجا کروں پھر خط آیا کہ چھاؤنی مدرسہ کے دو آدمیوں کے بھی دستخط کرا دیجئے ہم نے کہا ہاں دو سنگوٹ سپاہیوں کے دستخط کرا دیں گے بالآخر وہ اس شرط سے دست بردار ہوئے اور بدوں کسی شرط کے انہوں نے روپیہ بھیج دیا جس روز یہ روپیہ آیا اتفاق سے ایک ڈپٹی کلکٹر اور ایک جج میرے مہمان تھے میں نے ان کے دستخط کر دیئے تو دونوں کی شرطیں پوری ہوگئیں ہاں کی بھی اور ان کی بھی۔ صاحبو! خدا سے تعلق پیدا کرو خدا کی قسم

عنصر ۵ ۵ ۵ ۵ ۵

[illegible] ہے [illegible] ہوگی [illegible] کہ دریا کی [illegible] کہ [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے

وجعلنا لكم نورا تمشون به في الناس (آیۃ) کہ پہلے تو یک سرہ تھا اب اس کو یک نوعتا ہو گیا جہاں جاتا ہے وہی نور رہبری کرتا ہے یہ نور کیا ہے وہی عقیدۂ توحید و تقدیر ہے حضرت تیر نے فرماتے ہیں ؎

گر گرفت رسد رفیق ... رفت رسد رفیق

رفتہ دل خدمت تمن دوست ... کہ دل مرد در رکاب دوست

اور تصرف مقبول ہوا ہے ؎

بستہ ام تمام عقد دوست ... مسرور ہر کہ در جہان دوست

ہر گروں کی شامیں

[redacted]

[redacted] کو ایک [redacted] ہو گا یہ ان [redacted] مگر اس [redacted] یہ ہمیں کہ یہ [redacted] ہو گئے اب وہ دونوں ہی [redacted] گئے اور [redacted] کر لیے ہیں لیں گے اچھا ہمیں رہنے دیا کہ ہاں یہ نامکمل ہو گئی مگر وہ بزرگ [redacted] کے ولیا ہی ایک دھپ مار کر پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے یہ دوسرے کے پاس گئے اس کو بھی ایک دھپ لگایا وہ کچھ نہ بولے یہ سمجھے ہیں ہمیں ہے تیسری بگڑ گئے وہاں بھی یہی حرکت کی وہ اٹھے اور اس کے ہاتھ پکڑ کر سیدھا شروع کیا [redacted] تمہارے بہت چوٹ لگی ہو گی کسقدر تکلیف ہوئی ہو گی۔ یہ پہلے پاس آئے ہیں سمجھے بھی کیا دیکھا؟ کہا آپ سمجھائیے۔ فرمایا کہ پہلا شخص تو شریعت کے ضروری درجہ پر ہے اس نے جز دسیئۃ سیئۃ مثلہا پر عمل کیا اس لیے اس نے صرف ایک دھپ پر اکتفا کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس پر بھی عمل نہیں کرتے انہوں نے اس قدر مساوات برتی

کہ اس سے یہ پوچھا بھی تو نہیں گیا کہ تو کون ہے کیوں آیا ہے کیوں کر دھرے بھی اس نے تو صرف مار ہی کھانا سیکھا ہو۔ نہیں تھا۔ یہ نے کل صرف رونے پر اکتفا کیا اور دوسرا صاحب طریقت کے بس شریعت کے کامل درجہ پر اس کو یہ واقعہ پیش نظر ہو گیا کہ ؎

زاہد ذلف صف دشمن ورد است : کر ہمہ مردود و تصرف اوست

اس کا یہ مرتبہ سمجھ ہو چکا تھا سمجھ کر اس نے نہیں مارا یہ کون ہوتا ہے مارنیوالا جو کچھ ہے تو ہے ہی ہے یہ تو ایک پردہ ہے اس کی کیا بس ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کر سکے ؎

قال الجدار وما تدری تقتلنی : قتل لو تدری نظرانی من یدقنی

اور تیسرا شخص نہایت کامل درجہ پر تھا یعنی وہاں سے بڑھ کر یہ تھا کہ اللہ میں [illegible] کمال نہایت کا ہے جب اس سے ترقی کر کے [illegible] کو پہنچ جاتا ہے وہ ہو سکے [illegible] ہوتے ہیں مگر بعض با خلاق کریمہ کے رنگ پر اور صفات کاملہ کے تابع ہونے کے لیے اس کو بعد نہایت سے رجوع فرمایا کہ اس کو تکلیف ہوگی اس سے [illegible] نہایت کا تقاضا کیا۔ شیخ سعدی نے سچ ہی فرمایا ہے کہ کسی سفر کے ہوتے میں سنا تھا اس سے ایک دیہاتی کے سر میں بیس روپے مار کر وہ لوٹ گیا ظاہر ہے مرکا یہاں [illegible] وہ کہا شیخ سے ایک دیہاتی پیش ہوا کہ میرا سر تو ویسے ہی جڑ جائیگا مگر تمہارا [illegible] ہوں نے درست نہ ہوگا ان دونوں سے اس کو دست کر لیا ت و لعات و ہوں پر اس عقیدہ ہی کا غلبہ تھا جس کے یہ تابع تھے علاوہ قسم ان عقیدوں سے سارے عالم سے ہے اس کر دیا ہے اس کی بدولت [illegible] کو کسی [illegible] سے سبحان اللہ

اپنا ہی غم

ذریعے سلام کا عقیدہ ہے جڑ دو نہ کا [illegible] یہ [illegible] ہے اور ہی کرے سے سنر ہوگی اس عقیدہ میں بھی [illegible] ہیں اگر کسی کو محبت نہ ہو ہیبت و عظمت کا بھی خوف نہ ہو تب بھی یہ بہت جرم سے محض [illegible] کے خوف سے بچے گا اور ہیئے ایک سزا کی عقیدہ ہے [illegible] ملحوظ ہے اس سے عجب و پندار کی جڑ کاٹ دی کسی

بات پر نازاں نہیں کر سکتے اس سے واضح بدیہی ہوں گے کہ ہر مسلمان کو اس بات پر نازاں ہونا چاہئے گی کیوں کہ یہ محض سعادت علمی سے نہیں بلکہ حقیقی سلاف و ایمان میں بلند تامل سے کی خبر ہی معلوم ہوتی ہے اسلام نے اس توضیح کو بلا رمعوق کو سماں قوت سے کیا ہے اس کو ایسے غم میں کا دیا ہے معلوم خدا کے عاقبت کیا ہوتی ہے یہ شخص کسی پر ظلم کرے گا کسی کی جیت میں مبتلا ہوگا ہے وہ اپنے ہی غم میں مبتلا رہے گا ایسے ہی شخص کے باب میں مولانا فرماتے ہیں ؎

خود چہ جائے جنگ وجدل یک دمد ۔ کیں امر رصبح تا جم می رسد

یہ چند عقائد میں اسلام کے جو متعلقون سے ہیں نے بیان دیئے ہیں آپ نے دیکھ لیا ہوگا ان سے دین کا منہ تو ہوتا ہی ہے دنیا کے بھی کتنے منافع و مصالح ان کے ساتھ وابستہ ہیں اب وقت ہیں کہ کوشش نہیں رہی ہمدردی کا وقت آیا ہے اگر وقت ہوتا تو اور بیان کرتا

غرض یہ ہیں جو ہیں اسلام کی ان کو دوسروں کے سامنے بھی پیش کرو مگر یہ دعوت اس وقت دوسری قومیں بھی اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں بہت کوشش کر رہی ہیں اور فساد کرنے پر بھی آمادہ ہیں مگر تم صرف اپنا کام کرو فساد کی تدبیر مت کرو البتہ فساد کی مدافعت مناسب طریقہ سے مضائقہ نہیں بس یہی کافی ہے اب وقت کم ہے۔ در سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک ظاہری بہانہ ہے ورنہ در اصل میں خود بھی تھک گیا ہوں اب دعا کرو خدا فہم سلیم عطا فرماویں اور عمل کی توفیق دیں۔ آمین

اشرف علی

۶ صفر المظفر سنہ ۱۳۵۴ھ

اتمام النعمۃ الاسلام ۳

کے بارے میں

احکام شریعت کا نام اسلام ۴

یہ وعظ لوگوں کی درخواست پر پانی پت درگاہ حضرت شاہ
جمال الدین نبیرہ مخدوم صاحب میں ۲۹ شوال ۱۳۲۲ھ بروز
جمعرات پونے چار گھنٹے بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد ۵۰۰
تھی۔ مولوی اطہر علی نے ضبط اور ان کے مبیضہ سے مولانا ظفر احمد
صاحب تھانوی نے صاف کیا۔

عمر فاروق@ymail.com

مسلمانوں کی یہ حالت ہونی چاہئے

ترکت اللات و العزّیٰ جمیعا

کذلک یفعل الرجل البصیر

خدا تعالیٰ کے احکام مضبوط پکڑو۔ اسمیں دین کا بھی بھلا ہے — اور دُنیا کا بھی نفع ہے

(از حضرت حکیم الامت صاحبؒ تھانوی)

بعد از خطبہ ماثورہ

اما بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ (آل عمران)

تمہید

یہ ایک آیت کا حصہ ہے اس کی تلاوت کل بھی کی گئی تھی اور یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ اس کے قبل اور بعد چند رکوع پر اس آیت کی تلاوت کی گئی ہے اور تلاوت کی وجہ بھی بیان کر دی گئی تھی لیکن اس سے جو مقصود اس کے متعلق تھا وہ اتنی جگہ بیان کرنے سے بھی مکمل نہیں ہوا اور مقصود بھی کل بیان کر دیا تھا یعنی اسلام کی خوبی اسی ہے کہ دنیا کے لئے بھی نافع ہوتا ہے اور آخرت کے لئے بھی یعنی اس کے قواعد و ضوابط تمام عالم کے لئے دونوں جہان میں راحت رساں ہیں بشرطیکہ ان پر عمل کیا جائے۔

عمومی غلطی

(یہاں سے ایک مسئلے کو اٹھایا ہے، جس کا سمجھنا ضروری ہے)
درس کے نہ سمجھنے سے لوگ بہت بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ غلطی یہ ہے کہ بہت لوگوں کا یہ خیال ہو گیا ہے یعنی ان کے معاملہ و برتاؤ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل مقصود شریعت احکام سے اغراض نیا دینا ہیں شریعت کے احکام کو ان اغراض کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ یہ لوگ جب احکام بیان کرتے ہیں ان کی حکمت بھی ساتھ ساتھ بیان کرتے ہیں اور وہ حکمتیں سب کی سب دنیوی ہوتی ہیں اور اس حکمت کا ذہن میں رکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہوتے ہوتے یہ مقصد ان کی زبان پر آجاتا ہے۔ کہتے ہیں۔ دینی فلاسفی یہ ہے ان کی فلاسفی یہ ہے، زکوٰۃ کی یہ ہے حج کی یہ ہے اور حکام کی یہ فلاسفی بتاتے ہیں اور بڑے خود لینے کو حکام جاننے والا اور سر دھنکام کا واقف سمجھتے ہیں مگر ہی کو علوم مقصودہ سمجھتے ہیں اور ایسی تقریریں کرکے اپنے دین کا بڑا حضرت گنوا رہے ہیں۔ رعیتوں کے دین میں سمجھتے ہیں اور علماء محققین کو اپنے سامنے موت پرست خیال کرتے ہیں جو ان کو پست خیال اور خود کو روشن خیال جانتے ہیں کو یہ صیغوں تحقیق یا تعین بھی نہ جانتے ہوں، ایک چھوٹے یا بڑے جملہ کی ترکیب بھی نہ کر سکتے ہوں لیکن ان کو اس کی ضرورت ہی کیا ان کے نزدیک تو یہ سب فضول ہیں۔ بس وہی علوم دامن رہے کے نزدیک مطلوب ہیں اور امر بھی وہ جو ان کے ذہن میں آگئے۔ گو فی الواقع باطل محض ہی ہوں۔

مقصود احکام شریعت

حقیقت یہ ہے کہ حکمت در سر کے درپے ہونا یہ خود مضر ہے کیونکہ مقصود شریعت کے احکام جاننے سے کیا ہے اس کو خیال کرنا چاہیئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی مقصود عبدیت ہے اور عبدیت یہ ہے کہ جہاں حکم ہو وہیں گردن جھکا دی۔ کہ اس کی حکمت و مصلحت؟ یہ دریافت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فعل یا حکم

حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا مگر وہ حکمت کے لئے دلیل نہیں ہوسکتا ہے۔

دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے علماء نے علت حکمت میں لیے ہیں۔ مصلحت و حکمت یہ معلوم ہوتی ہیں جدیت زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے اور اسی لئے لفظ مصلحت کو بدل کر اس کی جگہ لفظ حکمت و مصلحت کو اس سے اختیار کیا ہے۔ یہ علت کا اتباع اور تتبع منصوص نہیں مرتبہ علی مجتہد کا منصب ہے۔ جو علت اس کو اس سے مدرک ہوئی علت ہو وہ حکمت یہ منصوص میں بھی ہو تو اس کا اثر یہ منصوص میں بھی ثابت ہوتا ہے جن حنفی حضرات کے یہاں قیاس سے ثابت ہیں، حنفی منصوص غیر قیاسی ہیں جو صرف ثابت ہیں سو قیاس مجتہد کا حاصل غیر منصوص و منصوص پر قیاس ہوا جب تک جس سے ساتھ یہ غیر منصوص شابہ ہو اس مشابہ کا حکم اس مشابہ پر لیتے ہیں جس سے اس کو شابہ ہوا ہے اس کو ہی تو کہتے ہیں جو مسئلہ کا اصل کا ہے وہی حکم فرع کو اس پر کس علت جامعہ ہوتا ہے اس کو ہی کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس علت سے حکمت قیاس میں ہوتی ہے جو مجتہد کا منصب ہے حکمت کو علت سے تنقیح ہیں۔ اس لیے ہم نے علت کو لفظ حکمت سے بدل دیا۔ کوئی اس کو بھی نہ وہ ہیں جیسے علت کہتے ہیں اصل میں یہ علت نہیں ہے تو حاصل یہ ہے کہ حکمت مصلحت تو اس سے ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ مشتبہ یہ حکمت پر ہماری نظر ہے۔ دوسری یہ نہیں ہے تو قیاس ہے جب یہ حکمت ٹوٹ جائے۔ گو دوسری باتی ہے تو یہ حکمت کی وجہ سے ہمارا قیاس تھا اس حکم کی تعمیل ہی چھوڑ دیتا۔

تیسرا یہ ہے کہ ہر جگہ وہ ہے کہ ہر جگہ تو ہمارا یہ حکمت و مصلحت اس کو ہونا چاہیئے۔ نواض تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس میں زیادہ ظاہر ہوتی ہے کہ حکام کی حکمت معلوم نہ ہو تو بھی اس کا احترام کرے۔ بعض حاکم حکم سمجھ کر اس کی پابندی کرے کل میں بعد میں زیادہ خرابی ہوتی ہے مثلاً حاکم نے بہادر فوج روکنے لگا۔ بلا وجہ پوچھے لیے حکام و تعمیل کرتے ہیں اس میں قیاس کی بھی گنجائش نہیں ہوتی اس نام ہی سے معلوم

ہوتا ہے کہ کس شے میں عبدیت زیادہ ہے بخلاف اس کے جس کی حکمت معلوم ہو گوں کا
بھلا بھی ہو اب اجرت عبدیت کتنی کرتے زیادہ تر اس کا ہے کہ جس طرح
کرنے سے زیادہ تشفی اطمینانیت ہوتی ہے مثلاً جس موقع پر حکمت کا بیان مفید نہیں
ہوتا ہے اس وقت بیان کرنا اس جگہ پر مفید ہوتا ہے اور اس کی بڑی
چوں دمنی ست وہاں اس حکایت میں بھی ہوتے ہیں مگر اس
ظہور عبدیت زیادہ نہیں۔

اس میں یہ ہوتا ہے شاید حکمت ان کو سے معلوم کیا ہو مگر حکمت سمجھ
میں نہ آئی۔ شاید معلوم ہو یہ حکمت سے خلاف ہے کہ جس آدمی سے
اس کو کرنے کا حکم ہوا اس کو اس طرح پر قتل کیا جائے اس کی حکمت
کوئی کہتا ہے کہ حکمت تو ہے مگر اس کی حکمت
سے جس وقت یہ حکایت بیان کی جائے تو اس کے قریب ہونے
آ رکھے کہ اس کے بعد حکمت بیان کی جائے تو اس کی
کیا ہے حکمت معلوم ہو جائے گی قوت ہو جائے گی اس کا
بھی سمجھ میں آ جائے گی۔ اس طرح کوئی حکمت نہ معلوم ہو جائے اس میں کا نقصان
مادہ نہیں ہوتا ہے یہ سب کو معلوم ہو جائے گا مگر اس کا فلسفہ نہیں آتا ہے اور لوگوں کی طرح
سلام ہو گیا ہے۔ اس ہو جائے گا اس میں یہ ہے کہ جس طرح
دیوانوں کی طرح ہوتے ہیں اس طرح کے اور دوسرے لوگ ہوتے ہیں
ہے یہ حرکات معقول نہیں ہیں ایسے شخص کی حرکتوں کی
سکتیں مگر ہو جائے گی یہ کہ اس کی عبدیت کا اس سے
قصد ہے اس پر ہوا ہے اس کی عبدیت کی
مصلحت ڈھونڈتی ہے اس بات کا
مگر پھر بھی

کو شریعت میں جو رکھا گیا ہے اس لئے کہ اہل عرب پہلے سے کرتے ہوتے آ رہے تھے اس لئے اگر اب رکھتے تو رکھنے سے ان کو وحشت ہوتی بلکہ ان کو اپنی اصلی حالت پر برقرار رکھا گیا تو اس حکمت کی رعایت کی گئی۔ زیادہ کا ان کو نہیں دیا گیا۔ عورتوں کی وغیرہ زیادہ ہیں۔ اگر رکھتے تو یہ حکمت مختل ہو جاتی۔

بعض بے پیر اور حکمت نکال کر کہتے ہیں کہ اگر مسلمان اگر مسلمان ہو گئے تو پھر تجارت نہ کریں گے۔ نہ معلوم یہ تجارت سے اگر تفاضل کا مصدر ہے تو ان کا مصدر ہے یہ چیز آخر ہیں۔ کیوں یہ لعنت بھی لیا کا ہے اتنی بڑی تو خلقی اور کل پر غضب ہے کہ کہتے ہیں فیصلہ ہو گیا غلط اور فیصلہ۔ اسی طرح تجارت کی ہے ہیں اور اس لئے بس نہ کریں چاہے ایک بھی تجارت نہ کریں ہیں آ رہا ہے اسی ور ایک لفظ ہے صدقہ سے اس کو صدق کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ صدقہ کے معنی صدق بھی ہیں سچ سے دوستی کے معنی میں تو ہے باقی صدق سے معنی ہیں بری نظر سے نہیں گندہ گندہ لوگوں میں رائج ہے۔ عدالت کے مقابلہ میں صدقت آتا ہے نہ کہ کذب کے مقابلہ میں بس اس طرح یہ لفظ بنا لیا ہے۔ بتلایہ جا چکا ہے کہ ہر زبان کو دوسری زبان کے الفاظ میں تصرف کا حق ہے سب لوگ ہی کسی الفاظ کے اندر تصرف کیا جاتا ہے اسی طرح اردو میں بھی عربی اور فارسی لغات میں تصرف کرتی ہے اگر وہ تصرف عام طور سے مستعمل ہو جائے تو محل اعتراض نہیں ہے الفاظ غرض یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو اس نے مقرر کیا ہوا تجارت کے اصول کے خلاف ہے اصل مقصود یہ ہے کہ ایک دوسرے سے بیع فروخت کریں ایک دوسرے کو اپنے خیالات پر مطلع کریں یہ تعلق کی جڑ ہے یہ حاصل ہے اس فلسفہ کا تو ہم نے تو جیسا کہ اکثر پڑھتے دیکھا ہے کسی کتاب میں دیکھا ہے اجتماعی فی الحج غرض یہ سب بے سر پیر کی بحث ہے اس کی دلیل ہے نہ ثبوت ہے جو تجارت میں آیا ہے اس کو دوسری جگہ نہ دینا

کی ہے اور اس کی مصلحت یہ تھی کہ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ نفع ہو جاتا وہ تجارت تھی اس کو بھی یا بعض تجارت اس وقت مباح تھی جس میں تجارت کی اجازت تو ہے مگر یہ مقصود تو نہیں ہے۔

رہا تبادلہ خیالات تو اس کا موقع ہی کہاں ملتا ہے اور اگر موقع بھی ہوتا تو ایک بات اس سے مانع تھی۔ وہ یہ کہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے دوسرے اگر سمجھے بھی تو اس وقت پریشانی ہوتی ہے کہ اس کے سمجھنے کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج یعنی دیہوں میں بیہودہ باتیں اور لڑائی جھگڑا نہ ہو اب فرمایئے یہ فلسفیانہ باتیں ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والے نے کبھی حج ہی نہیں کیا اگر حج کرتا تو معلوم ہوتا کہ وہاں اس کی فرصت ہے یا نہیں، مگر یوں ہی ہندوستان میں بیٹھے بیٹھے جو جی میں آیا لکھ دیا۔ غرض تبادلہ خیالات کی مصلحت تو سہل ٹھہری وہ تو باطل ہوگئی اس تبادلہ خیالات کی حکمت کچھ کچھ صحیح نظر آتی ہے مگر حقیقت اس کی صرف اتنی ہے کہ جائز ہے واجب اور مقصود نہیں۔ کما قال تعالیٰ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم صحابہ کو یہ شبہ تھا کہ ایام حج میں تجارت کرنا کہیں گناہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو دور فرمایا کہ اگر کوئی کرنا چاہے تو اس کو گناہ نہ ہوگا مگر حج سے مقصود تجارت ہوتی تو صحابہ کو گناہ کا خیال ہی نہ ہوتا اور ہوتا بھی تو اللہ تعالیٰ اس خیال کو رد فرماتے اور رد بھی اس عنوان سے نہ فرماتے بلکہ بیع عنوان سے زور سے رد کرتے یہاں رد کہاں بلکہ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم سے ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ گناہ کے نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے کہ تھا تو حج کی وضع کے خلاف کام، مگر بندوں کی مصلحت سے اجازت دے دی ہے تو یہ صرف اجازت ہے تجارت کی نہ کہ مقصودیت تجارت کی۔ کیونکہ مقصود کو ایسے عنوان سے بیان نہیں کیا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ مقصود نہیں۔ اور جنکو یہ لوگ رد سمجھتے ہیں

ن سے متعلق صرف ہے وسیلہ ہونا کیسے متعلق ہوتی ہے کے صیغہ سے اس کو بیان فرمایا
جو وہ اب سے سنے ہوئے حدیث ہیں جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
ج ہوتے ہیں عمل کرنا [illegible] ہدایت کی یہ وہ
نہیں لیں پہنچے ہوئے مسلمان [illegible] سے قرآن و حدیث دیکھ لیا جس کو قرآن و
حدیث نے فرض و مقصود بتایا تھا یہ اس کو [illegible] جس کو وہ مقصود بتایا تھا اس
کو اصل مقصود قرار دیتے ہیں [illegible] بعضے لوگ ہیں جو شیخ ناصر نوری فاضل دیوبند
بڑے بڑے پاس حاصل کئے ہوئے ہیں [illegible] ہوئے ہیں [illegible] سے ہدایت
تھا کہ یہ بیان دلی تو کمال کا علم ہے [illegible] ہیں بہت سے ایسے بڑے
بڑے [illegible] ہیں [illegible] نہیں ہیں [illegible] یہ لوگ [illegible]
[illegible] ہیں [illegible] ہوتے ہیں [illegible] کمال ہوتے ہیں [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] کمال ہے۔

[illegible] جیسی [illegible] بصدیق فرمائیں

جب [illegible] کسی وقت تک کسی کو
حق نہیں سمجھے کو کامل سمجھے تو یہ بالکل ہی نہیں [illegible] پڑھ کر لوگ یہ
سمجھ لیں کہ ہم عالم ہو گئے ہیں قرآن و حدیث کی [illegible] بیٹھ جاویں۔ اس طرح تو
جس کا دل چاہے [illegible] قرآن کی [illegible] ہی [illegible] فرقے ہوئے
ہیں کا یہ مقصود ہی نہیں [illegible] کو [illegible] کریں [illegible] [illegible]
[illegible] ہوتی۔
باقی رہا حق ہیں جو اختلاف ہے تو اس کا سننا [illegible] نہیں ہے قصد تو کیا تباع قرآن
و حدیث کا اس قصد سے [illegible] سنے تو [illegible] حق کا تو قصد تباع حق کا ہوتا
ہے [illegible] ہوتا ہیں [illegible] ہیں بقسم [illegible] کا [illegible] ہے کہ جیسے ایک رئیس
[illegible] سے [illegible] اس کے بعد قرآن و حدیث کو دیکھتے ہیں [illegible] خواہش کے موافق

[illegible] حدیث میں ہے۔ [illegible] کیفیت ہوتی ہے کہ جس طرح بیقرار [illegible] قرار ہیں ہوتے ہیں وہ آدمی ہوتا ہے ہی نظر آتا ہے اس حرص [illegible] اس بے چینی کو دور کرنے کے لئے وہ لفظ کا [illegible] کرتے ہیں [illegible] حرف کرنے لگتے ہیں [illegible] یہ ہوتی ہے [illegible] یا ہے [illegible] کہتے ہیں [illegible] کہتے ہیں [illegible] اگر وہ [illegible] کرتے ہیں [illegible]

[illegible] پس [illegible]
کردۂ تاویل لفظ بکر را [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible] فرق باطل پیدا کرکے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] ہوا ہو نہیں کیونکہ

ماہ سیہ کم نہ شود تا نباشد ماہی ست

[illegible] کہتے ہیں [illegible] سکو [illegible] کہتے ہیں اگر وہ صحیح ہو اور آدمی منصف ہو تو [illegible] معلوم ہو گیا کہ [illegible] ہے [illegible] کہ [illegible] کی بنا ہے دعوی پر اور [illegible] دعوی کی بناء ہے [illegible] پر۔

حقیقت علم

اس کو سمجھنے کے لئے قلب میں نور ہونا ضروری ہے [illegible] نور علم ہے حقیقت میں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی [illegible]
فان العلم فضل من [illegible]

پس علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے [illegible] ہو جاتا ہے اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا۔ اگر محض

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جسمیت ہوئے کہ جب تک اوپر دیے ہوئے کا دوسرے سے مقابلہ نہ کرے اور نہ کیجئے
مرتبہ ہے کہ مخاطب اس کو سمجھ سکتا نہ ہو تو اس کو اوصاف معلوم ہو جائیں گے اور فوت
علوم میں اس کا فرق ہے۔ سورت خود واضح ہو جائیگا اور اجتہاد کی ضرورت تھا
پڑے گی نہ ہو گا کہ جو اجتہاد کی حق نہیں ہے اور اس کے متعلق
تھے۔ علوم حقیقی انہیں سے پائے تھے انہوں نے کہ دیں تو حل کیا یہ ہیں کہ اپنی طرف
سے بڑھا دیا جدید قرآن اور حدیث سے ملا کر سب کچھ بنا دیا یا ہمارے علماء نے
سمجھے حقیقت میں ایسا ہی ہے

ہاں جس علم کا حاصل فوز سے نصیب ہوتا ہے گا جتہاد کے درجہ کا نہ ہو گا مگر اس سے
بچنا تو اس وقت کی ہیں کہ ہیں ہے کہ یہ ہے کہ یہ ہے کہ یہ ہے کہ یہ ہے
ہے تو یہ ہیں ہیں نصیب سے اگر ہیں ہیں تو ہیں ہیں ہیں ہیں کو دیکھ لیجئے کہ ہیں ہیں
ہیں رہنے والے تھے ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں
تھی۔ ہیں ہیں ہیں دیکھ لیجئے کیسے گدے ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں
ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں
وہ جیسا سمجھتے ہیں ویسا ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں
ہیں ہیں ہیں ہیں ہیں

[illegible] ہے [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے

ہیں ہے لیکن طائفہ من امتی قاہرین علی الحق منصورین لا یضرھم من خذلھم
اس سنت پر ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہے گا اور باطل پر غالب رہیگا ان کا مقابلہ کوئی
نہ کرسکے گا اس سے تحریف کرنیوالے کچھ خلل نہیں ڈال سکیں گے یہ حدیث میں صاف لکھا ہوا
لفظ آیا ہے علماء اسلام اس طرف سے ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے مگر موید من اللہ ہونے میں فقط
غیبی طرف سے ان کی تائید ہوگی اور دشمن ان کا ساتھ دینے والوں کو کچھ ضرر نہ پہونچا سکیگا
کی منصوریت کی شان یہ ہے کہ اگر کوئی ان کی مخالفت کرے وہ خود مغلوب ہوگا فارس
تو کیا ہوتا عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

بس قرعہ کردیم رہیں دیر مکافات ہا رند شاں بہ ہر دو قفا در برفت و

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا در صاحب دے نامد بدرد

انکی یہ شان ہے اُن کی منصوریت کا یہ اثر ہے چنانچہ حدیث میں ہے من عادی لی ولیا
فقد اذنتہ بالحرب کہ جو ہمارے کسی ولی سے عداوت کرے ہم اس کو اعلان جنگ سناتے
ہیں۔ لڑائی کا نوٹس دیتے ہیں۔ پھر کیا خدا کا کوئی مقابلہ کرسکتا ہے ہرگز نہیں۔ غرض وہ
اتنے قوی ہوتے ہیں۔ ظاہر میں تو بہت پست و ضعیف مگر باطن میں بڑے رفیع و
قوی۔ مولانا اسی اثر کو فرماتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقوی گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

درود کیا چیز ہے جو بزرگوں کو عطا ہوتی ہے جس سے سب پر ان کی ہیبت ہو جاتی ہے۔
حق تعالیٰ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں جب ان کو حکم ہوا کہ جاؤ فرعون کے پاس
اس کو توحید کی دعوت کرو۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا رب انی قتلت منھم
نفساً فاخاف ان یقتلون واخی ھارون ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی
ردأ یصدقنی انی اخاف ان یکذبون کہ میں نے قبطیوں میں سے ایک کو

قتل کر دیا تھا مجھے خوف ہے کہیں مجھے قتل نہ کریں اور میرے بھائی ہارون کی زبان صاف ہے اُن کو بھی رسول بنا کر میرے ساتھ کر دیجئے مجھے ڈر ہے کہیں وہ لوگ میری تکذیب نہ کریں تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں۔ سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما بایاتنا انتما ومن اتبعکما الغالبون میں وعدہ فرمایا کہ تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنا دیں گے یہ جابت ہے آپ کی درخواست پر مگر حقیقت میں اس کے علاوہ ایک اور قوت کی ضرورت تھی وہ موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں کبھی نہ آئی تھی نہیں نہیں ذہن میں تو کیوں نہ ہوں۔ پیغمبر کے قلوب میں تو یہ بات سوچنے سے بغیر تائید غیبی کے کچھ ہو نہیں سکتا بلکہ زبان پر نہ آئی تھی اس کو فرمایا محض [illegible] کہ ہمارا تو ایک قوت دیں گے اس سے وہ قوت مراد نہیں جو ان کے حکم میں تھی جسے سلطان غلبہ کو کہتے ہیں۔ یہ وہی ہے جس کو ہیبت اور رعب کہا جاتا ہے حالانکہ یہ کوئی سامان نہ تھا میاں بیوی دو دوگوش سیدھے سادھے طریق سے دونوں حضرات تشریف لے گئے تھے نہ کوئی بندوق تھی نہ تلوار تھی مگر فرعون کی طاقت یہ ہے کہ دیکھ کر تھرا گیا زبان نہیں کھلتی تھی بات نہ کر سکتا تھا مومن فرماتے ہیں۔ ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

یہ رعب اس گدڑی پوش کا نہیں یہ خدا کا رعب ہے۔ اب بھی اکثر اہل باطل کو دیکھا ہے کہ اہل حق کے سامنے دب جاتے ہیں تو یہ آپ منصوریت کے کہ جو ان کے آثار کے درپے ہو وہ ان کا ضرر تو کیا کرے گا خود کو ذلیل کر دیگا تو اس طائفہ کا کام شریعت کو تحریف سے بچانا ہے اگر ساری دنیا باطل پر جمع ہو جائے تب بھی دین اسلام میں تحریف نہیں کر سکتی کیونکہ یہ طائفہ دین کو محفوظ رکھے گا ورنہ ان مخالفین دین نے تو بن میں بیٹھے ہوئے دین بھی ہیں دین کے مٹانے میں کچھ تقصیر نہیں کی بقول شیرازیؒ ؎

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

شریعت زبان حال سے کہہ رہی ہے تجھ نے تو میرے بگاڑنے میں کسر نہ کی تھی مگر میری تقدیر ہی میں تمہارے ہاتھوں سنورنا تھا۔ یہ ہیں حق پسند۔ یہ قلیں ہوتے ہیں مگر قوت میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ دیکھئے ذرق برق بجلی شیر ببر حق قلیں ہیں پھر ان میں حق یہ ہے بھی لحاظ بہت کم گو مگر قوت سے ہوں مگر ہیں ہمدرد لی وہی حالت ہے ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست خم و خمخانہ با خم دوشاں ست

وہی میر وہی علامت وہی مارکہ باقی ہے یعنی لیاقت بے شک نہیں کہہ سکتے کہ اس میں سے کیا چیز غرب ہوئی باقی جس دن خدا نخواستہ غرب ہو جائیگا اس کا بھی قیامت قریب ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں لایزال طائفۃ من امتی علی الحق یعنی وہ غالب رہیں گے جن مخالفین کا ذکر کیا ہے ان میں یہ بات ہے کہ انہوں نے دین کے متعلق میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس لئے ہیرا فقیر سمجھتے ہیں وہ ان کو رائے دیتے ہیں کہ یوں ہو چاہیئے یوں نہ چاہیئے

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ احکام شریعت کے بھی کیلئے

بدون عقل اپنی عقل کو کافی سمجھتے ہیں۔ جس جہاں وہ سمجھ میں آیا اس کو تسلیم کر لیا اور جہاں جگہ جو سمجھ میں نہیں آیا تو اس کی نسبت کہہ دیتے ہیں کہ کسی وقت نے بنا دیا ہے۔

چنانچہ ایک بیرسٹر تھے۔ بادی انہوں نے ایک مولوی صاحب سے کہا کہ سود کو حلال کر دو وہ غریب سمجھتا تھا۔ مولوی صاحب کی قدرت ہے حلال کرنا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ کس کو قدرت ہے کہ سود کو حلال کرے یہ کیونکر ممکن ہے کہ صریح نص قرآن کے خلاف جرأت کرے آپ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سود کا حرام ہونا مذکور ہے۔ مولوی صاحب نے قرآن کی آیت سنائی تو اس خیال سے توبہ کی اور کہا کہ مدت میں تو اب تک یہی سمجھے ہوئے تھا کہ یہ مولویوں نے بنا رکھا ہے

غیر یہ ندامت بھی ایمان کی علامت ہوگئی۔ وہ سیٹھ صاحب مشہور تھے دودھ کے گھر
[illegible] خبر ہمیں تھی کہ یہ ہیں کہ سود لو دو دیوالے ہو رہا ہے سب سود خور
مرکز دار ہو جائیں گے۔ بچائے کوئی نہ تھا۔ علم کے بعد تو بہت بھی غنیمت ہے
یہ وہ کمائی تھی نہ تھے مٹی کے تھے۔ جہل سے بیٹھے تھے جہاں مرکب ہیں
نہ تھے ہونا جہل مرکب ہیں بیٹھا ہے اس کی انہیں نہیں ہوتی۔ اب تو یہ حالت ہے
کہ اس تو قرآن کا علم سیکھ کر بے جان بوجھ کر بہت ہیں چنانچہ یہ رسالہ میں یہ لکھا تھا کہ
احل اللہ البیع وحرم الربوٰ میں یہ لفظ ربوٰ نہیں ہے بلکہ ربا ہے جیسے ہوتا ہے
دربار بورنے سے جس کے معنی چھینے غصب کرنے کے ہیں۔ مولویوں نے ربا کا معنی
قرآن میں ساری عمر سے کئی ہوا وہ دفعہ مرتب پر نماز ہوتے ہیں ان کے نزدیک
بالکل غلط تھا چودہ قرأت میں تو نہیں یہ ہے نہیں یہ پندرھویں قرأت ہوگی لکھا ہے
مطلب قرآن کا یہ کہ چھین جھپٹ کر کے مال نہ کھاؤ باقی سود تو رضامندی سے ہوتا ہے
مولویوں نے یہ لکھا کہ زمانہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ نہ تھا۔ میں پوچھتا ہوں کہ
کس وقت یہ نہ تھا تیرے پاس اس کی کوئی دلیل ہے پیش ہو تو۔

پھر یہ کہ قرآن میں فارسی اور سرداری بھی ہے تو مصدر بھی نہیں بلکہ اسم فاعل
سماعی تو نہیں یہ ہوئے کہ ربا آئندہ کو نہ کھاؤ یہ تو لعنۃ حرمت ہے اور عقل کی رو سے یہ جہالت
سے نگر رہا حال تو کافروں سے ہیں ہمسلمانوں سے کافروں کو تو ضرورت نہیں کیونکہ
کافروں کے پاس بہت مال ہے تو کافروں سے تو سود لینے کی نوبت نہ آوے گی وہ خود ہی
مالدار ہیں وہ تو محتاج ہیں۔ مہاجن تمہارے در پر میں آویگا کافر سے تو لے سکے اب
مسلمان سے لوگے۔ تو یک تو مسلمان ہندوؤں ہی کے ہاتھ تباہ حال ہیں اب دو طرف
سے ذبح ہوں گے کہ کافران سے لگ سود نہیں مسلمان الگ ہیں پھر مسلمان کو ذبح کیا
ہوا سود کے حلال ہونے سے فسوس امتی تک بھی جس کو نہ ہو وہ قرآن میں دخل دے پھر

لوگ اس کو زمانہ شناس بھی کہتے ہیں زمانہ شناس تو ہے نہیں ہاں زمانہ شناس اگر کہتے تو بجا تھا مگر ہے امریکی بچہ ہی ہو جاتے ہیں اور اس بات کی خبر نہیں۔ غرض یہ حالت ہے ہر لوگوں کو دین کی خدمت کرنا تو رہا رہی سہی دین کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور نیچے ایسے ہی ایک اور شخص کا واقعہ ہے وہ کہتے تھے کہ نماز کے لئے وضو کی ضرورت نہیں وضو مقصود ہی نہیں ہے۔ پہلے وضو کا حکم اس لئے تھا کہ وہ لوگ بکریاں چرتے تھے ان کے پاؤں پر مٹی پڑتی تھی اور ایڑی لگی ہوئی تھی ہاتھ پر موت سے چپٹے لگ جاتے تھے اس لئے حکم ہوا تھا پاؤں دھو لو ہمیں یہ ضرورت ہے؟ ڈنر سے پہلے ہاتھ دھو لو ہم تو ہوائی جہازوں میں جگر سے بیٹھے ہیں نہ کوئی میں بیٹھتے ہیں نہ ہمارے پاؤں پر موت لگتی ہے پھر ہم کو وضو کے حکم کی کیا ضرورت ہے؟ سیر شاید یہ کہہ جائیگا وہ ریگستان ہے وہاں غبار بہت اڑتا تھا منہ اور سر پر غبار لگ جاتا تھا اس لئے وضو کا حکم ہوا اس لغو دلیل کا جواب سے اس بات سے دیا جا چکا ہے کہ وضو میں اعضائے کثیفہ ہی کے دھونے کا حکم ہے اعضائے ستورہ کا نہیں ایک تو وضو ہی بدنی تھا پھر شیطان نے یہ تاویل بھی تمہاری اس پر مس مقدمہ کا صاف ہو گیا ہم تو ہمیشہ غسل کرتے ہیں آلودہ مکان میں رہتے ہیں عالی شان کمروں میں رہتے ہیں جس میں ہیٹر لگے ہوئے ہیں ہمیں وضو سے کیا ضرورت ہے وضو کرنے کی؟ بس یہ مقدمات گڑھ کے ان کو بہ ترتیب دے کر یہ نتیجہ نکال لیا کہ بدون وضو کے نماز جائز ہے۔

کوئی اس جاہل سے یہ پوچھے کہ حضرات صحابہ ہی کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے قیصر و کسریٰ کے خزائن و مملکت فتح کرائے تھے وہ بکری چرانے والے ایسی عالی شان بادشاہت کے مالک بنے تھے جس کا تم کو خواب بھی نہیں آ سکتا تو کیا اس وجہ پر ہو سکتا تھا کہ وضو کو ترک کر کے بے وضو نماز شروع کر دی تھی۔ اگر نہیں تو یہ تم کن

سے زیادہ قرآن کو سمجھتے ہو؟

بھی تخصیص نہ رہے گی تم کو ممنیہ تصری نہ ہے جائے ہوئے دیا تقدیر تو طریق بھی چلنے نوبت آتی ہے۔

اس ن سب سے بڑھ کر، نیچے یہ تنقیص مینہ گھ ہیں ھی قدر بڑھ ہوتے تھے آپ کا استدلال ھی سیئے تھے حدیث میں آیا ہے ن ن ن

[illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] ہیں [

فلاسفہ کی بدفہمی

نہ ہونا چاہئیں فلسفی صاحب جواب دیا کہ ان کا کوئی مدعا یہ درخت کے سایہ میں بیٹھا
تھا جس سے پودے دھوپ میں رہتے تھے سایہ میں تھا وہ تو
سیاہ ہوگیا اور جو دھوپ میں تھا وہ سفید ہو گیا دیکھو کیا خوب ہے۔ دیکھ فلسفہ تو
دیا مگر اس احمق کو خبر نہیں کہ دھوپ سے سفید ہوتے ہیں کیا ہمیشہ یہ کالا دھوپ پڑتی
ہے وہ تو بدلتی رہتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیتا پڑھا ہوا تھا علم کا مغز
تھا کہ ہمیشہ پرکار سا بیٹھا کرتا تھا۔ سفید ہونے کے ساتھ تاثیر بھی صاحب درست تھی تھا
کہ آفتاب کو سفید کرتا تھا۔ اپنی جگہ سے ہلتا تھا۔ سایہ میں جگہ دھوپ
دھوپ کی جگہ سایہ آفتاب کی حرکت سے ہوتا تھا تو پھر علت صحیح کیا دیکھئے
کیا جواب پایا) ایسے ہی معقولی سے بدتر تھا۔ یہ فلسفی
تھا پھر کیا ہوا۔ آفتاب باپ دادا سے
ہمیشہ سے ہے
ہوں۔ چنانچہ یہ صاحب علامہ لقب سے ہوئے ان سے کسی نے کہا یہ سایہ
کیا چیز ہے کہا سفید ہے۔ کہا سفید کیا ہے کہا آفتاب کا سفید کرنا
حقیقت نہ پوچھی۔ ترقی کرتے کرتے
قرآن کے خلاف ہے قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ
ہوئے تو علامہ ہو گئے۔ یہ
پیسہ میں علامہ صاحب تصانیف
اس سفیدہ کی
تھا یونہی علامہ کے قول پر
و ضرورتوں
کو اصل انسان نہیں سمجھتا وہ قول بنا ہے جس وقت سے ترقی کی ہے تب ہم

[illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے [

دل شدہ عبد تو ۔۔۔ ہر چہ بنی رضائے تو

یہ بیا شرب ہے۔ اس کے سوتے ہوئے شیطان کبھی وسوسہ میں ڈال ہی نہیں سکتا۔ بعد شرب معرفت و اتباع حکمت کے یہ شیطان سے محفوظ ہونے سے بڑھ کر ہیں عقائد تباہ ہو جاتے ہیں۔

خدا توحید کے بارہ میں کسی نفسی سے سوال نہیں ہو سکتا

علماء فلاسفہ یہ بات تعجب کیا ہے کہ شخص سے پوچھتے ہیں کہ خدا و خدا ہے اس کی بیوی ہے؟ بچہ نہ ہوتا ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ خدا ہے۔ دیہاتی نے ہنسا اور کہا کہ ایسے پاس جاتا ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ تم ہو۔ دیہاتی نے ہنسا اور کہا کہ ایسے پاس جاتا ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ تم ہو۔ دیہاتی نے ہنسا اور کہا کہ ایسے پاس جاتا ہے اس کی کیا دلیل ہے کہ تم ہو۔

خدا جبریہ کی دلیل سے نہ ٹوٹتی ہی نہیں ہیں حاصل یہ ہے کہ بد دلیل تد واحد ہے۔ بسنا کی ہدیہ کشش کو ہار کی ایک یہ سوں یہ دلیل ہے موسیٰ یعقوب صاحب کی بابت ہیں فرماتے ہیں ؎

اوعظہ ینفع ولعل وبحکم ۔۔۔ واسیف ابیضت عینہ من الغم

اور یہ بھی فرماتے تھے دیکھو وہ کہتے ہیں چار کتابیں ہیں ہوئی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ سب پر بڑی کتاب بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس

تب ربیعہ کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہیں آسمان سے نازل ہوئی ہیں اور حدید کے وسیلے بھی انزل آیا ہے یہ پانچویں کتاب ہے اور بعض وقت طرافۃ فرماتے تھے کہ حدید سے مراد ہے نعمدار حق اور مولانا اس کا نام رکھا تھا رکشن دماغ کہ سر پر

روپیہ کمانے سے دماغ درست ہوتا ہے۔ اس سے بھی بہت دور ہوتا ہے۔
تو حضرت داؤد علیہ السلام نے تقریر بند کر دی اور فرمایا کہ اے فلسفی
تم کو اس کا جواب دینا ہوگا کہ ایسے جاہل سے تم فلسفی کا علاج کیونکر ہو۔

دلائل عقلیہ کی بے بسی

یہ تو فلسفی کی حکایت ہے دوسرے عالم تھے
جب مرنے لگے تو ان کے شاگرد فلسفیانہ سوالات سے مناظرہ
کرنے لگے۔ مثلاً توحید کی دلیل کیا ہے۔ اس کا جواب دیا۔ پھر
کہا کہ شیطان توحید کے دلائل پر نقوض وارد کرتا ہے کہ یہ جو دلیل قائم کرتے ہو اس کو رد کر دیتا ہے دلائل
کے پاس تھے سب کچھ ہے اس نے سب کو رد کر دیا اس کے بعد کہنے لگے شبہ
آ رہا ہے کہ جب اصل مسئلہ کی یہ حالت ہے تو فروعی مسائل کی اصل سے تو
کیا حقیقت ہے ہمارے علماء کو فروعی مسائل میں اس قدر باہم جھگڑتے دیکھ
کر ایک بزرگ نے دل شکستہ ہو کر فرمایا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ تھے جو اس وقت صدر دلیل
کے فاصلہ پر اپنے خادم سے وضو کرا رہے تھے ان کو معلوم ہوا کہ اس عالم فلسفی کے اوپر یہ مصیبت
آ رہی ہے آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس وقت یہ بڑے بادشاہ یہاں خراب ہو
جاتا ہے کسی سے کہو یہ حضرت بچا لیجئے آپ نے وضو کا پانی زور سے اس طرف
پھینکا اور فرمایا کہ دلائل میں خدا واحد ہے اللہ تعالیٰ نے یہ پانی دے کر اس کے کان میں
پہونچا دی انہوں نے تعجب سے کہا کہ میں دلائل میں خدا کو واحد مانتا ہوں شیطان
یہ سنکر بھاگا اور اس کے دل سے ہر دلیل کی بو سونگھ رہے ہیں ؎

دست پیرِ غیباں در دست است دستِ دیو از دیدہ بد نیست

وہ فلسفی صاحب بزرگ کی خدمت میں آئے تھے۔ آپ نے ذرا تحقیق فرمائی اور
فضولیات کا حرف یا ذکر شغل شروع کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی چیز اندر سے نکل رہی ہے

شیخ سے [illegible] یا تو وہ یہ تھا کہ فلسفہ سے [illegible] یا تو وہ یہ ہو
شیخ نے [illegible] مشغول [illegible] سے [illegible] بہتر علم [illegible] کا لوگوں نے
[illegible] مشغول [illegible] [illegible] فلسفہ پر [illegible] کے فلسفہ تو
اس وقت موجود ہے [illegible] [illegible] ہو [illegible] معلوم ہوگا بھی یا نہیں نزع
شیخ [illegible] [illegible] [illegible]

عصر فخر الدین [illegible]

طرف اٹھتے تھے

چنانچہ امام رازی بہت بڑے امام و مفسر تھے مگر

امام رازی کا فلسفہ ہیں ان کی تحقیق یہ تھی جس کو نظم میں فرماتے ہیں:

نہایۃ اقدام العقول عقال — وغایۃ سعی العالمین ضلال

وارواحنا فی وحشۃ من جسومنا — وحاصل دنیانا اذی ووبال

طریقہ تحقیقت اس وقت منکشف ہوتی جب شیخ کے پاس جانے کا موقع نہ رہا۔ حقیقت میں علم یہ ہے جو ہمیں سے معلوم ہوتا ہے۔ سلف کے علوم تو صحابہ بھی نہ تھے جیسے تھے پھر صحابہ سے علوم کیسے ہوتے اور اس سے بڑھ کر نبی علیہ السلام کے علوم کیسے ہوں گے۔ اشعار مذکورہ بالا کے پڑھنے کے بعد میں نے فرمایا تھا کہ بعض سامعین نے درخواست کی کہ ان اشعار کا مطلب بیان فرما دیجئے۔ میں فرمایا امام رازی فرماتے ہیں کہ عقل نے بہت ترقی کی مگر ساری ترقی کی انتہا یہ تھی کہ عقل ایک عقال بنی ہوئی یعنی مانع حقیقت بڑے بڑے اہل علوم کے علم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقل کی رہبری سے راستہ تفرقہ پیدا ہوا ساری طرح بحث کی وہ سب قیل وقال ہی تھی جس سے حقیقت واضح نہیں ہوئی یہ خلاصہ ہے ترجمہ کا اس کے بعد فرمایا میرا معمول یہ ہے کہ جس مضمون کو پہلے بیان کرتا ہوں اس کی تائید میں کوئی شعر عربی یا فارسی کا پڑھ دیتا ہوں اس کا ترجمہ نہیں کرتا ترجمہ کرنے سے لطف نہیں رہتا اور ترجمہ کی ضرورت بھی نہیں رہتی کیونکہ اس کا مطلب اور مقصود تو پہلے بیان ہو چکتا ہے۔ غرض امام رازی فرماتے ہیں کہ ساری عمر کی تحقیقات کا یہ نتیجہ نکلا کہ سب فضول قیل وقال ہے۔ علم حقیقت میں وہ ہے جس کو مولانا نظامی گنجوی فرماتے ہیں ؎

زبان تازہ کردن بہ اقرار تو — نگیختن علت از کار تو

یعنی علم یہ ہے کہ جوارشاد اُدھر سے ہوا اس کا اقرار کر لینا۔ یوں نہ کہنا کہ کیوں ہے؟

کی غرض مطلب یہ ہو۔ اہل علم کو مصالح و حکمتیں بتانے کی عادت ہے مگر ہر جگہ نہیں اور نہیں کو پوچھنے کی بھی اجازت ہے پھر کسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ طالب علم وہی تبدیل ٹھیک نہیں بلکہ ایسے ہو جو محقق ہوں صرف نحو تک نہ ہو باقی جو اس کے اہل ہوں اور پوری سمجھ نہ رکھتے ہوں انہیں نہ بتائے چنانچہ جس موقعہ کا یہ مقولہ ہے وہ طالب علم چونکہ بچہ تھا اور حیرالاہ بایدفرستاد۔ میرے کی سامنے کہنا لایعنی بھی ہے کہ ایک طالب علم نے موسیٰ سے پوچھا تھا کہ یام حیض میں نماز اور روزہ کی ممانعت ہے پھر پاک ہونے کے بعد قضا کی وقت نہیں اور روزہ کی قضا ہے اس میں یہ حکمت ہے فرمایا حکمت یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کرنے تو اتنی جو تیاں پڑیں کہ مرگئی ہوجائے گا سر کے بال اڑ جاویں گے۔ اس جواب کی وجہ یہ تھی کہ سائل جہل تھا اس کو مسئلہ مصلحت کا سمجھنا اس کے بس کا نہ تھا جواب سے بنایا تھا وہ شعر یہ ہے ؎

خواہ مخواہ کی بات بھی مخفی ہے ۔۔۔ جیسے حامل پیٹ سے سقطی جنے

یہ آپ کا شعر ہے لفظ بھی بے جوڑ اور مرد بھی سی کی سمجھ میں نہ آئے کہ کیا مراد ہے؟ آپ نے پوچھے پر اس کا مطلب یہ بیان فرمایا تھا کہ عاشق و معشوق جمع تھے رقیب کو ناگوار ہوا اس نے جدا کرنے کی یہ ترکیب کی کہ معشوق سے کہا ذرا یہاں آ کچھ مخفی بات کہونگا حالانکہ خواہ مخواہ ہی بنا دی کوئی بات نہ تھی مگر اس حیلہ سے وہ عاشق سے علیحدہ ہوگیا اس پر سب سامعین ہنس پڑے کہ مناسب مطلب مگر شعر کی سب بھی اس پر دلالت نہیں نہ دوسرے مصرع کا پتہ ہے۔ سے کچھ جوڑ معلوم ہوا۔ اس ہنسنے پر آپ خفا ہوگئے کہنے لگے جاؤ ہم تم سے نہیں بولتے ڈھیٹ ہیں۔ میں نے کہا دوسرے مصرع کو میں حل کردوں گا مطلب یہ ہے کہ جیسے حامل کے پیٹ سے سقط نکلے تو وہ بے چاری خواہ مخواہ بدنام بھی ہوگئی اور بچہ بھی نہیں جیا۔

ان ہی حضرت کے ہنسل ہونے کا ایک واقعہ سنیئے ایک روز جدلین کی عبدت

بڑھی تھی یہ تھی حضرت نے فی البدیہہ ترجمہ تو اس کا یہ ہے ہم نے سورہ توبہ کی
میں مرتب نے یوں ترجمہ کیا ہے ہم نے حاضر بنایا تو وہ نہ آئے بہانہ کیا کہ ہم
نے ترجمہ میں محل بھی کہیں حاضر کا ہے [illegible] ظاہر ہے
شخص غائب اور حاضر کا فرق کیا سمجھے تھے؟ پس چونکہ یہ مسائل مہمل تھا اس سے اس کو بیچ
دیا اور دوسری مجلس میں سمجھ بوجھ کے سامنے فرق بھی بیان کر دیا۔

بہرحال تحقیق ہر ایک لوگ خوب نہیں دیتے

عوام کے لئے جواب اب ہمارے علماء اس کی رعایت نہیں کرتے سب کو
حضرت والا کے برابر سمجھ لیتے ہیں حالانکہ مخاطب سمجھتا بھی نہیں۔ کسی سے کہا
میں ایک مرتبہ سہارنپور گیا تھا وہاں ایک شخص بہشتی زیور لئے ہوئے آئے
اور یہ مسئلہ کہ کچھ سے بننے لگے کہ یہ مسئلہ دیکھ لیجئے میں نے کہا کہ میری تو ساری
کتاب دیکھی ہوئی ہے مجھے آپ کیا دکھلاتے ہیں۔ کہنے لگے یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں
آیا میں نے کہا کیا خود اس مسئلہ کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا یا اس کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی۔
کہنے لگے مطلب تو سمجھ میں آیا دلیل کچھ میں نہیں آئی میں نے کہا اس مسئلہ کے سوا باقی تمام فقہی
مسائل کی دلیلیں آپ نے سمجھ لی ہیں یا اور بھی کچھ سے مسائل ہیں جن کی دلیل آپ کو معلوم
نہیں ہوئی کہ سب کی دلیلیں آپ کو معلوم ہو چکی ہیں تو مجھے سورت کی عبارت دیجئے کہ میں
کسی مسئلہ کی دلیل آپ سے دریافت کروں؟ کہنے لگے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں
جن کی دلیل مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا پھر اس کو بھی اسی فہرست میں داخل کر لیجئے
کسی کی دلیل جاننے کی کیا ضرورت ہے؟ بس اب ان کی منطق تم ہو گئی درس کتاب بغل میں
مار رخصت ہو گئے بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے کئی روز سے حضرات علماء سہارنپور
کو تنگ کر رکھا تھا اور وہ حضرات خوش اخلاقی سے اس کو دلیل سمجھا رہے تھے۔ لیکن
میں نے چار منٹ میں اس کو جواب کر کے اٹھا دیا۔

یک سے نجات ہوئی تو یہ جنٹلمین صاحب آئے یہ ذرا مہذب تھے۔ کہنے لگے جناب سے بھول ہو رہی ہے۔ میں نے کہا فرمایئے۔ کہنے لگے بعض جہلاء سلمہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ سے نہ ہونے سے دل دکھتا ہے یہ ہمارے سامنے ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے کہ سے میں یعنی بہشتی زیور میں یہ مسئلہ ہے جس کی وجہ سے جہلاء اعتراض کرتے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ بہشتی زیور سے اس مسئلہ کے متعلق مخالفین کا جو اعتراض ہے اس کے جواب سننے کے لئے ایک مجلس منعقد کریں اور اس میں حق واضح کر کے سب کو سمجھا دیا جائے، میں نے کہا جناب یہ تو عوامی میٹنگ ہے، بات قاعدہ شرعیہ بالفعلیہ ہے ہم فن والے ہی کو غیر ہم سے مقدم رکھا چاہئے سو یہ جہالت تو وہ ہے جو صحابہ کی شان میں گستاخی کرتی ہے کہ سے بدتر وہ جہالت ہے جو ائمہ مجتہدین پر طعن و تشنیع کرتی ہے کہ سے بدتر وہ جو سب سے بدتر ہے اس سے بدتر وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطعون کرتے ہیں کہ سے بدتر وہ جو خدا تعالیٰ ہی کو نفی کرتے ہیں یعنی دہریہ پس کام ترتیب سے ہونا چاہئے کہ پہلے ان دہریوں کو سمجھایئے جو خدا تعالیٰ کی شان میں سب و شتم کرتے ہیں پھر ان سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں پھر جو صحابہ کو برا کہتے ہیں پھر جو ائمہ دین کو برا کہتے ہیں پہلے آپ ان سب کا انتظام کر لیجئے پھر ہیں خیر ہیں ایسی جماعت کا انتظام ہو جائے گا جو بہشتی زیور پر طعن کرتے ہیں کہنے لگے واقعی بہشتی زیور کے مسئلہ کی تو بظاہر ضرورت تو نہیں لیکن اس میں ضرر بھی تو نہیں کہ ایک غیر ہم کا مقدور ہو جائے میں نے کہا یہ مشورہ ہے یا حکم۔ کہا مشورہ ہے میں نے کہا تب آپ مشورہ دے چکے آپ سبکدوش ہو گئے آگے میرا کام ہے تسلی کر دوں یا کروں آپ تشریف لے جایئے۔

غرض ہمیں مذاق عوام کا اتباع نہیں کرنا۔ اندھے کے آگے روئے اپنی

کھتے ہے، ق کھتے ہیں ، ری بات وہ سمجھتے ہو خرق ہو یہ علم ہم سمجھ نہیں سکتے۔

ہاں یہ تو نہیں ہتا کہ وسب سر معلوم ہیں ہاں وہ ہتے ہیں کہ بعض سر وفقہ تدنی و معلوم ہیں و سی و معلوم ہیں لعض رسول صلی اللہ علیہ وسلم و معلوم ہیں اور رب کو معلوم ہیں و بعض دیا و معلوم ہیں لیر دیا و معلوم ہیں و بعض علماء و معلوم ہیں جمہور و معلوم نہیں یہ ہیں یہ وہ یں و سب ن لیر یں معلوم ہیں مگر علوم ن طرح تنے ناوقف بھی ہیں ن و معلوم ہیں طرح علوم نہیں ہتے یہ روست مندست مزدوں و لیر ں سے یا ہے سر صد وست ے ہ جس سے پا ں کا لیر یہ وہ نہیں ں کا پتہ بھی دیست۔ یہ تھ ہے پا ں کا ہے ہا ہے ے سے ہا تھ تو ڈیا تو یا ہا ہے ہ ے سے پا ں کا ں نہیں ہے تھوڑے سکتے ہے کہ وہ تلوں نے ے ہ ہا تھ چھوٹے ہی ہی۔ ں و ر حت لیر ے پ خود و ی ہی کر ے یا تھوڑے بھے ں کا یہ عقصان ے کی طرح الرحمٰن و ر عام نہ بھیں ں کا یہ عقصان ہے وہ تو ر حت ہیں ہیں اور نہ ے ں نہیں و ہی ہر ں ہتے ہیں۔ ؎

با دل ہوئید ہر ر تسل ر ستن ہمہ ر یہ او ر ع خو ا پ ستن

ں سے پا ں ہ ہست ہیں ہ ہ ہیں ہ ے کی و ا ر ف ستیہ ری فر ہتے ہیں ؎

مصلحت نیست ہ ہ ر ق ہ ر ہمہ ر بجلی ز ہ ں خ ہ یت ر یست

یعنی ں کی ضر ری جر ے تو ں و معلوم ہیں ہ ر ہتے ہیں مصلحت نہیں ر وہ یہ نہیں ں ستے۔ ں کا ہا طبیعے ہیں ر ہ ر ق ہے ہ ہ ں ہ کرنے سے ں کا ہیں سست ہوتا ہے ویں ں قوت کی ہیں ہے۔ ں کی مصالح نہ تبدیل

بلکہ مصالح کا بھی یہی درجہ ہے مگر مصلحت مقصود نہیں۔ مقصود صرف ایک چیز ہے جس کے سامنے سب مصالح قلیل پیسنے میں مصالح پیسنے ہی سے سالن میں مزہ آتا ہے وہ مقصود ہوں کی چیز ہے وہ چیز ہے جس کو شیرینی فرماتے ہیں ؎

مصلحت دیدن نشست یزدہ بیگانہ ہمہ رندہ خرطوبیاں میرند

یعنی ٹرن مصلحت بینی سے سب کو گل شاد و یک دست

مذہب عشق اے یعنی مرنے کی فکر میں عاشق کا کام ہے۔ معشوق کس سے راضی ہو جائے معشوق کو عاشق سے ہے اس مٹر سے اس مٹر تک نگاہ پھر تو یہ عاشق یہ گیا کہ تم سے تو مکان پر بھی کرتا تک نہیں تار کیوں ہماری دعوتی کرتے ہو یعنی شرمندہ کرتے ہو بے عزت کرتے ہو۔ بلکہ اگر عاشق ہے تو پوچھے گا بھی نہیں بے دھڑک ٹکا دو جائیگا کہ سچا عاشق ہے تو زبان جانتے ہوں ہے گا۔ ؎

خوش تو خوش ورنہ برجاں خوش

گر کوئی اس سے ہے کہ کام کچھ سوچ کر تو محبوب سے ہے پر نہ چلو لوگوں سے پوچھ کر مشورہ کرنے کا کرنا چاہیئے تو کہیگا بھائی اس سے پوچھو یہ تو مذہب عشق کے خلاف ہے اس کا مذہب تو یہ ہے۔ ؎

دل آرے کہ دری دل دروبند دگر چشم ہمہ عالم فروبند

عاشق کا دی مذہب ہے جو محبوب کہہ دے دوسرا عاشق بتاتا ہے ؎

ہمہ شہر پر رو باں منم و خیال ماہے چہ نکو بہ چشم بندم چہ نکند بہ نگاہے

سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے مگر مجھے تو یک دست کے سوا دوسرا کوئی نظر نہیں آتا ہم نے اپنے دو ایک دست کے سوا دیکھنے ہم و شعور کی ضرورت نہیں ہے۔ جب عشق مجازی یہ حال ہے تو عشق حقیقی کا حال ہوگا خود سمجھ لو۔ ممکن نہیں کہ خدا کا عشق ہو اور یہ حالت نہ ہو۔

رہے ہم جیسے عاشق نہیں جو عاشق ہوں اس حالت میں کہ ہم عاشق
ہوں ہمیں ہماری تمناؤں کے مطابق ملتے ہوئے ہیں وہ ہمیں تو ہمارے لائق
ہے وہ ہمیں سے عاشق ہونا لازم ہے جبکہ ہم تو ہمارے ہی ہمدردوں کا ارشاد ہے
کہ ہمیں ہمیں سے عشق نہیں تو ہم سے عشق لازم ہے۔

اس کی ہمیں ہمیں ہمیں جیسے ہی ہمارے وقت ہمیں سے فرمائے
ہوئے وقتوں ہمیں ہمیں نے اس کا ہمیں مطلب ہوا فرمایا وہ ہمیں ہمیں
ہمیں جدید ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں
ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں
ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں
ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں
ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں
ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں ہمیں

ہو یہی میں نے کہنے یوں وقوعہ یا تھا وہ ہا ہے ان کمزوری کمزوری
دیا تھا ان پر آپ جیسے کہ جاتی ہیں تو منصب ان پر یہ مستول پڑ گئی جب تو
سے یہ فون کیا تو ان بھی دیا وہ بڑی ورکی بھی۔ غرض پورا ان غلط دیا
ہو کا فرمایے یہ فیصلہ صحیح ہے یا غلط ؟ کہ صحیح ہے ورضرور صحیح ہے، تو یہی فیصلہ
آپ پر بھی جاری ہوگا۔ جب آپ سے ہم نے کہا تو تقیہ دو حالت عشق و محبت
سب کو قبول یا ب جائے ہاں ہو تو تو عاشق ہوئے اور اس کے مدعی ہیں لہ
اور لطف نہیں ہوتا ہے گر عشق سے گھبراتے ہو تو ہم نا سوچتے ہا ہو اس وقت
حیران کرتا تھا خوب ہا ہے عارف شیرازی نے ؎

من ز آں حسن روز افزوں کہ یوسف دشت دستم
و عشق ز پردہ عصمت بروں آرد زلیخا۔

محقق نے تو اس وقت سمجھ یا تھا کہ ہم نا ہا ہ عشق کا طوق گردن میں
ڈال لیا۔

وہ بھی ظاہر ہیں کہ ڈ ہا ہے ورنہ وہ تو روز میثاق ہی سے پڑ ہو ہے حق
تعالیٰ فرماتے ہیں۔ عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین
ان یحملنھا و اشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولاً
یہی تو امانت ہے یعنی تقیہ و حالت، جس کی یہ قسم عشق ہے گو قرآن میں لفظ
عشق نہیں ہے مگر جو لفظ ہیں حقیقت تو ان عشق کی ہے۔

سیدا ستر دیں بات یاد آگئی وہ یہ کہ دیا

جاہل صوفیاء میں سے جاہل صوفی بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن میں لفظ عشق
موجود ہے بھائی قرآن میں کہاں ہے اور سے آخر تک دیکھ لو لفظ قرآن تو فقط
ہیں معانی سبتہ غیر محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔

جاہل ہوں جو اب دیا ہے ہم عشق یہ نہیں ہیں عشق ہے کسی سے کہا کہ میں
ہیں تو نہیں ہے اور عشق ہیں نہیں ہے تو پھر کہتے ہیں کہ اصل میں تو نہیں ہیں تو ظاہر
چونکہ حضور پڑھے ہوئے تھے ہیں معبود باللہ اس نے آپ سے نہیں دیکھا
لگتا تھا اس نے آپ کی زیارت نہیں کی اب یہ اب ہیں صلی اللہ علیہ وسلم پر
بھی وہی اعتراض ہو گیا جو جہاں پر تھا۔ مہد بتلاتے تھے اس روایت پر یقین نہیں
ہے حضور کہاں کی روایت ہے اور روایت بھی ہو چھ ترمذ نہیں ہو کہ اور جلسے
کے بہت دے نے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک محب نہیں مرحضور و رب عزوجل
تھے آپ سے نہیں کا نہ ہوں بہت عجیب بات ہے گریب ہوتا اور ہی
ہوں تو ضرور ہیں ہیں ہوتی ہیں شروع جلد میں ہو ہوتا ہے شعر ہے
وہ شروع ہے وہ شروع ہے وہ شروع ہے وہ شروع ہے اور
قرآن میں ہیں ہیں ہوتا ہے شعر شعر قرآن کا نام لیا ہے۔ ان جاہلوں
نے ریسرچ یہ نہیں ہے۔

یہ جاہل ہوتی اس سے بھی خوبصورت نکالتے ہیں جہاں یہ کہ جاہل
ہوتی ہے نفس کی ہیں ذاتی ہے معنی بیان کرتا ہے نفس تیری بھی سمجھ آئی
ہوئی پوچھے یہاں نفس کہاں سے گیا شاید اس کا ماخذ یہ ہو سیل بھی کالی ہوتی ہے اور
نفس بھی کالا ہے۔ اس مناسبت سے سیل کے معنی نفس کے لے اور ذہن میں ہمزہ زیادہ
آگیا ہوگا اور ذہن کے معنی ہیں بھی۔ کیونکہ سم سانپ ہے اور سچ معرب ہوا کالبس تفسیر
مکمل ہو گئی۔

یہ ہی ایک واقعہ ہے ہم نے اپنے چھوٹے ماموں صاحب سے سنا تھا کہ
ایک بار فقیر نے ماموں صاحب سے پوچھا بتلا رزق بڑھے یا محمد؟ ماموں صاحب نے
کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ سب سے زیادہ ہے جن کے طفیل دونوں عالم پیدا ہوئے

وہ تمہارے مخلوقات ہیں اور رزق مخلوق ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے پھر ڈنڈ کھا کر
کہا [illegible] رسول اللہ دیکھ رہے ہیں یا نہیں دیکھ رہے ہیں
اس کو یہ تحقیق ہے کہ اللہ کے تصور کی خدا پوجا [illegible]

جیسے کسی نے کہا ہو [illegible] جو اپنے بیوی کے [illegible] کا حق
حق نہیں ادا کرتا ہے تو کچھ نہیں دیتا ہے تو بیوی کی خدمت کیا کرے گا جب یہ سوچا
کہ ان کو کپڑا نہیں دیتے ہو تو وہ کپڑا دیتا ہے قرآن میں ہے اطعمھم من
جوع [illegible] دیتے ہیں [illegible] کہتے ہیں مدینہ میں یوں
کو کہتے ہیں جو [illegible] مدینہ کے [illegible] حضرت شاہ
عبدالعزیز صاحب سے پوچھا آپ نے مستدرک [illegible] حوالے فرمایا
کہ تو نے سونا بھی دیکھا ہے؟ ہاں فرمایا پڑھ جب اس نے پڑھا [illegible]
فرمایا دیکھا سب سے کہ معلوم ہو [illegible] کا تو سب ہے اور جو
کا تو [illegible] کہتے ہیں [illegible] ہے بس یہ کا طلاق یوں ہی [illegible]
[illegible] کسی کے سوال پر [illegible] جس سے اس نے خلاف سے مستدرک
کیا تو شاہ صاحب نے ثابت کیا ہے جو دیا نہ قرآن میں عشق کا لفظ نہیں ہے
اس ایک ضعیف حدیث میں ہے من عشق فکتم فمات فھو شھید یہ حدیث
[illegible] حسنہ میں ہے عمر بن کی سند میں کلام ہے مگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا
جاوے تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ عشق کا لفظ حدیث میں ہے مگر قرآن میں تو چیز نہیں
نہیں بلکہ معنی موجود ہیں کہیں اس کو محبت کہا گیا کہیں حب سے تعبیر کیا گیا کہیں [illegible]

[illegible] قد ورد لفظ العشق فی حدیث آخر اخرجہ [illegible] کما فی المستدرک
فی مناقب خدیجہ رضی اللہ عنہا من طریق باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر

[illegible]

حیات قتیل

ڈگڑہ روحانیت پیش گو

مترس از محبت کہ عاشق کند

فلسفی اور سائنس کی غلطی

تیسرا باب احکام میں دنیوی منافع

سمجھتا ہے

[illegible] ہے جب کہ [illegible] یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے بھی [illegible] وشت پیدا ہوتا ہے [illegible] وحشت کے دوست وہ مسافر ہیں جو [illegible] وقتی ضرورت کے [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] جیسے حدت کا زمانہ [illegible] ہوتا ہے اسی طرح بعض وقت عام سرد نہیں ہوتا ہے اس وقت دوسرا موسم بڑا خوشگوار ہوتا ہے [illegible] مناسب احکام بتلانے سے ہیں۔ غرض ادھر ادھر سے سب کو چھانٹے کی بڑی دقت ہوئی۔

یہ آدھی قسمت ہو جیسے کسی بچے کی ولی نے پاس ایک دوشالہ تھا اس نے کسی درست نے اپنے بڑے کی شادی کے موقع پر اس سے مانگ کر دولہا کو اڑھا دیا۔ بعضے نور روز پوچھنے لگے کہ دولہا دوشالہ اڑھنا تو آپ لکھتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہے مگر دوشالہ معلوم ہوتا ہے [illegible] باپ نے کہا یہ کیا مضحکہ تھی دوشالہ جتلانے کی یہ ضرورت تھی اچھا اب نہیں کہوں گا کوئی دوسرا پوچھتا ہے [illegible] دولہا کون ہے، تو آپ فرماتے ہیں دولہا تو یہ ہے مگر دوشالہ میر [illegible] پھر شکایت یہ ہے کہ یہ [illegible] کی یہ ضرورت ہے [illegible] نہیں کہتا پھر ایک شخص پوچھنے لگا کہ دوشالہ کون ہے! آپ نے کہا دولہا تو یہ ہے مگر دوشالہ کا پھر ذکر ہی نہیں۔ دولہا کے باپ نے دوشالہ آنریبل کے کندھے پر پھینک مارکہ لے تجھے اسی کا سبق رہ گیا ہر وقت دوشالہ ہر وقت دوشالہ۔

اسی طرح کی ایک اور حکایت یاد آئی کہ کسی بچے نے کسی بوڑھے مرغی دی تھی سب نے جب یہ بات سنی مرغی کا ذکر تھا یہ بات اس وقت ہوئی تھی جس دن میں نے آپ کو مرغی دی تھی یا یہ کہ جس دن مرغی دی تھی اس سے ایک دن پہلے کا یہ قصہ ہے یا اس دینے سے دو دن پہلے یا پیچھے ایسا ہوا تھا غرض سب نے مرغی مرغی کیا ہوئی

غدر ہی ہو گیا یعنے تو وقعت کا وقت بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ غدر کے زمانہ میں یہ واقعہ ہوا یا غدر سے یہ سال آگے یا پیچھے۔ جس طرح روشناہ و سرخی کے قصہ میں ہر جگہ درسروقت روشناہ و سرخی کا سبق رہ گیا تھا یوں ہی مولانا صاحب نے ہر جگہ بڑی سرجگہ بڑائی کا سبق یاد کر لیا ہے یہ خدمت کی قرآن کی الموس ن لوگوں نے یہ گت بنا رکھی ہے کلام اللہ کی ورعوام ہیں کہ سیدی تفسیروں پر ٹوٹے ہیں مگر میں صاف کہتا ہوں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ قرآن کی تحریف ہے۔ نماز دنیا کے لئے ہرگز نہیں ہے ہاں خدا کے لئے ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اقم الصلوٰۃ لذکری نماز میری یاد کے لئے پڑھا کرو۔ روزہ کے بارہ میں آیا ہے کتب علیکم الصیام لعلکم تتقون روزہ بھی خدا ہی کے لئے ہے جس سے مقصود تقویٰ و ایمان دین ہے حج کے بارہ میں وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا صاف آیا ہے تو صل مقصود تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ محض رضائے حق کے لئے ہے۔

حقیقت بلا و نعمت مگر یہ حکام اپنی خاصیت سے ہیں دنیا میں کہ جامعیت اور برکت ہے کہ ان سے منافع دنیوی بھی بلا قصد نصیب ہو جاتے ہیں مگر مختلف طور پر حاصل ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات حساً اور ظاہراً تو بلا ہوتی ہے مگر معنیً و باطناً نعمت ہوتی ہے یہ نکتہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد سے معلوم ہوا۔ ایک بار فرمایا کبھی نعمت بصورت بلا ہوتی ہے چنانچہ خضر علیہ السلام کا کشتی کا توڑنا ظاہر میں بلا تھی مگر حقیقت میں نعمت تھی۔ نعمت کا بصورت بلا ہونا قرآن میں بھی یہ ہے ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات ظاہر میں یہ بلائیں ہیں مگر اصلاح اخلاق کے اعتبار سے یہ نعمتیں ہیں کہ ان سے تربیت باطنی ہوتی ہے۔ ایک بار حضرت اس مسئلہ کو اس طرح بیان فرما رہے تھے گویا اس کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ اس مجلس میں ایک شخص آگیا جس کا ایک ہاتھ زخمی تھا اور وہ

سیاہ ہو گیا تھا کہ نے حضرت بہت تکلیف ہے میرے لئے دعا کیجئے ہم طالب علم دل شبہ ہوتے ہیں جب دیکھیں تکلیف یا مرتے ہیں گردہ ماندن تو اس بے چارے دل کی تو یہ تکلیف سے خلاف ہے اگر کی تو بھی فرمائیے یہ بھی نعمت ہے تو اس صورت میں یہ دعا سب نعمت کی دعا کریں تو یہ دعا کیا ہوئی مرشد کیلئے حضرت والوں سکھا دے ان کی وہ شان ہوتی ہے دی ن دحسن تادی دحمی ف داحسن تقیمی حضرت نے کہ ہے رہاں اور مضمون دعا کا یہ فرمایا کہ ہم دس برس بھی سوچتے تب بھی نہ سوجھتا حضرت نے عاجز فرمایا ہے تو یہ مرجانے ہیں کہ یہ بھی نعمت ہے مرنے لگتے ہم اپنے ضعف کی وجہ سے اس نعمت کا حل نہیں کر سکتے جیسے ہوں ول بھی نعمت ہے عاجزی ہوا ضعف کی وجہ سے نعمت نہیں کر سکتا پس اس نعمت مرض و نعمت صحت سے مبدل فرمایئے میں نے پہلے دن میں کہا سبحان اللہ دکان سلطنت ہے یہ طبیب نہیں ہمارے اس مرض کو رفع کرنے کے لئے ہی حضرت نے دوا بندے ہیں ہو مرض نعمت کبھی صورۃ ہوتی ہے اور حقیقۃً رحمت جیسے پریشان ہے کہ تو لطف مگر بصورت قہر۔ اگر لطف نہیں تو ڈاکٹر اس پر انعام کیوں دیتا ہے آپ اس ولیس اور انعام کیوں لیتے ہیں؟ صاف کہہ دیتے کہ ایک تو ہمارے بدن میں زخم کیا پھر اس پر انعام چاہتے ہو، مگر وہاں انعام دیکر بھی ہاتھ جوڑتے ہیں کہ حضور معاف کیجئے گا بہت قلیل ہدیہ ہے ہم آپ کو کچھ بھی نہ دے سکے۔ بلکہ بعض وقت گرریض دکھو دے نہ سوگھا جائے کیونکہ اس کا دماغ کمزور ہے تو وہ پریشان کے وقت ہاتھ دیا بھی تڑپے مگر دل میں اس سے خوش ہے کیونکہ اس کا نجام راحت ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے بندوں سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صورت تو غضب کی ہے مگر واقع میں ہوتی ہے رحمت۔

چنانچہ یک رحمت کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے یذیقھم بعض

[illegible]

وعدہ نہیں بلکہ وہ مطلوب بھی نہیں ہے اس لئے دعا کا متعلق نہیں ہو ذوق و شوق کے لئے دعا تو کرو کہ خدا نصیب کرے مگر مطلوب کی توفیق ہوتے ہوئے غیر موجود کے نہ ہونے سے اپنے کو محروم نہ سمجھو یہ حسرت ہے ؎

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ　　پائے بوسی اندریں دم شد گناہ

بادشاہ، گرچہ چومنے کے لئے ہاتھ دے پاؤں کیوں چومو اسی طرح گرتم کو رضا و اسباب رضا حاصل ہوں اور ذوق و شوق نہ ہو تو غم نہ کرو۔ رضا کے مقابلہ میں ذوق و شوق کیا چیز ہے؟ تو سالکین سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ وہ موجود و غیر موجود میں فرق نہیں کرتے ہیں اگر ذوق و شوق نہیں ہوتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ ہم گئے گذرے ہیں چنانچہ شکایت کرتے ہیں شیخ سے کہ ہم کو ذوق و شوق نہیں ہے۔ اے صاحب مزا مطلوب ہے یا خدا کی رضا، عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد از و بغیر او تمنائے

چاہے ذوق ہو یا بے ذوقی ہر حال میں اسی کے طالب رہو ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم در کش

کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

اُدھر سے جو کچھ عنایت ہو سر آنکھوں پر ہے قبض ہو تو سر آنکھوں پر بسط ہو تو سر آنکھوں پر سو عنا اسی کو فرماتے ہیں ؎

رو رہا گر رفت گو رہا نیست　　تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

رو نہ سکنے میں جو درد ہے تو بماں کا مطلب یہ ہے کہ تو ہمارے ساتھ رہ آپ کی معیت ہونی چاہیئے درس۔ ان شاکیوں کی نسبت حضرت سرمد فرماتے ہیں ؎

سرمد گلہ خستہ دلی باید کرد　　یک کار زیں دو کار می باید کرد

مذہب نے [illegible] سے [illegible] سے [illegible] س

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۲ ستمبر ۔ ۔ ۔

[illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے [

تہذیب اخلاق

دقائق شریعت

[illegible] کے بعد بھی اے شیطان تو خوش نہ ہونا کیونکہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔ میں نے یہ دعا نہیں مانگی ہے۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ محض خدا کا حکم بجا لانے کے لئے استعاذہ پڑھا ہے ورنہ میں تجھے اس قابل نہیں سمجھتا کہ تجھ سے ڈر کر پناہ مانگوں۔ خدا کے بغیر ترکیہ کر سکتا ہے؟ تو ہی ہمت کرنا اور واقعی ایسے بزرگوں کا وہ کیا کر سکتا ہے انہ لیس لہ سلطان علی الذین [illegible] وعلی ربہم یتوکلون

غرض بزرگوں کی حکایات سے حیرت ہوتی ہے یہاں تک کہ نظر پہونچی ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تک جنہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ریاء کی دو قسمیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ بندہ خدا سے ریاء کرے سبحان اللہ یہ حضرات بیانات نظر میں اور خدمت ریاء کی صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص خلوت میں تو نماز پڑھتا ہے جلدی جلدی اور خلوت میں بھی۔ پھر یہ دقیق خیال ہوا کہ شیطان کہیں یہ نہ کہے کہ خلوت میں تو تقصیر کرتا ہے وجلوت میں تطویل۔ آپ نے تنہائی میں بھی وہی نماز شروع کر دی تو اس شخص کا مقصود خدا کے لئے تطویل صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ مخلوق کے لئے ہے دراصل اس کو تطویل جلوت ہی میں مقصود ہے مگر اس خیال سے خدا نہ کرے کہیں کہ ہمارے لئے تطویل نہیں کرتا ہے اس لئے خلوت میں بھی تطویل اختیار کی تاکہ جلوت میں تطویل کر سکے سو یہ کتنا بڑا خدا ہے ایسے ہی مخلصین کے حق میں کہا گیا ہے ؎

زنہار از قرنہا خواہی کہ فرزیند ۔۔۔ حق را بجوئے و نبی را بدروئے

تو کیا یہ علم کسی فلسفی کے پاس ہے جو نزل کے پاس ہے ہرگز نہیں اور یہ انہوں نے شریعت ہی سے سمجھا ہے۔ شریعت کے حکام پر قربان جایئے اس میں وہ دقائق و اسرار ہیں جو کسی حکیم کے یہاں نہیں۔ افلاطون کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا حکماء کون کون ہیں اور کچھ حکماء کے نام گنوائے کہا یہ کچھ بھی نہیں وہ دیوانے کیا جانیں کہ حکمت کیا چیز ہے پھر اہل حق میں سے کسی کا نام لیا تو کہا اولئک ہم الفلاسفۃ حقاً

وقتی فرصت یہ ہیں کہ سب ہماری کیا حالت ہے اپنے گھر کی خبر نہیں دوسروں کے پیچھے پھرتے ہیں دین داری سے علم و تہذیب کو حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ سب تمہارے گھر کے فقیر ہیں اس باب میں ہماری وہی مثال ہے ؎

یک سبد پر نان تر بر فرق سر　　تو کمی جوئی سبب نان در بدر

ٹوکرہ روٹیوں کا سر پر رکھا ہوا ہے در بھیک مانگتے پھرتے ہیں ؎

یک سبد پر نان تر بر فرق سر　　تو کمی جوئی سبب نان در بدر
تا بہ زانوئی میاں قعر آب　　در عطش در چوخ گشتی خراب

یعنی گھٹنے تک پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہائے پانی ہائے پانی اور ہائے روٹی ہائے روٹی پکار رہے ہیں۔ سر پر روٹی کا ٹوکرہ ہے اور نیچے دیکھ پانی ہے ہمارے گھر میں اتنی بڑی دولت ہے پھر بھی ہم دوسروں پر حسرت کرتے ہیں تعجب ہے ہمارے اوپر۔ کل میں یہ بات بہنا بھول گیا تھا آج اس کو بیان کر دیا۔

محاسن معاملہ و معاشرت

میں نے بھی کتاب ہے کہ عقائد و دیانات و اخلاق کے مصالح تو بیان ہو چکے ہیں معاشرت و معاملات کا بیان رہ گیا تو آج معاشرت و معاملات کے حکم اور مصالح کا بیان ہونا چاہئے ان دونوں میں ایک وجہ جامع بھی موجود تھی کہ دونوں کا تعلق عباد کے ساتھ ہے چنانچہ آج یہی وجہ تھا کہ ان کا بیان استیعاب کیساتھ ہو جائے گو تدریجی بیان مجملاً ہو بھی چکا ہے مگر تمہید اتنی بسط ہو گئی کہ اس میں وقت زیادہ گذر گیا پھر یک درکام نکاح کا بھی ہے لہذا آج بھی استیعاباً اس کا بیان نہ ہو سکے گا اور گو استیعاباً تو پہلے بھی نہ ہوتا مگر اجمال کے مقابلہ میں کچھ تفصیل ہوتی مگر چونکہ تمہید میں بہت وقت گذر گیا ہے لہذا اب مختصر بیان ہوگا۔

تو سمجھ لو کہ معاملات و معاشرات کے سارے احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی سے

کی تو بندہ دفتر نہ تو وہ جانی ہے ۔ اس کا فائدہ شریعت میں ہے اور جو پہ سیا ہے
بنا چہ سب فقہ میں لکھتے ہیں کہ تجارت میں کسی کو خوش نہیں چاہیئے اور لکھتے ہیں بات
بات سے بیوپار چھپائے تو دیکھئے ان درست کوئی میں دنیا کا نفع ہے

کانپور میں ایک بانس منڈی ہے بہت سے اس بیچنے والے ہیں ایک بار
ہوا تھا ان میں سے ایک شخص ایسا سچا تھا کہ اس سے کسی بانس کے متعلق بات
چاہا ۔ یہ کہتے ہی اس نے دو ٹوک صاف جواب دیدیا کہ دوسری جگہ جائیے ۔ یہ کسی طرح
جھوٹ بولنا مروت سے زیادہ ہے ۔ ہاں سست کہہ دیتے ۔ ہمت درست نہیں چلے گا یا
سہ نہیں علیہ السلام کے بھروسے تک رہیگا ۔ اس وجہ سے دوسری دکان پر جو جواب
بڑی موٹی گنتی کرنے والے ہیں ہمت کم ۔ مجبوروں سے اس نے بہانہ اس طرح سے
بنا بیٹھا نہیں وہ تو بات کہہ دیتا تھا ۔ بے پانی ہے ۔ بانس ۔ خیر بانسوں کا جھوٹ
نہیں بولوں گا ۔

ع ہمیں سہ تر ساخت جاں را چہ سود ۔ گر زندہ نباشد ایماں را چہ سود

غرض ہمارے شیخ نے اس مجبوری پر سچ بولنے پر مگر اس کے بیان پر بھی ہزاروں گاہکوں
یوں ہی بیٹھا رہتا ہیں پھر زمانے بعد قسمت سے بیٹھا ۔ لوگوں نے جو خبر پہنچائی تو اور
دکانداروں کی تعریف کے موافق ان نہ پایا خراب بانس نکلے اور پہ جتنے دن بہہ دیتے
اس سے بھی کچھ زیادہ ہی چلتا ۔ اب خریدار جو گرے ان کی دکان پر تو بے چارے دکاندار
سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی ۔ غرض سچ بولنے سے برکت ہوتی ہے ۔ چند دن تو نقصان
معلوم ہوتا ہے مگر بعد میں نفع ہی نفع ہوتا ہے ۔ حدیث میں ہے کہ گاہک میں عیب
ہو تو صاف کہدے کہ اس میں یہ عیب ہے ۔ اس سے برکت ہوتی ہے ۔ ان تبین
وصدقا بورک لہما وان کذبا وکتما محقت برکۃ بیعہما ۔

اگر عیب کو چھپایا یا جھوٹ بولا برکت مٹ جائے گی ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے

ہے کہ اس میں فریب ہے ورنہ فی سود کا فریب ہے۔

میرے ایک دوست نے سترہ سو روپیہ سود دیئے تھے اور یہ سب تجارتی غفلت میں رہنے کا نتیجہ ہے ورنہ فرض کا ترجیحیت دینا ہوتے تو سود کی قرض لیتے ہی کیوں؟ اگر یہ تھا تو مدت جلد دینے کا تمام ہوتا مگر سب تو مسلمانوں میں غفلت سے نوبت ہے ورنہ وہ مہاجن برستا نہیں وہ تو دل سے چاہتے کہ برس دس برس تک قرض بھی نہ ہو تو بھی نہ ہے قرض تھوڑی مدت میں سود در سود مکر چار ہزار ہو گیا جس میں سب جائیداد ہو گئی۔ ان حضرت کو ایک اور بھی سبق ملا کہ اتنے روپیہ کے تو مقروض نہیں تھے ہی جائیداد بکتی تو فوراً خرید لیتے وہ بھی قرض لے کر۔ اگر کہا جاتا کہ قرض لے کر کیوں خریدتے ہو؟ جواب ملتا ہے رہے جائیداد ہمیشہ نہیں ملتی پھر سب کی قرض میں پڑی۔

اس جواب پر ایک مشہور قصہ یاد آگیا ایک بزرگ کہیں سے حج میں جونپور سے دہلی گئے۔ وہاں پہونچ کر سب سے پوچھا کہ یہاں سے واپسی میں کتنے کرایہ پر جاؤ گے معلوم ہوا کہ جتنے میں آئے ہے اس سے دگنا کرایہ لے کر چلے جائیں گا آپ اسی وقت جونپور واپس آگئے کہ شاید پھر تگنے کرایہ پر گاڑی ملے یا نہ ملے۔ یہی اس جواب کا رنگ ہے کہ اب جائیداد سستی ملتی ہے خرید لو۔ مسلمانوں کا اس بے فکری نے ناس کر دیا۔ اس فریب کو دیکھ کر شریعت نے سود کو حرام کر دیا۔

اور سنیئے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک جائیداد بیچنا چاہتے ہو تو اس کی قیمت سے دوسری جائیداد خرید لو ورنہ اس روپیہ میں برکت نہ ہوگی۔ کیونکہ نقد میں برکت نہیں ہوتی خرچ ہو جاتا ہے۔ دیکھئے شریعت نے ہماری دنیوی راحت کی کتنی رعایت کی کہ جائیداد بیچنے سے منع بھی نہیں کیا کیونکہ بعض دفعہ ایک جائیداد سے نفع نہیں ہوتا تو اس کی تجارت دی کہ بیچ دو مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جلدی

کرو اور اس رقم سے دوسری جائیداد خرید لو۔ یہ نکرو کہ جائیداد بیچ کر تجارت کرنے لگو کہ اس میں نفع زیادہ ہوگا شریعت نے اس میں وسعت نہ رکھی اس لئے کہ اس میں بقدر کی صورت ہے جائیداد کو کوئی جوا نہیں سمجھتا اور یوں جائیداد بیچ کر روپیہ سے تجارت کی جائے یا گھر میں رکھا جاوے تو اس میں خوف ہے نقصان کا بھی اور چوری کا بھی۔ چنانچہ ایک مقام پر یہ واقعہ ہوا ہے۔ ایک مہاجن آدمی نے جائیداد بیچ کر کھدر کا کارخانہ کھولا۔ کپڑا بننے لگا۔ تو ناحضرت نے چار ہزار کی جائیداد بیچی اور ایک ہزار سے کام شروع کیا تین ہزار گھر رکھے۔ جب کھدر کا زور شور کم ہو کھدر میں تو یوں نقصان ہوا اور روپیہ جو رہنے نہ جائیداد رہی نہ روپیہ رہا۔

اسی حال ہوا جیسے کسی چور کا قصہ ہے کہ ایک گھوڑا بہت قیمتی چرا کر لایا تھا اب جو اس سے پیچھا چھڑانا چاہا تو کسی نے نہ خریدا کہ اس کے پاس آیا کہ گھوڑا بیچنے ہو کہا ہاں اس نے کہا اچھا زین سمیت ہو تو بیچ دیں گے اس نے اپنے جوتے تو اس کے حوالے کئے اور سوار ہو کر کچھ دور گیا پھر چلایا تاکہ اس کو شبہ نہ ہو۔ پھر کچھ دور گیا اور چلایا تیسری مرتبہ پھر کچھ دور گیا اور ایسا غائب ہوا کہ پھر پتہ ہی نہ دیا اب آپ اس کی جوتیاں لے کر گھر واپس آئے کسی نے پوچھا وہ گھوڑا کتنے میں دیدیا کہا جتنے میں لایا تھا اتنے ہی میں دے دیا یہ جوتیاں نفع میں ہیں۔

اسی طرح یہاں سب جائیدادیں اور کھڈیاں نفع میں رہ گئیں اور پھر بھی ترقی ہے کہ وہاں تو مفت کا گھوڑا تھا مگر یہاں تو دام کی چیزیں اور روپیہ بھی جائیداد بیچ کر آیا تھا غرض نہ جائیداد رہی نہ روپیہ رہا تو حضور نے ہماری راحت کی کتنی رعایت کی ہے فرماتے ہیں کہ مت بیچو جائیداد بیچو تو دوسری جائیداد خرید لو اور معاملات معاشرت میں سے باب سفر لو دیکھو چنانچہ سب سفروں میں سے یہ ہے کہ سفر میں چار آدمیوں کا ساتھ ہونا چاہئے علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر اس سے کم

ہوئے تو ہم سے باتیں کرنے لگے۔ ہم نے ان سے بیٹھنے کی درخواست کی۔ وہ تنہا بیٹھے گھبرا رہے تھے۔ ہم تو ان کی بعض باتیں سمجھ نہ سکے اور ہمارے ہوں کے دوسری طرف دو دو ہوں کے کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ ان کی جیسے مرعوب تجربے جمع کئے جائیں تو وہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ ان کی ذہنیت نے ملحوظ رکھی ہیں کیونکہ اس کی تعلیم تو اور ہی طرح سے ہے۔ ہمارے ہاں ہے کہ گرتین آدمی ہوں تو دو شخص باہم سرگوشی نہ کریں کیونکہ تیسرا شخص خاطر ہوتا ہے۔ تجربہ سے ثابت ہے اور گر چار آدمی ہوں تو دو دو سرگوشی میں تیسرا شخص نہ سمجھ سکتا ہے کہ شاید کچھ سے چھپاتے نہیں دوسرے سے چھپاتے ہوں۔ خیر یہ ایک ضمنی بات تھی۔

میرے پاس ایک نائب تحصیلدار کے ان کو بیان کی تعمیر کے بارے کی ضرورت تھی۔ مجھ سے تحریر کرنے کی درخواست کی مجھ سے یہ حرکت ہوئی کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے جو مجھ سے پڑھتے تھے اس کے متعلق عربی میں گفتگو شروع کی تھوڑی ہی گفتگو کرنے پایا تھا کہ نائب صاحب نے کہا اردو میں بات کرنے سے معلوم ہوتا ہے شاید آپ مجھ سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں سو میں ابھی سمجھتا ہوں آپ اجازت دیجئے میں یہاں سے اٹھ جاؤں۔ میں بہت شرمندہ ہوا اور کہا ایسے مہذب سے میں کوئی راز مخفی نہیں رکھنا چاہتا نوعمر ناواقف کے سامنے دو آدمیوں کا عربی میں کلام کرنا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔

نیز انہوں نے اس حدیث کو بھی سمجھا کہ گرد و آدمی پوشیدہ باتیں کرتے ہوں تو کسی کو ان کی باتوں پر کان نہ لگانا چاہیئے فرمایئے کس قدر تدقیق ہے۔ نوعمر شریعت کا ایک ایک باب کھولو اور اس کے سنابع و محاسن کو دیکھو تو خود فیصلہ کرو گے کہ احکام

شریعت میں جو جو عیب و منافع ہیں اور کسی میں نہیں ہیں

شریعت وغیر شریعت میں فرق

اگر تمہاری سمجھ میں شریعت اور غیر شریعت کا فرق نہ آوے تو یہ طریقہ فرق معلوم کرنے کا میں بتلاتا ہوں اور وہ بہت موٹی بات ہے وہ یہ کہ شریعت خلاف نفس تو بہت دفعہ کام پڑا ہوگا یہ بھی شریعت کے موافق بھی عمل ہوتو ان دونوں میں بہت بڑا فرق محسوس ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں جس احکام میں نفس کے مذموم ہونے کی وجہ سے حب نفس اسلام ایسی چیز ہے تو تم خود بھی اس پر عمل کرو اور دوسروں کو بھی ترغیب دو یہی عمل مقصود ہے اس شان سے الحمد للہ ہم دیکھ کر اتمام علیہم نعمتی۔ اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں اور مطمع کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ نے ہم کو بہت بڑی نعمت دی ہے ہم کو اس کی قدر کرنی چاہیئے اور اس سے نفع حاصل کرنا چاہیئے

محاسن نکاح

میں نے درمیان میں آپ کو مطلع کیا تھا کہ ایک نکاح ہوگا کہ سب صاحب ٹھہریں اور معلوم کریں کہ شریعت کی تعلیم اس کے متعلق بھی کتنی رحمت کی ہے برخلاف ان رسوم کے جو ہم نے ایجاد کی ہیں کہ ان میں کتنی مشکلات ہیں۔ دیکھئے نکاح کتنا مختصر ہے کوئی چیز ایسی مختصر نہیں ہے۔ سب چیزوں میں پیسہ لگتا ہے مگر اس میں ایک پیسہ بھی صرف نہیں ہوتا۔ کوئی کو سب سے پہلے رہنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے دیکھئے اس میں پیسہ لگتا ہے پھر کھانے میں بھی پھر پینے میں بھی یعنی پانی تو سستے سے منگاتے ہیں مگر سقہ کو پیسے دینے پڑتے ہیں لیکن نکاح میں ایک پیسہ بھی نہیں لگتا کیونکہ نکاح کا رکن ہے ایجاب قبول۔ صرف زبان سے دو لفظ کہنا اس میں کیا لگا۔ اگر کہو کہ نکاح میں لگتا کیوں نہیں؟ چھوہارے تقسیم ہوتے ہیں۔ ارے بھئی تو پیسہ ہی پیسہ لگتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ چھوارا تقسیم کرنا واجب نہیں، رہا مہر سو مہر کثیر ادا نہیں ہوتا ہے اصل چیز جس سے مفر نہیں وہ مقدمے اور مقدمہ کا خرچ ہیں تو ایک پیسہ کا بھی خرچ نہیں البتہ غریب ہیں مہر نور دینا پڑتا ہے مگر یہاں تو کچھ نہیں ہاں جانید دینام ہوتب مہر کا پتہ لگتا ہے پہلے سے کچھ بھی خبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل مہر بہت زیادہ باندھتے ہیں کیونکہ دینا تو ہی نہیں اور یہ تشہیر مہر عادۃ عامہ ہوگئی ہے۔ میں نے ایک جگہ سنا تھا کہ مہر سوا سیر کو دوں ہوتا ہے ہم نے سمجھا بڑا رزل ہے بعد میں معلوم ہوا کہ مقصود اس سے سو سیر کو دوں کے دانوں کی گنتی ہے برابر روپیہ ہے۔ ایک جگہ سنا کہ دس لاکھ مہر پھر میں نے کہا اگر بادشاہ بھی جمع کرے تو وہ بھی اتنے پیسے نہیں جمع کر سکے۔ غرض ایسا مہر مقرر کرتے ہیں کہ وہ دے ہی نہ سکے ہمیشہ شیطان کے پنجے میں پھنسا رہے اور بعض ڈیڑھ لاکھ سو لاکھ مہر مقرر کرتے ہیں جیسا ہمارے قریب میں ایک قصبہ افغانوں کا ہے وہاں یہی دستور ہے۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہے جس میں مہر کم ہو۔

رہا ولیمہ سو وہ بھی سنت ہے واجب و فرض نہیں پھر وہ نکاح کے بعد کا قصہ ہے اور ولیمہ بھی پہلے زمانہ میں سنت تھا۔

رسوم تفاخر

باقی اس وقت جو کثیر رسمی دیر موتا ہے وہ محض تفاخر کے لئے ہے اس میں روپیہ بالکل برباد ہی جاتا ہے اور غور کیا جائے تو ہزار زیادہ روپیہ تفاخر ہی میں برباد ہوتا ہے حتی کہ حیرت ہے کہ آج کل مرنے میں بھی فخر کا اہتمام ہے۔ میں نے حضرت مولانا دیوبندیؒ سے سنا تھا... کسی کتاب سے نقل فرمایا کہ ایک قبر پر لکھا تھا اے شخص عبرت حاصل کر میں بیسے شخص کا بیٹا ہوں جس کے قبضے میں ہو تھی میں نے سمجھا یہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا مگر اس کے قریب ہی دوسری قبر پر لکھا تھا اے ناظر دھوکہ میں نہ

پڑنا یہ ہو کا عیا تھا۔ روی کہتا ہے کہ یہ نے مردوں میں مرنی اور تفاخر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا خیر یہ فخر تو کسی زندہ کی تفریح بھی مگر موت کے متعلق دلچسپی فخر کا قصہ بھی بعض مقامات پر وقوع ہوتا ہے چنانچہ فرہبت مرے تبر تک پہنچ گئے۔ کیرلہ کا قصہ ہے کہ ایک کوجر بہت بڈھا تھا وہ بیمار ہوا اس کا بیٹا حکیم کے پاس آیا اور کہنے لگا جس حکیم جی جس طرح ہو سکے ابا کی دفعہ تو میرے باپ کو اچھا ہی کر دو۔ پھر کہنے لگا اس کے مرنے کا تو غم نہیں غم اس کا ہے اس سال چاول بہت مہنگا ہے گر بڈھا مر گیا تو برادری کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ اللہ اللہ کس قدر معاشرت بگڑی ہے کہ مردے کا تو غم نہیں زندوں کا غم ہے کہ وہ جو چڑھائی کریں گے ان کو کھانا پڑیگا اس کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوگی۔

یہ تفاخر کا علاج ضلع بلند شہر میں ایک رئیس زادہ نے خوب کیا تھا۔ میں نے یہ قصہ سنا ہے اس رئیس زادہ کو دیکھا نہیں۔ قصہ یہ ہے کہ ان کے باپ کا انتقال ہو برادری کے لوگ جمع ہوئے۔ لڑکے نے سب لوگوں کی دعوت کی۔ بڑی تعظیم و توقیر سے جاجم وغیرہ بچھا کر ایک بڑے خیمہ میں کھانے کا اہتمام کیا گیا جب مہمان جمع ہو گئے اور کھانا دسترخوان پر چن گیا تو رئیس زادے صاحب تشریف لائے اور کہا کہ حضرات کھانے سے قبل مجھے کچھ عرض کرنا ہے سب صاحب ذرا غور سے سنیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ حضرات کس تقریب میں تشریف لائے ہیں وہ یہ کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوا ہے والد کے فوت ہونے سے اولاد کو جو صدمہ ہوتا ہے اس کو آپ بھی خوب جانتے ہیں اب انصاف سے کہیئے کہ صدمہ زدہ کا یہ بھی ہے آیا ہمدردی کرنا یا ہمسایہ چڑھا چڑھا کر کھانے کو اس کے گھر آ پڑنا۔ تمہیں کھانے کے لئے تیار ہو کر بیٹھے پر شرم بھی آئی؟ بس میری گذارش ختم ہوگئی اب بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیجئے سب لوگ یہ شرارت دیکھ کر سب کھڑے ہو گئے اور مل بیٹھ کر عقلمند نے مشورہ کر کے کہا رسم کو بالکل موقوف کر دیا اور کہا کہ لڑکے نے بالکل ٹھیک کہا سب دستخط کر دو کہ

شادی غمی میں اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہم سنتے ہیں کہ جب ہم
[illegible] رسول ہیں درحق
تعالیٰ نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ آپ ہمارے لئے
نمونہ ہیں تو جس طرح آپ تو نمونہ ہیں ویسے ہی فعلہ بھی آپ نمونہ ہیں خوشی میں بھی
نمونہ ہیں اور غمی میں بھی خوشی آپ کی یعنی نکاح یا ولیمہ بھی ہے اللہ میاں نے سب

وقع کر کے دکھلایا تاکہ سب کو معلوم ہو کہ جیسے رسول نے کیا ہے ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے چنانچہ جب آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو نہ تو آپ محزون ہوئے اور نہ رونا پیٹنا شروع کیا بلکہ آپ نے یہی نکلتے تھی جائز تھی آپ نے یہ کلمہ فرمایا تھا انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون۔ تو آپ نے بھی سر سے دکھلائی اور شادی کر کے اس طرح دکھلائی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا اس میں نہ تو خط بیکریا نہ ڈومنی گئی خود داماد جب آئے اور انہوں نے خواستگاری کی اس میں نہ نقارہ تھی نہ طوطی نہ خطبہ شروع نہ نائی کو روپیہ دیا جب نائی دولہن کی طرف سے بیاہ کی تاریخ کا خط لاتا ہے تو اس کے سامنے سو دو سو روپے پیش کئے جاتے ہیں اور دو سو روپیہ میں سے ایک اٹھا لیتا ہے مرحبا اس ایک یا دو ہی دینے والے تو اتنی رقم دکھلانا محض مردار ہے ہے مگر مرکھی نہیں کیونکہ ساری برادری کو معلوم ہے کہ ساری رقم دینی مقصود نہیں تو پھر یہ بے فائدہ حرکت نہیں در ہے ہم تو جب جانیں کہ دو سو سے دو آپ اس سے خوشی سے کہہ دیں، رہا جہاں سب سے جاتیری ساری لے لے تو کافی ہے مگر وہ بے چارہ بھی مجبور ہے ایک دو سے زیادہ لے ہی نہیں سکتا، پھر برادری کو پتہ کیا جاتا ہے کہ نائی کو کتنا روپیہ دیا اس کے منہ میں تو تالے نہیں پڑ گئے ہیں مگر وہ بیچارہ بلکہ سب کے سامنے سے تکلف کا پیسہ سے خوب مذاق ہے یہ کیا فضول اور بے ہودہ رسم ہے۔

ہم یہ تمہید میں دو ماہ سے سرپرست بن رہے تھے اور یہ پہلے سے قرار پا چکا تھا کہ عید کے بعد خیر مقدم سے نکاح تو ہو گیا اور مغرب کے بعد کھانا ہو تو ہو، تاہم دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اب کچھ ہوگا مگر کچھ بھی نہ ہوا کھانے کے بعد بھی منتظر رہا آخر ایک صاحب میرے سامنے سے نکل کر زنان خانہ سے کہا حضور بھی حق بخشیئے ہم نے کہا کہ کیسا حق فرمائیے کہا میں نے کہا تم سے کہا ہو گا تو نے تمام رسموں کے بند ہونے کو

کیوں منظور کر لیا تھا اس وقت یک مولوی صاحب بھی کھانے میں تھے انہوں نے آہستہ سے کہا یہ تو رسم نہیں ہے بلکہ حق خدمت ہے۔ خدمت گذار کو تو دینا مستحسن ہے مگر میں نے بندہ دار سے سارا حق خدمت اپنے خادم کو دلا دیا جاتا ہے یا دنیا بھر کے خادم کو میرے فانی نے میری خدمت کی اس کو اگر ہم کچھ دیں تو اس کا حق ہو سکتا ہے دوسرے کے خدمت گذار کا ہم پر کیا حق ہے" اس تقریر سے مولوی صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ خلاصہ کر کے رت کذری صبح ہوئی تو فرد خرچ کے متعلق گفت و شنید ہوئی ہل رسوم میں ایک فرد ہوتی ہے کمینوں کی جس میں ان کا نیگ لکھا ہوتا ہے مگر کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ ہمارے سامنے پیش کرے۔ میرے ایک دوست تھے ان کے ذریعہ سے پیش ہوئی انہوں نے کہا اس میں کیا رائے ہے میں نے کہا وہی رت کی رائے اور میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ نوابوں کو شرم نہیں آتی فرد پیش کرتے ہوئے کہ نائی سے جو اپنا کام تو کرایا سقے سے پانی بھریا اور اجرت دیں ہم سے مہماں سے اجرت دلانا کس قدر بے غیرتی کی بات ہے۔ مگر رسوم کی پابندی میں نفس تو خست ہوتی ہی تھی غیرت بھی جاتی رہی۔ اس وقت یار خستی کا۔ لڑکی والوں نے خاصا کیا سو ٹکی یا سیانہ ہم خستی بدوں پائی یا ڈولہ کے نکریں گے میں نے کہا ہم رخستی ہی نہیں چاہتے ساتھیوں نے کہا کیا رائے ہے لیا کرنا چاہیئے میں نے کہا رائے یہ ہے کیونکہ نکاح تو ہو ہی چکا ہم اپنے گھر جاتے ہیں تم خود دہن کو ہمارے پیچھے پیچھے لاؤ کے اب تو سیدھے ہو گئے پھر کہنے لگے جہیز کے لئے چھپڑ لاؤ میں نے کہا ہم جہیز ہی نہیں لے جاتے آخر چھپڑ بھی خود لائے عورتیں کوستی رہیں مگر ہم مظلوم تھے نظام کے کوسنے سے مظلوم کا نقصان نہیں ہوتا۔ غرض ایسی برات کا نکاح ہو کہ دونوں طرف کا نفع ہو ایک پیسہ خرچ نہ ہوا۔

کسی دولہا نے دوسرے بھائی کا نکاح رسم کے ساتھ ہوا تو وہ قرضدار ہو گیا میں نے کہا ایک نکاح ہو تو اس میں قرض ہوا اگر دو سر ہو تو ختم ہی ہو جائیگا۔ اس قرضدار

کی دلہن کو سستی تھی ماں باپ کو بھی ساس سسر کو بھی کہ اُن کا کیا نقصان ہوا ہم پر روٹی کی کمی ہو گئی۔ خیال فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا اور کر کے دکھلا دیا کہ نکاح اس طرح ہونا چاہیئے۔ اس میں کوئی بکھیڑا نہیں ہوا حضرت علیؓ کو بلایا اور کسی کو نہیں بلایا جو موجود تھے اُن کے سامنے نکاح پڑھ دیا۔

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ غالباً مواہب لدنیہ میں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت علیؓ بھی موجود نہ تھے اس لئے آپ نے یوں فرمایا تھا ان رضی علیؓ کہ اگر حضرت علیؓ راضی ہوں جب حضرت علیؓ آئے انہوں نے کہا رضیت کہ میں راضی ہوں جہاں دولہا کی بھی ضرورت نہ ہو وہاں برات تو کیا ہوتی مگر ہمارے یہاں تو سب تھوخیرا کو موجود ہونا چاہیئے کہتے ہیں اب تک فلانا تو آیا نہیں نکاح کیسے ہو وہ تو روٹھ جائیگا اُس کو لاؤ مناؤ بھائی اس بکھیڑے کی ضرورت ہی کیا ہے سیدھا نکاح ہو جانا چاہیئے۔ اس کے بعد حضرت فاطمہؓ کو اُم ایمنؓ کے ہمراہ حضرت علیؓ کے یہاں پہونچا دیا گیا۔ حضور اُن کے یہاں رات کو تشریف لے گئے فرمایا فاطمہ پانی لاؤ۔ دیکھئے نئی دلہن ہیں وہ خود اپنے ہاتھ سے پانی لیتی ہیں اب تو نکاح سے پہلے دولہن کو مائیوں بٹھلاتے ہیں۔ اس بے چاری کو تو سرسام ہو جاتا ہے خشک قلب ہو جاتا ہے۔ اور اوپر سے تعلیم دیتی ہیں کھاؤ مت وہ بے چاری تو ناتجربہ کار ہے ان کے کہنے سننے سے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ بیمار ہو گئی تو کہتے ہیں اللہ بخش آگیا وہ کہاں گیا بھلا گنگو سے وہ بیس گیا اس کو اور کوئی صورت ملی نہیں یہی ملی یہی پسند آگئی۔ اب نہ دو نہ دوارد کیونکہ اللہ بخش کی دوا کیا ہو غریب ایک جیلخانہ سے چھوٹی تھی اب دوسرا جیل خانہ موجود ہے جیسے قیدیوں کو آگرہ سے جھانسی بدل دیتے ہیں۔ غرض مائیوں بٹھلانے میں دلہن کو تعلیم ہوتی ہے کہ کھجلی اٹھے تو کھجانا نہیں پیشاب پاخانہ نہ کرنا اگر وہ پیشاب کرنا چاہے تو کہتی ہیں یہ کیسی بے حیا ہے کہ ٹوٹے کر چل پڑی۔

نانوتہ کا قصہ ہے کہ کسی نئی دلہن نے ساس سے کہا پانی رکھ کر نماز پڑھ لے مگر وہ بیٹھی رہیں آخر وہ خود وٹا لے کر پیشاب سے فارغ ہوئی پھر وضو کر کے نماز پڑھی پھر دوپٹہ اوڑھ کر سجدہ میں بیٹھ گئی عورتوں نے بہت بک بک کی کہ جب ایک دفعہ شرم اتار دی پھر شرم کی صورت بنانے سے یہ فائدہ مولانا مملوک علی صاحب کو خبر ہوئی دورہ پر تشریف لائے اور بہت شاباشی دی کہ نیک دلہن تو ایسا ہی ہونا چاہیئے پھر دلہن کا منہ ہر ماتھ دکھواتی ہیں اور غریب کو دیتا دلاتا دین کے سب کاموں سے معطل کرتی ہیں پھر اس میں شرط یہ ہے کہ ٹس سے مس نہ ہو ایک ہی نشست پر بیٹھی رہے پھر ایک امتحان یہ کرتی ہیں کہ اس کی گدگدی کرتی ہیں اگر ہنسی آگئی تو بے شرم ہے یہ کیسی خرافات ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ بھلا یہ رسوم حضور کے یہاں بھی ہوئی ہیں ہرگز نہیں حضرت فاطمہؓ تو اسی رات اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پیا کرتی تھیں۔

ایک رسم یہ ہے کہ بہو ڈور سے خود نہیں اترتی بلکہ دوسرے اتارتے ہیں ہٹی ٹی سوٹی ہنٹی سی لیکن گود میں چڑھی چڑھی پھرتی ہے۔ کبھی گرتی بھی ہے چوٹ بھی کھاتی ہے۔ بعض جگہ دولہا بھی کراتا ہے لاحول ولا قوۃ ان لوگوں کو شرم بھی نہیں آتی۔ کیا یہ سب خرافات حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں ہوا ہرگز نہیں غرض شادی بیاہ کرو جیسی حضور نے کی تم بھی ایسی ہی کرو جیسی آپ نے کی تقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کے یہی معنی ہیں اب دینے لینے کی رسم کا بیان رہ گیا اس میں بھی شریعت کی پابندی کرو۔ ایک بری جاتی ہے۔ بھائی یہ بری کیسی ہے یہ ہنود کی رسم ہے برکہتے ہیں خاوند کو اور سسرال نسبتی ہے یعنی خاوند کے گھر کی چیز یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ کفار کی رسم ہے مسلمانوں کی رسم نہیں۔ مسلمانوں نے خدا کے احکام کو چھوڑ کر کفار کے رسوم کو لے لیا ہے حالانکہ مسلمانوں کی حالت یہ ہونی چاہیئے تھی

ترکت ملت والعزی جمیعاً کذلک یفعل الرجل البصیر

خدا کے فضل و مقبول بندوں میں ہیں دین کا بھی بھلا ہے دنیا کا بھی نفع ہے اب مقصود یہ ہے کہ یہاں جو کام ہو رہا ہے اس میں بہت سا روپیہ کی تباہی کر کے تو خیریت ہے ورنہ ایسی جگہ بھی نہیں ہے کہ دونوں طرف سے مدد ہو گئی ہو تو بہت چل سکتے ہیں غرضیکہ اب یہ جگہ بھی مدرسہ شرعیہ پر عمل کرنے کے واسطے ہیں سکتی ہے اب آپ کی بھی نہیں ہے مدرسہ شریعت کے موافق جاری رہے ہیں ہر طرح سلامت رکھو۔ اب جو تمہارا ہی رہا ہے تمہارا ہی رہے گا اس کے حفاظت کرنے میں توفیق دیں اور تمہارے تمام دینی معاملات کو احکام کے موافق بنا دیں آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اشرف علی

۱۵۔ محرم ۵۶ھ

محاسنُ الاسلام
کے بارے میں
اسلام کی خوبیاں

۲۸ شوال المکرم ۱۳۴۲ھ بروز جمعرات۔ درگاہ حضرت شاہ جمال الدین کبیر الدین مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پانی پت میں یہ وعظ ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰۰ تھی۔ مولوی ظہیر حسن صاحب سلمہٗ نے ضبط کیا اور سامنے بیٹھ کر مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف فرمایا۔

سکون و وقار سے کام کرو۔ جہاں مباحثہ کی دوسری بھی طرف سے شریک ہو۔ دوڑ کر خود چھیڑ نہ کرو بلکہ صاف کہدو کہ ہم اپنا کام کریں۔ تم اپنا کرو جس کا مذہب حق ہوگا اس کی حقانیت خود واضح ہو جائیگی

واللہ! اسلام کی تعلیم وہ ہے کہ اس کی ساری تعلیم کے مقابلہ میں کوئی تعلیم ٹھہر نہیں سکتی۔ اسلام کی ترجمانی کی یہ شان ہے ؎

زدنِ تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ؛ کرشمۂ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ہادی لہ و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشہد ان سیدنا و نبینا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم قال اللہ تعالیٰ ان الدین عند اللہ الاسلام

منشی عزیز الرحمن صاحب نے جمعہ کے خطبے کا ذکر کیا کہ بڑوں دیہات سے آئے ہیں وہ کھانا کھا کر جائیں چنانچہ بہت سے مکانے راجپوت بھی ٹھہر گئے وہی اطلاع ہوئی کہ یہ ہوئی ہوئی لوگ نے ساری عمر گائے کا گوشت نہ کھایا تھا مگر اس میں بہت شوق سے کھا گئے واپس میں وہ باتیں کرتے تھے کہ دیکھا بھی ہمارا ہی مذہب سچا ہے بعد تقریروں میں بھی لوگ ایسا ہے جو اس طرح چار گھنٹے تک کھڑا ہو کر بیان کرتا ہے پھر ان کی سب باتیں سمجھ میں آتی ہیں دعوت بھی لگتی ہیں اور آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں نہ معلوم کیا کہا کرتے ہیں ہاں جی ہم تو مسلمان ہی رہیں گے ہم شدھی نہ ہونگے معلوم ہوا کہ اس وقت بعض گاؤں شدھی ہونے والے تھے مگر وعظ کی خبر سنکر انہوں نے اس ارادہ کو ملتوی کر دیا کہ پہلے وعظ سن لیں دیکھیں مسلمان عالم کیا کہتے ہیں وعظ سنکر اسلام پر جم گئے تقبلہم اللہ وایانا علیٰ دینہ القویم وامامنا وایاہم علیہ وحشرنا مع نبیہ الکریم۔

فضیلتِ اسلام اور تقسیم فضیلت

یہ باب اسی آیت کے چھوٹے سے ٹکڑے کے متعلق اس وقت مجھے کچھ بیان کرنا ہے جس کا خلاصہ اسلام کی فضیلت ہے چنانچہ آیت ہی کو سنکر کثر حضرات نے عمل کر لیا بعض حضرت نے خصوصاً اس مقصد کو سمجھ لیا ہوگا۔ ہر چند کہ اسلام کی فضیلت کا ہر مسلمان معتقد ہے مگر جو درجہ اسکی فضیلت کا ہے اس درجہ کا استحضار بہت کم لوگوں کو ہے چنانچہ مقصود فوت ہو جائیگا۔ پس یہ شکایت مندفع ہوگیا کہ یہ مضمون تو ہر شخص کو معلوم ہے پھر اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وجہ اندفاع یہ ہے کہ جس درجہ کا علم چاہیئے اس درجہ کا علم حاصل نہیں ہے اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کی فضیلت اس درجہ کی ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی بھی فضیلت نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فضیلت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ فضیلت ہے کہ اگر وہ حاصل نہ ہو تو کچھ نہیں یہ درجہ فضیلت استحباب کا ہے۔ ایک درجہ فضیلت کا وہ ہے کہ اگر اس کو حاصل نہ کیا جائے تو ضرر ہوتا ہے اس کا حاصل کرنا ضروری اور ترک کرنا ناجائز ہے۔ یہ فضیلت فرض کہلاتی ہے اور ایک درجہ اس سے بھی بڑھکر ہے وہ یہ کہ تمام فرائض کی تحصیل کسی خاص فضیلت کی تحصیل پر موقوف ہو کہ بدون اس کے کوئی فرض ادا نہیں ہو سکتا جس کی صحت اس پر موقوف ہے یہ درجہ بھی گو فضیلت فرض ہی کا ایک فرد ہے لیکن تمام افراد میں سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ درجہ اسلام و ایمان کو حاصل ہے کہ اس کا حاصل کرنا خود بھی فرض ہے اور تمام فرائض کا موقوف علیہ بھی ہے۔ اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اسلام کی فضیلت کا کتنا بڑا درجہ ہے۔ آجکل عام طور پر مستحبات میں فرض سے زیادہ فضیلت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ نوافل و مستحبات کا جو پابند ہوتا ہے اس کی بہت تعریف کیجاتی ہے۔ اگر وہ فرائض کو بھی طرح بھی نہ ادا کرتا ہو اور جو شخص محض فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہو مگر ان کو اچھی طرح ادا کرتا ہو اسکی

زیادہ قدر نہیں کیجاتی نہ بہت تعریف ہوتی ہے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اُفتاد یہ کرتا ہی کیا ہے۔ مگر حقیقت اس کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرض کی فضیلت مستحبات و نوافل سے بڑھی ہوئی ہے اور ثواب بھی اُسی میں زیادہ ہے۔ اس سے بڑھکر اس کی کیا فضیلت ہوگی کہ وہ ضروری ہے اور مستحب ضروری نہیں۔ تو فرض کا وہ درجہ ہے جو غذا کا درجہ ہوتا ہے اور نوافل و مستحبات کا درجہ مٹھائی کے مثل ہے اور ظاہر ہے کہ غذا کو مٹھائی سے زیادہ فضیلت ہے، محض مٹھائی بدوں غذا کے بے سود ہے، اور غذا بدوں اس کے بے سود نہیں اس مسئلہ کو حدیث میں بھی صاف بیان کیا گیا ہے، فقہاء نے بھی اس کو لے کر لیا ہے اور صوفیہ نے بھی تصریح کی ہے کہ بہ نسبت نوافل کے فرائض سے قرب زیادہ ہوتا ہے اس سے ہماری غلطی معلوم ہوگئی کہ آجکل ان لوگوں کی زیادہ قدر ہے جو مستحبات میں مشغول ہوں، گو فرائض میں کوتاہی کرتے ہوں اور تعجب یہ ہے کہ فرض ادا کرنے والا بھی اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا، یہ خیال کرتا ہے کہ میں کرتا ہی کیا ہوں صرف فرض ادا کرتا ہوں اس میں در پردہ فرائض کا استخفاف ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نعمت پر شکر ادا کرنیکی توفیق نہیں ہوتی ہے اور جو مستحب میں مشغول ہو گو فرائض اعلیٰ طریقہ سے ادا کرتا ہو لوگ بھی اس کے معتقد ہیں۔ اور وہ خود بھی اپنا معتقد ہوتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ میں رات کو جاگتا ہوں گو فرائض میں جاگتا ہی ہو، جاگنا یہ کہ صرف اٹھک بیٹھک کرتا ہے، ارکان کو تعدیل سے ادا نہیں کرتا۔ اسی غلطی کا اثر ہے کہ لوگوں کو نسبت اسلام کی قدر زیادہ نہیں اگر کوئی شخص دولت اسلام سے مشرف ہو اور دیگر فرائض و واجبات میں کوتاہی کرتا ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میرے

عہ اشارۃ الی حدیث اخرجہ البخاری عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب وما تقرب الیّ عبدی بشیٔ احب الیّ مما افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببتہ الحدیث کذا فی المشکوٰۃ (ص ۱۹۵ ج ۲)

مطبوعہ المطبعۃ النظامیۃ الاہلیۃ ۱۲ جامع

پاس کیا ہے کچھ نہیں، حالانکہ اس کے پاس ایک بہت بڑی دولت ہے یعنی اسلام، گو دوسرے فرائض میں کوتاہی کرنے سے اس کو گناہ ہو لیکن پھر بھی اس کے پاس ایک ایسی دولت ہے، کہ اگر اس کو صحیح سلامت اپنے ساتھ لیکر جائے تو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔

تفسیر آیت کریمہ

اسی مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے ان الدین عند اللہ الاسلام کہ دین خدا تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ ان علماء اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ ترکیب مفید حصر ہے جس سے کہ قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے اسلام کی فضیلت ظاہر ہے کہ وہ ایسا دین ہے کہ خدا کے نزدیک وہی مقبول ہے یہاں پر یہ شبہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ ادیان تو بہت ہیں پھر اس کا کیا مطلب کہ خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے، یوں فرمانا چاہیئے تھا کہ دین حق صرف اسلام ہی ہے۔ مطلق دین کو اس میں منحصر کرنا کیسا، میں کہتا ہوں کہ حصر کے علاوہ یہ دوسرا مبالغہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے الطلق اذا اطلق یرد الفرد الکامل کہ مطلق سے فرد کامل مراد ہوا کرتا ہے۔ پس ہر چند کہ مطلب تو یہ ہے کہ دین کامل اسلام ہی ہے اور یہ حصر ہا کلام صحیح ہے کیونکہ دوسرے بعض ادیان تو اصل ہی سے حق نہیں اور یا منسوخ ہیں مگر مطلق کو منحصر کرنے میں ایک قسم کا دعویٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام ایسا کامل دین ہے جس کے سامنے اور مذاہب اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو دین کہا جائے چنانچہ محاورات میں بولا جاتا ہے کہ بس حسین تو فلاں شخص ہے جس میں دعویٰ ہے کہ اس کا حسن ایسا کامل ہے کہ دوسرے حسین اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو اس کے سامنے حسین کہا جائے اس ادعا کی وجہ سے مطلق کا حصر کر دیا جاتا ہے۔ یہی صورت اس جگہ ہے پس حاصل یہ ہوا کہ گو ادیان اور بھی ہیں مگر اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے کہ اس کے سامنے دوسرے ادیان دین کہلانے کے مستحق نہیں ہیں یہ فضیلت تو اس آیت میں مذکور ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو طلب کرے گا وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔ یہاں حقیقت کے موافق کلام فرمایا گیا ہے کہ دوسرے

مذاہب کو بھی دین بنا دیا۔ مگر اسلام کے مقابلہ میں ان کو غیر مقبول قرار دیا گیا۔ یعنی اسلام کے بغیر کسی دین کے اختیار کرنے سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہ کہ فضیلت کے دو درجے تھے ایک فرض کا۔ پھر فرض کے

خلاصہ دو بھی اور درجے ہیں۔ ایک وہ جو مطلق نجات کا مدار ہو۔ دوسرے وہ جو نجات کامل کا مدار ہو۔ مدار ہونا بہ ہے کہ درجہ اولیٰ درجہ ثانی سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ ایک کام تو وہ ہے جس کے بغیر نجات تو ہو سکتی ہے مگر کامل نجات نہ ہوگی۔ مثلاً فورًا دخول جنت نہ ہوگا۔ کچھ دنوں کے بعد ہوگا اور ایک کام وہ ہے جس کے بغیر نجات ہو ہی نہیں سکتی، نہ کامل نہ ناقص۔ اسلام اسی درجہ کا فرض ہے کہ اس کے بغیر نجات کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی اب یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام سے بڑھکر کسی چیز کی فضیلت نہیں یہ تمام اعمال و فرائض میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ مستحبات و سنن کے ترک سے تو عتاب ہوتا ہے مگر عقاب کا نہ ہونا بھی ممکن ہے اور فرائض و واجبات کے ترک سے عذاب ہوگا، اور ممکن ہے کہ بدوں عذاب ہی کے مغفرت ہو جاوے۔

مغفرت کبائر بلا عذاب اور ایسا ہوگا بھی یعنی یہ محض امکان عقلی ہی نہیں بلکہ اس کا وقوع بھی ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ بدوں عذاب ہی کے بخش دیئے جائیں گے معتزلہ کے سوا کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے ان کے نزدیک گنہگار کو عذاب ہونا لازم ہے۔ تعجب ہے نہ معلوم ان لوگوں کی عقل کہاں گئی ہے وہ خدا کے ذمہ عقاب و ثواب کو واجب کہتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ کو نعوذ باللہ قانون کا تابع کرتے ہیں حالانکہ قانون کا بنانے والا قانون کے تابع نہیں ہوتا بلکہ خود قانون اس کے تابع ہوا کرتا ہے۔ اگر ان کے نزدیک عذاب و ثواب کا وجوب عقلی ہے۔ اس سے واجب کا مضطر ہونا لازم آتا ہے اور مضطر ہونا حدوث سے ہے اور واجب مضطر سے منزہ ہوتا ہے اگر یہ وجوب شرعی ہے تو اس کے لئے وحی شارع کی ضرورت ہے۔ اگر وہ دلیل میں آیات وعید کو پیش کریں تو ہم آیات عفو و مغفرت و شفاعت کو پیش کریں گے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ بہت

سے گئے ہیں کو بھی عذاب سے بھی معاف کر دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اللہ تعالیٰ شرک کے سوا جس گناہ کو چاہے معاف کر دے اور جس گناہ کو چاہے عذاب میں مبتلا کرے اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کا عقاب مذکور ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے جو توبہ کئے بغیر مرے اور جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں وہ تخفیف عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ وقوع عقاب عام ہے اس میں کسی کو استثنا نہیں ہے حق تعالیٰ جسے چاہے بخش دیں باقی وقوع کے متعلق آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک الخ سے صاف معلوم ہوا کہ سب گناہوں پر عذاب لازم نہیں بجز شرک و کفر کے کسی پر عذاب لازم نہیں یعنی شرعاً غرض گناہ کبیرہ توبہ بدون عقاب کے معاف ہو سکتے ہیں مگر کفر و شرک کا ارتکاب بدون عذاب کے نہیں رہ سکتا سپر عذاب لازم ہے اور وہ بھی ابد آباد کے لئے جس کا انقطاع کبھی نہ ہو کا یہ جرم کسی طرح معاف نہ ہو گا مذہب سے نہ بغیر مذہب کے۔

مغفرتِ کبائر بلا عذاب پر شبہ کا جواب

اہل بعض لوگوں نے اسلام پر اعتراضوں کی فہرست میں ایک اعتراض بھی داخل کیا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک کبائر بھی بدون عقاب کے معاف ہو سکتے ہیں اس اعتقاد کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو کبائر پر اقدام زیادہ ہے وہ بڑے سے بڑا جرم کر کے بھی نجات کے امیدوار رہتے ہیں۔ میں اس اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ تمام جرائم پر اس عقیدہ اسلام کا مرتب ہونا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جن لوگوں کو اسلام سے جتنا زیادہ تعلق ہے مثلاً علماء و اتقیاء و صوفیاء ان میں یہ مفسدہ زیادہ ہوتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ مذہب سے بغرت کا طوفان ہی لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جن کو مذہب سے تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ حاسد حسد کرتے ہیں اور کفار بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو اسلام سے تعلق زیادہ ہے وہ جرم کا ارتکاب تو کیا کرتے وہ تو شبہات سے بھی حذر کرتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ایک دوست کا، جو کہ ہمارے ہیں، واقعہ ہے کہ وہ ایک بار ریل کا سفر کر رہے تھے، ان کے پاس اسباب پندرہ سیر سے زیادہ تھا اسٹیشن پر تنگی وقت کی وجہ سے

وہ اسکو وزن نہ کرسکے۔ سواری تو جلدی میں سوار ہو گئے لیکن جب منزل مقصود پر اترے تو وہاں کے بابو سے جاکر پتا واقعہ بیان کیا کہ میں جلدی میں اسباب کو وزن نہ کرسکا اب آپ اس کو وزن کریں اور جو محصول میرے ذمہ ہو اس کو وصول کر لیجئے۔ بابو نے انکار کیا کہ مجھ کو فرصت نہیں تم ویسے ہی لے جاؤ ہم تم سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب آپ کو اس معافی کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ آپ ریلوے کے مالک نہیں بلکہ ملازم ہیں آپ کو محصول مجھ سے لینا چاہیئے مگر اس نے پھر بھی انکار کیا تو یہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے۔ اس نے بھی کہا کہ آپ بلا تکلف سامان لے جائیں ہم آپ سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے اس سے بھی کہا کہ آپ کو معافی کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر اور اس بابو میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ مسافر انگریزی نہیں سمجھتا ہوگا کیونکہ ان کی صورت غلاموں کی سی تھی،

غرض ان دونوں کی اس گفتگو میں یہ رائے قرار دی کہ یہ شخص شراب پیے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہمارے انکار کے یہ محصول دینے پر اصرار کرتا ہے

انہوں نے جواب دیا کہ صاحب! میں نے شراب نہیں پی بلکہ ہمارا مذہبی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو۔

اسپر وہ دونوں بولے کہ صاحب! ہم تو اس وقت اسباب وزن نہیں کرسکتے آخر یہ اسباب اٹھا کر پلیٹ فارم سے باہر لائے، ہوسپٹ گئے کہ یا اللہ اب میں ریلوے کے اس حق سے کس طرح سبکدوشی حاصل کروں۔ آخر خدا نے مدد کی، اور یہ بات دل میں ڈالی کہ جتنا اسباب زیادہ ہے اس کے محصول کے برابر ایک ٹکٹ اسی ریلوے کے کسی اسٹیشن کا لیکر چاک کر دیا جائے۔ اس طرح ریلوے کا حق اسکو مل جائیگا۔ چنانچہ یہی کیا۔

میرے ایک دوست کو جو کہ ڈپٹی کلکٹر بھی تھے۔ واقعہ ہے کہ ان کا ایک بچہ ریل کے سفر میں ان کے ہمراہ تھا جس کا قد بہت کم تھا کہ دیکھنے میں دس سال کا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس

کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی اور ریلوے کے قاعدے سے اس عمر کے بچے کا ٹکٹ لینا ضروری ہے نوبت نے اس کا پورا ٹکٹ لینا چاہا تو صاحب نے ہنس کر کہا کہ اس کو تیرہ سال کا کون کہہ سکتا ہے آپ آدھا ٹکٹ لے لیجئے کوئی کچھ نہ کہے گا اس نے کہا کہ بندے کچھ نہ کہیں گے تو کیا خدا بھی باز پرس نہ کرے گا جہاں تک ہو سکے گا میں تھوڑی جرأت پر بڑا اسکی اجازت نہیں تصرف کیا۔ غرض اس نے پورا ٹکٹ لیا اور ان کے ساتھی ان کو بیوقوف بناتے رہے مگر

اوست دیوانہ کہ دیوانہ شد

بھلا اس کی نظر دنیا کی تو بھی دیکھ سکتی ہے کہ ایک شخص ریل میں بلا ٹکٹ سفر کرے اور اسٹیشن ماسٹر وغیرہ کہنے کو تو تکلف اسباب بیجا ہم محصول ہیں لیتے اور پھر بھی وہ نہ ہر کرے کہ نہیں تم کو محصول دینا پڑے گا۔ مگر معافی کا کوئی حق نہیں اور جب وہ کسی طرح معاف نہیں کرتے تو یہ محض خدا کے خوف سے ریلوے کا ٹکٹ مقدر محصول کے روپیہ پر لیا کرتا ہے۔ اور یہ صورت شبہات سے احتراز کرنے عام لوگوں کی نظروں میں ہے اور درحقیقت ان شبہات کی قسم سے نہیں بلکہ صریح ریب کا مثال ہے۔ پس اس عقیدہ کا اثر تدین علی الوجہ ہوتا تو عمدہ و صلاحیت سب سے زیادہ بے باک اور جرأت پر اتر آئے ہوتے حالانکہ مسلمانوں میں یہ طبقہ جو اسلام کے حقیقی مرتبہ کو پہچانتا ہے۔ سب سے زیادہ جرائم سے بچنے والا اور شبہات سے احتراز کرنے والا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس عقیدہ کا یہ اثر نہیں ہے جو ان معترضوں نے سمجھا ہے بلکہ اس کا اثر جرائم سے رکنا اور گناہوں سے نفرت پیدا ہونا ہے جس کی وجہ میں عنقریب بتلاؤں گا کہ اس عقیدہ کا اثر گناہوں سے نفرت پیدا ہونا کس طرح ہے مگر افسوس ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

ایسا پاکیزہ مسئلہ جو جرائم کی جڑ کاٹنے والا ہے بدانديش کو قدم جرائم کا سبب معلوم ہوتا ہے۔ یہ جو اب تو مشاہدہ کے متعلق ہے کہ حسب مشاہدہ اس عقیدہ کا یہ اثر جو تم بتلا رہے ہو غلط ثابت ہو رہا ہے

جواب ۲ درجہ عقل میں کا یہ ہے کہ یہ عقیدہ عفو قدرہ جرم کا سبب کیوں ہو سکتا کیونکہ اس کا
جواب خاص صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں گے بلا جرم و جرم کے مذنب سے معاف کر
دیں گے جس میں تعیین کسی کی نہیں ہے جس کی شخص کو معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت الٰہی ہو
عفو ہے یا سزا۔ عذب علی من یشاء و یغفر لمن یشاء ۲ جامع پھر اس صورت میں کوئی
شخص بھی عذاب سے بے فکر نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک کو یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ شاید میرے ساتھ قانون
برتاؤ کیا جائے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص شرم و ندامت کی وجہ سے خودکشی پر
آمادہ ہو کر سنکھیا کھا لے اور نفع وہ سنکھیا کھا کر مرے تو ملکہ سنکھیا ہضم ہو کر اس کے
بدقوت و فربہ پیدا کر دے چنانچہ بعض جگہ ایسے واقعات ہوئے ہیں مگر کیا اس اتفاق واقعہ سے کسی کو
سنکھیا کھانا جائز ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ زہر کا خاصہ تو ہلاک
کرنا تھا مگر بفضلہ اس شخص میں اس کی خاصیت کا ظہور نہ ہوا تو اس سے خاصیت نہیں بدل گئی
لہٰذا یہ مرد عقل کو اس سے سنکھیا کھانے کی کوئی اجازت دے سکتا ہے اور نہ ہر شخص اس
پر جرأت کر سکتا ہے علیٰ ہذا سب لوگ کو معلوم ہے کہ بعض واقعہ حکام و مصلحین ہر قرن و زمانہ
سے کسی قاتل کو رہا بھی کرتے رہے ہیں مگر اس علم کی وجہ سے ہر شخص کو قتل پر جرأت نہیں ہوتی
کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قتل کی اصل سزا قتل ہی ہے اور بعض بھی کثرتی قانون کے مطابق
ہوتے اور ہر زمانہ و ملک کا قانون نہیں بلکہ بعض حاکم کی مشیت پر ہے۔ کون معلوم ہے کہ وہ کس
کے ساتھ ہر جرم میں رعایت کا برتاؤ کرے کس کے ساتھ نہ کرے۔ پھر ہر فرد و شخص کے بھروسہ پر قتل
قتل کی جرأت نہیں ہو سکتی بعینہٖ اسی طرح کبائر کا بدون عذاب کے معاف ہو جانا بطور رحمت
خداوندی کے ہے۔ پس اس مسئلہ کو قدرہ جرم کا سبب کیونکر سمجھ لیا گیا؟ بھلا اگر کوئی شخص
جنگل میں پاخانہ کرنے جائے اور استنجے کے لئے ڈھیلا توڑتے ہوئے اسکو زمین میں سے
سونے کا گھڑا مل جاوے تو کیا اس اتفاقی بات پر بھروسہ کر کے کوئی شخص بھی تجارت و محنت
سے مستغنی ہو کر بیٹھ سکتا ہے کہ مجھ کو بھی اسی طرح پاخانہ کرتے ہوئے سونے کا گھڑا مل جاوے

جواب ۳ اور جب [illegible] مغفرت [illegible] کی وجہ سے ہوگی۔
[illegible] یہ حدیث [illegible] ہے کہ ایک شخص نے [illegible]
[illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی اور اس طرح کہا [illegible]
[illegible] ظہور [illegible] قسم [illegible] نہیں کہ میں نے [illegible]
نہیں کیا [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible]
[illegible] حضور نے فرمایا کہ [illegible] دوسری قسم جھوٹی ہے جس کا [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]

شاید کوئی یہ کہے کہ ہم تو سوتے وقت بھی جو کچھ کرتے ہیں سب خدا ہی کے سامنے ہے اور جس جگہ جو کام ہوگا وہ خدا کے سامنے ہوگا تو چاہیئے کہ ہر جگہ وہی گناہ ہو جو حضور کے سامنے جھوٹی قسم سے ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت تم خدا کے سامنے ہو مگر خدا تمہارے سامنے نہیں اور میرا مطلب یہ ہے کہ حضور کے سامنے قسم کھانا ایسا ہے جیسا خدا تعالیٰ کو سامنے سمجھ کر قسم کھانا۔

خلاصہ یہ کہ قرب کی دو قسمیں ہیں ایک قرب نسبتی یہ تو جہاں ہوتا ہے طرفین سے ہوتا ہے اور ایک قرب علمی یہ ایک طرف سے بھی ہو سکتا ہے پس اس وقت جو تم خدا کے سامنے ہو یہ قرب علمی ہے کہ خدا تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال مخفی نہیں وہ سب جانتے ہیں مگر اس حالت میں تم کو قرب حاصل نہیں، ورنہ ہر شر میں کا مقرب ہونا لازم آئے گا اور قیامت میں جو تم خدا کے سامنے ہوگے وہ قرب جانبین سے ہوگا کہ تم بھی خدا تعالیٰ کے سامنے ہوگے اور خدا تعالیٰ بھی تمہارے سامنے ہوں گے عن قریب الیہ من حبل الورید میں قرب علمی مراد ہے اسی لئے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی ہم سے قریب ہو بلکہ صرف ہمارا قرب بیان فرمایا کیونکہ یہاں تو شبہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تو ہم سے قریب ہیں مگر ہم ان سے دور ہیں۔

یار نزدیک تر از من بمن است ۔۔۔ ایں عجب تر کہ من از وے دورم

تو حضور کے سامنے جھوٹی قسم ایسی ہے جیسے قیامت میں خدا کے سامنے جھوٹی قسم کھانا جب کہ تو بھی حق تعالیٰ کو اپنے سامنے سمجھے گا۔

یہاں شاید کسی مخالف کو یہ شبہ ہو کہ کیا مسلمانوں کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے برابر ہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ عبادت میں مسلمانوں کے نزدیک خدا کا کوئی شریک نہیں حضور بھی اس میں شریک نہیں ہیں، اسی لئے حضور کو سجدہ کرنا نہ زندگی میں جائز تھا نہ آپ کی قبر کو جائز ہے مگر طاعت میں حضور کی اطاعت خدا کی طاعت ہے نہ اس لئے کہ آپ شریک فی الاطاعت ہیں بلکہ اس لئے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب خدا کی طرف سے پیغام

ہوتا ہے۔ آپ کا حکم درحقیقت آپ کا حکم نہیں بلکہ خدا کے رسول کے توسط سے وہ خدا ہی کا حکم ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آپ کے احکام کی اطاعت خدا کی اطاعت سے منقطع ہو کر نہیں ہے۔ اطاعت اللہ اور اطاعت رسول کی یہ ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ اور اس کے وزیر کی۔ بادشاہ یہ قانون بناتا ہے کہ اس وقت وزیر اپنی زبان سے جو قانون بناتا ہے وہ درحقیقت بادشاہ کا حکم ہے۔ اس لئے وزیر کی اطاعت بعینہٖ بادشاہ کی اطاعت ہے۔ مگر اس سے یہ کبھی نہیں سمجھا گیا کہ وزیر بادشاہ کے برابر ہو گیا۔ اور لوگ جاہل ایسا سمجھنے لگے اور آئندہ سے بجائے بادشاہ کے تخت کو بوسہ دینے وزیر کی کرسی کو بوسہ دینے لگے تو یقیناً وہ معتوب ہوگا۔

اسی طرح اگر آپ کسی مقدمہ میں ایک شخص کو وکیل مقرر کریں تو جو کچھ وہ بتاتا ہے سب آپ کی طرف منسوب ہوتا ہے مگر یہ تمام امور مقرر کرنے کا یہ سبب نہیں ہوتا کہ وکیل تمہارے برابر ہو جائے تمہاری تمام جائیداد کا مالک ہو جائے کہ اس میں جو چاہے تصرف کرے۔ ہرگز نہیں۔ پس مسلمان رسول کی اطاعت کو خدا کی اطاعت ہی معنی رکھتے ہیں جیسے وزیر کی اطاعت بادشاہ کی اطاعت ہوتی ہے اور وکیل کا قول موکل کا قول ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو اس سے شرکت و مساوات ہرگز لازم نہیں آتی۔ افسوس یہ ہے کہ مخالفین اعتراض کرتے ہوئے مسائل اسلامیہ کی حقیقت کو ذرا نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو شاید اعتراض کا محض حسد ہے۔ ورنہ مسائل اسلامیہ پر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ غرض ہود کی حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ کوئی گناہ بدوں مذنب کے اس لئے معاف ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے پاس ایک ایسی اعلیٰ سند کا موجود ہے جو خدا کے یہاں بہت مقبول ہو چکا ہے اسکی برکت سے دوسرے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو اب کوئی شخص اس سند عفو و مغفرت کے بھروسہ کیونکر بیفکر ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات تو کسی کو معلوم نہیں کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل بھی ہے جو خدا تعالیٰ کے یہاں بہت زیادہ مقبول ہو چکا ہے کیا کسی کو اپنا کوئی عمل ایسا یاد ہے جو نہایت اخلاص سے ہوا ہو۔ اگر کوئی کہے کہ ہاں ہم کو بعض اعمال اپنے یاد ہیں جو ہم نے نہایت اخلاص سے

کہتے ہیں تو سمجھ لو کہ

اسلام کی شکست ہے جس کے تحت ہیں اور مسلمان تو کسی حال میں اسلام کو چھوڑنے سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کسی درجہ کا ہے جس سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں ہر حال میں گرفت کی کسی حال میں ہمیں ہو سکتی گو سزا بھی نہ چاہیئے۔

چوتھا جواب ہے کہ بعض گناہوں کا بدون عقاب کے معاف ہونا

جواب ۴ یہ حق تعالیٰ کا عفو و کرم ہے اس کو سنسر والوں کو معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ بڑے ہی غفور و رحیم ہیں جیسے بندوں پر بے حد عنایت فرماتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ طبائع سلیمہ میں عنایت و کرم سے طاعت و عبادت کو ترقی ہوتی ہے نہ کہ معصیت کو۔ اگر حق تعالیٰ عنایات زیادہ ہوں تو اس کی اطاعت کا شوق بڑھتا ہے۔ وہ لوگ جو شبہ ہی پڑتی ہے حق تعالیٰ بے حد عنایات سے بندوں پر مبذول ہیں طبائع سلیمہ تو حق تعالیٰ کے کرم و عنایت سے بندہ بیدام ہو جاتی ہیں اس لئے یہ عقیدہ اقدام علی الجرم کا سبب ہو سکتا ہے بلکہ جرم سے باز رکھنے والا ہے۔ ہاں جو لوگ طبائع سقیمہ رکھتے ہیں وہ خدا کی رحمتوں اور عنایتوں کو دیکھ کر اور زیادہ معاصی کرتے ہیں چنانچہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس عقیدہ سے نہ ڈرتے ہیں نہ ڈرنا چاہئے ہیں اس عقیدہ سے ہی ان کا قدم جرم کا اصف بید ہو تو ہو جائیگا کہ یہ عقیدہ کا نہیں بلکہ اس شخص کی کجی طبع کا اثر ہے۔ جیسے بادشاہ کا رحیم ہونا طبائع سلیمہ کیلئے زیادہ وفاداری کا سبب ہوتا ہے۔ گو بعض طبائع بادشاہ کے کرم کی وجہ سے جرم پر بھی دلیر ہو جاتے ہیں مگر کیا اس کا سبب بادشاہ کے کرم کو کہا جائے گا یا ان کی بدطینتی کو؟ اس کا فیصلہ عقلاء خود کر سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کو آیت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا سے دھوکہ ہوا ہے اور وہ بیفکر ہو گئے ہیں کیونکہ وہ اس کا سبب یہ سمجھے ہیں کہ حق تعالیٰ یقیناً سب گناہوں کو معاف کر دیں گے کیونکہ یہاں کسی بات کی قید نہیں ہے سو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ آیت عام نہیں ہے بلکہ اس کا نزول ان لوگوں کے بارہ میں ہوا ہے جو کفر سے سلام

کی دعوت دیتے تھے مگر ان کو اسلام سے یہ خیال مانع تھا کہ ہم نے حالت کفر میں بڑے بڑے جرائم کئے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔ کیا اسلام کے بعد ان پر مواخذہ ہوگا یا نہیں، اگر مواخذہ ہو تو پھر اسلام سے کیا فائدہ، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے بہت سے ناجائز کام کئے ہیں اگر ہم اسلام لے آئیں تو ہمارے پہلے کاموں کے متعلق کیا مؤاخذہ ہوگا۔

یہ آیت ان کے جواب میں نازل ہوئی کہ اسلام سے بعد پہلے گناہ جو حالت کفر میں سرزد ہوئے ہیں سب معاف ہو جائیں گے۔ اس میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے بعد پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ یہ ان سے ایسی وعدہ ہے جو دوسری آیت میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف ہو جائیں گے، یہ نہیں جس میں ایسی وعدہ نہیں بلکہ شرط کی قید سے مشروط ہے اس آیت میں جو یہ قید شرط نہیں لگائی گئی ہے یہ صرف نومسلموں کے لئے ہے کہ اسلام سے ان کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے دوسرے مسلمان اس میں شامل نہیں۔

شان نزول سے خصوص عام کی تخصیص

شان نزول سے خصوص عام کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ بہت سے خصوص ظاہر ہوتے ہیں لیکن شان نزول سے ان کی تخصیص ہو جاتی ہے جیسے لیس من البر الصیام فی السفر ظاہر عام ہے کہ ہر حال میں سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں حالانکہ قوی یہ ہے کہ سفر میں مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور حدیث کو مقید کیا گیا ہے حالت مشقت پر تھا، کیونکہ حضور نے یہ ارشاد ایسے موقع پر فرمایا تھا جبکہ آپ کا گذر ایسے شخص پر ہوا جو سفر میں روزہ رکھا تھا، اور ضعف کی وجہ سے بیہوش و بدحواس ہو گیا تھا لوگ اس پر سایہ کئے تھے تاکہ دھوپ سے دماغ پر زیادہ گرمی نہ چڑھ جائے۔ اس واقعہ میں آپ کا یہ ارشاد فرمانا کہ کار نیکی ہے کہ مرد ایسا سفر اور ایسی حالت ہے کہ اس میں روزہ رکھنا خلاف افضل ہے بلکہ

گمراہی کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اسی لئے ہم کسی آیت کو شانِ نزول سے مقید نہیں کرتے کیونکہ اصل قاعدہ تو یہ ہے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد اور آیت ثم یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم بظاہر سب کو عام ہے خواہ مسلم ہوں یا مسلم قدیم تو میں کہتا ہوں کہ آپ شانِ نزول سے مقید نہیں کرتے تو دوسری آیت سے اس کو مقید کرنا پڑیگا اور ایک آیت کو دوسری آیت سے مقید کرنا اتحاد واقعہ میں لازم ہے اور ظاہر ہے کہ آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء اور آیت یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم دونوں معاف کرنے کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں اور ایک جگہ مغفرت بقید مشیت مشروط ہے اور دوسری جگہ مطلق ہے۔ تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا۔

رہا یہ سوال کہ سب دونوں جگہ مشیت کی شرط ہے تو ایک آیت میں اطلاق کیوں کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ یہ جگہ توبہ اور توبہ کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لئے وہاں تو قید کو ظاہر کرنا حق تعالیٰ بدوں عقاب کے بھی اگر چاہیں گے تو معاف کر دیں گے اور دوسری جگہ مایوسین کی یاس کا زائل کرنا مقصود ہے۔ وہاں شرطِ مشیت کے ظاہر کرنے سے یاس کا ازالہ نہ ہوتا۔ کیونکہ مایوس آدمی کو طرح طرح کے توہمات پیدا ہوا کرتے ہیں۔ شرطِ مشیت کے اظہار سے اس کو اور وساوس پیدا ہوتے کہ نہ معلوم میرے متعلق مشیت ہوں یا نہیں تو اس کی یاس زائل نہ ہوتی۔ اس لئے وہاں قید کو بیان نہیں فرمایا تاکہ آیت کو سنتے ہی اس پر رجاء کا غلبہ ہو جائے اور یاس کا غلبہ جاتا رہے اور واقعی مایوس کا علاج یہی ہے کہ اس کو ایک درجہ کامل اطمینان دلا دیا جائے۔ جب وہ حالت یاس سے نکل جائے پھر اس کو تدریجاً اصل قانون سے مطلع کر دیا جائے۔

اس کو وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جنپر کبھی یہ حالت گذری ہو یہ تو حکمت ہے اس اطلاق کی اور اس کی ضرورت بھی تھی کیونکہ اس میں مانع اسلام کو بھی رفع کیا گیا ہے۔

اگر یہ آیت نہ ہوتی تو کفار کو سخت وسوسہ لاحق ہوتا اور وہ اسلام سے محروم رہتے اور یہ وسوسہ واقع بھی ہو چکا ہے لہٰذا ان کو مطمئن کر دیا گیا کہ تم بے فکر ہو کر اسلام لے آؤ۔ حق تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف کر دیں گے۔

گناہ سے ناامیدی اور شکی سے اُمید

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ آیت لاتقنطوا میں صرف مایوسی کی یاس کا ازالہ مقصود ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اعمال کی ضرورت اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام لازم نہیں بلکہ لفظ تقنطوا ضرورت اعمال پر خود دلالت کر رہا ہے کیونکہ اس میں قنوط و یاس کی ممانعت ہے اور تجربہ ہے کہ معاصی میں قنوط و یاس پیدا کرنے کی خاصیت ہے، رجاء بدوں اعمال صالحہ کے پیدا نہیں ہوتی۔ مجرم کو اپنے جرم کا استحضار جس وقت ہوتا ہے اسوقت رجاء کا مضمون دل میں نہیں آسکتا اور اگر کسی مجرم کو رجاء ہو گی بھی تو کسی عمل صالح کی برکت سے ہو گی کہ اس کے پاس کوئی نیک کام ضرور ہو گا۔ جب قنوط سے بچنا واجب ہے تو اسباب قنوط سے بچنا بھی واجب ہو گا لان مقدمۃ الواجب واجب۔ سرکش غلام کو امید کا درجہ کبھی نصیب نہیں ہوتا جب چاہے تجربہ کر لیا جائے۔ ؎

حب صاحبہ للحبیب یاحبہ ولکن لسان الذنب لیس کلیل

باقی مجرم کی زبان مناجات سے بھی بند ہو جاتی ہے غرض اور انفعال تو ایسے ہیں کہ بدوں ان کے کبھی نہ کبھی مغفرت اور نجات ہو جائے گی خواہ بعد عقاب یا قبل عقاب۔ مگر اسلام وہ چیز ہے کہ اس کے بغیر مغفرت و نجات ممکن نہیں یہ مطلب نہیں کہ خدا اس پر قادر نہیں کہ کافر کی مغفرت کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ کافر کی مغفرت چاہیں گے نہیں۔ گو قادر ضرور ہیں۔ ورنہ تعذیب کافر پر خدا تعالیٰ کا مضطر ہونا لازم آئے گا اور اضطرار منافی وجوب ہے اور بدوں ایمان و اسلام کے حق تعالیٰ کا کسی کی مغفرت نہ چاہنا قرآن میں جابجا مذکور ہے۔ چنانچہ ایک آیت تو وہی ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ

مگر شاید کوئی اس پر شبہ کرے کہ یہاں تو صرف شرک کا ذکر ہے کفر کا ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے ہیں جو مشرک نہیں ہوتے۔ پھر ان سے متعلق کیوں کہا گیا کہ ان کی مغفرت نہ ہوگی اس آیت میں یہاں مذکور ہے؟

تو سنیئے دوسری جگہ مذکور ہے ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنم خلدین فیھا شر البریۃ اس میں کافر کو اہل کتاب اور مشرکین کا قسیم قرار دیا ہے دونوں کے لئے خلود فی جہنم کو بتایا ہے جس سے کافر کی مغفرت نہ ہونا بھی معلوم ہوتی اور یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں تو صرف خلود کا ذکر ہے۔ جس کے معنے دیر تک ٹھہرنے کے ہیں اور اس کے لئے دوام ضروری نہیں۔

جواب یہ ہے کہ دوام خلود کے معنی میں ہے۔ ہاں اگر کوئی قرینہ قائم ہو تو خلود سے دوام کا قصد ہو سکتا ہے اور یہاں خلود کے دوام ہونے پر قرینہ قائم ہے۔ وہ یہ کہ مشرکین کے لئے خلود بمعنی دوام ثابت ہوگا اور یہاں کافر و مشرک دونوں کا حکم مذکور ہے۔ جب مشرک کے لئے خلود بمعنی دوام ہے تو کافر کے لئے بھی دوام ہی ہوگا۔ ورنہ کلام واحد میں ایک لفظ سے جدا جدا معنی کا قصد لازم آئے گا جو کہ قبیح ہے۔

علاوہ ازیں یہ بعض آیات میں کافر کے لئے خلود کو دوام سے موصوف بھی کیا گیا ہے چنانچہ ایسا جلد ارشاد ہے ان الذین کفروا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقا الا طریق جھنم خالدین فیھا ابدا اور ارشاد ہے ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ ثم ماتوا وھم کفار فلن یغفر اللہ لھم۔ پس اس کافر کا جو ہمیشہ کیلئے معذب ہونا صاف طور پر معلوم ہوگیا۔ جس سے یہاں عدم مغفرت بھی سمجھ میں آگئی ہوگی۔

اور یہاں سے ایک اشکال کے مندفع ہونے پر تنبیہ کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ خلود کے معنے مکث طویل ہونے سے اس آیت کی تفسیر واضح ہوگئی جو قاتل عمد کے بارہ میں وارد ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا کہ اس سے قاتل عمد کی توبہ کا مقبول نہ

...لازم نہیں آتا کیونکہ اس میں خلود بمعنی قید دوام مذکور ہے اور خلود دوام کو مستلزم نہیں ہے
...اں قرینہ ورود دوام کے لئے مرجح ہے۔ اس لئے مدلول آیت صرف اس قدر ہے کہ قاتل
عمد کو بہت دیر تک عذاب جہنم ہوگا مگر کسی وقت نجات ہو جائے گی۔ مدت دراز کے بعد جب وہ
مستحق نجات ہے تو اس کی توبہ بھی قبول ہوں چاہئے اس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک قاتل عمد کے لئے توبہ نہیں۔ مگر جمہور صحابہؓ کے نزدیک قبول
ہے پھر صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین کا سپر اجماع ہو گیا کہ اس کی توبہ مقبول
ہو سکتی ہے جب کہ قاعدہ شرعیہ سے ہو اور قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف متقدم کا رافع
ہوتا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ اجماعی ہے مگر کفار و مشرکین کے لئے دوسری بعض آیات میں خلود
کے ساتھ دوام بھی مذکور ہے اس لئے وہاں مغفرت کا کوئی امکان نہیں۔ کیونکہ خلود کے معنی بہت دن
رہنا ہے اور ابد وہ ہے جس کا کبھی انقطاع نہ ہو۔ حاصل یہ ہوا کہ کفار و مشرکین جہنم میں ایسی مدت
کے لئے داخل ہوں گے جس کا انقطاع ہی نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ کفر کفر ہے خلاف اسلام کو خواہ
اس کے ساتھ شرک بھی ہو یا نہ ہو۔ دونوں کے لئے سزا ابد تا ابد ہے۔

کفر سے بڑا جرم

جب ترک اسلام کی سزا یہ ہے تو اس سے اسلام کی عظمت اور
معصیت اور اس کی مغفرت کا درجہ معلوم ہو گیا اور ترک اسلام کی دو
صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اول ہی سے اسلام قبول نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ بعد قبول کرنے کے ترک کر
دے۔ دونوں صورتوں میں یہی سزا ہے بلکہ دوسری صورت پہلی سے شدید ہے۔ چنانچہ قوانین
سلطنت میں بھی باغی کی سزا ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جو پہلے ہی سے اس سلطنت کی رعایا
نہیں ہیں بلکہ کسی حاکم سلطنت کی رعایا ہیں پھر لوگوں پر اگر کبھی غلبہ ہو جائے تو ان کو غلام
بنا لیتے ہیں یا حبس کر کے رہا کر دیتے ہیں یا غرامت جرمانہ وغیرہ کرتے ہیں مگر باغی کے لئے
بجز قتل یا عبور دریائے شور کے کچھ سزا ہی نہیں۔
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رعایا بن کر باغی ہو جانے میں سلطنت کی زیادہ توہین

ہے اسی طرح اسلام کو مرتد ہو جانے میں اسلام کی سخت توہین ہے اور اس کی تعلیم کو دوسروں کی نظروں میں حقیر کرنا ہے۔ دیکھئے ایک تو وہ شخص ہے جو کبھی آپ کا دوست نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ سے مخالفت سے اس کی مخالفت سے آپ کا نقصان نہیں ہوتا اور کبھی وہ آپ کا دوست رہا ہو تو لوگ اس کی بعض باتوں میں اس کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے سب کہتے ہیں کہ یہ اس کو تو ہمیشہ سے اس کے ساتھ عداوت ہے دشمنی میں یہی باتیں کرتا ہے۔ اور ایک وہ شخص ہے جو سالہا سال آپ کا دوست رہا ہو کبھی وقت مخالف بن گیا اس کی مخالفت سے بہت ضرر ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ برا بھلا آپ کو کہتا ہے لوگ اس پر توجہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہ شخص جو کہہ رہا ہے اس کا کوئی عداوت نہیں ہے مگر دشمن ہوا تو سالہا سال تک دوست کیوں بنا رہا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دوستی کے بعد فلاں شخص کے برے پہلے معلوم ہو گئے ہیں اس لئے مخالف ہو جانا ضرور نہیں ہے کہ جو شخص دوستی کے بعد دشمن بنا ہو وہ کسی برے معلوم کرنے کے بعد ہی دشمن بنا ہو۔ ممکن ہے کہ کسی شخص نے دوستی ہی اس نیت سے کی ہو کہ لوگ دوستی کے بارہ میں مجھے اس کا راز دار سمجھیں گے تو پھر مخالفت کی حالت میں جو کچھ کہوں گا اس کو یہ سمجھ کر قبول کریں گے کہ یہ شخص راز دار رہ چکا ہے اس کو ضرور کچھ ناگوار باتیں معلوم ہوئی ہیں اس لئے مخالف ہو گیا چنانچہ بعض یہود نے اسلام کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا تھا وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ پس ہر چند کہ دوست کی مخالفت میں یہ احتمال بھی ہے مگر عادۃً لوگ دوستوں کی مخالفت سے عموماً جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور اس احتمال پر نظر نہیں کرتے۔ اس لئے مقلد دستور عادۃً وہ شخص بہت بڑا مجرم شمار ہوتا ہے جو موافقت کے بعد مخالفت کرے اسی لئے شریعت میں مرتد کے لئے دنیوی سزا بھی سخت ہے اور عذاب آخرت بھی اشد ہے۔

اس تقریر سے آیت کے ترجمہ و تفسیر کا بیان تو ہو گیا کیونکہ اس آیت میں اصل مقصود

---

* بیت ماجئت القوسین من الطعام ۔

اصل میں نفسیت ہی کا بیان ہے مگر مجھے اس وقت صرف بیان نفسیت پر اکتفا مقصود نہیں بلکہ اس کے بیان سے دوسرے مضمون کو مرتب کرنا ہے جس کو آئندہ بتلاؤں گا۔

اس سے پہلے ایک شبہ عقلی

ہمیشہ کفر پر غیر محدود عذاب شبہ کا جواب اکا جواب دیدینا چاہتا ہوں۔ شبہ یہ ہے کہ شریعت میں کفر کی سزا دائمی عذاب جہنم بیان ہوا ہے حالانکہ سزا مناسب جنایت ہونی چاہیے اور یہاں جنایت متناہی ہے۔ کیونکہ عمر کافر کی متناہی ہے تو سزا بھی متناہی ہونی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ سزا جنایت کے مناسب ہونی چاہیے مگر یہ مناسب کے یہ معنی ہیں کہ جنایت اور سزا دونوں کا زمانہ بھی مناسب ہو اگر یہی بات ہے تو جنایت کی میں جلد دو گھنٹہ تک ڈنڈے پڑتے ہوں اور ڈاکہ زنی کی تو ہاتھ کاٹنے کو صرف دو منٹ میں دیدے۔ اگر حاکم ایسا کرے تو کیا آپ اس کو انصاف مانیں گے؟ اور سزا کو جنایت کے مناسب مانیں گے، ہرگز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ سزا و جنایت میں مناسبت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دونوں کا زمانہ مناسب ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سزا میں شدت بقدر شدت جرم ہو۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ شریعت نے کفر کی سزا میں جو شدت بیان کی ہے وہ شدت جرم کے مناسب ہے یا نہیں اور یہ دیدہ شدید ہے یا نہیں؟

شاید آپ کہیں کہ جرم شدید تو ہے مگر

جواب ۲ جزا و سزا میں نیت کا دخل۔ نہ ایسا شدید کہ اس کی سزا ابدالآباد جہنم ہو میں کہوں گا کہ یہ حیال آپ کو اس لئے پیدا ہوا کہ آپ نے صرف ظاہری صورت پر نظر کی ہے حالانکہ سزا و جزا کا مدار محض اس کی ظاہری صورت پر نہیں ہے بلکہ نیت کو بھی اس میں بہت بڑا دخل ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اصل مدار نیت ہی پر ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص دھوکہ سے شراب پی لے تو اس کو گناہ نہیں ہوا گو صورت گناہ موجود ہے۔ کیونکہ نیت نہ تھی۔ اور اگر ایک شخص شراب پینے کے لئے دوکان پر جائے اور دوکاندار بجائے شراب کے کوئی شربت اس کو دیدے جسے یہ

شراب سمجھ کر پی لے تو اس کو گناہ ہوگا کیونکہ اس کی نیت تو شراب پینے ہی کی تھی۔ اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرے مگر وہ اندھیرے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری بیوی نہیں بلکہ کوئی اجنبی عورت ہے، تو اس کو گناہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مجامعت میں تصور کسی اجنبیہ کا کرے یعنی بیوی سے مجامعت کرتے ہوئے یہ تصور کرے کہ میں گویا فلاں اجنبیہ سے مجامعت کر رہا ہوں اور اس کی صورت ذہن میں حاضر کر کے اس سے لذت لے، تب بھی گناہ ہوگا اور اگر شب زفاف میں عورت نے اس کے پاس غلطی سے بجائے اس کی بیوی کے کسی دوسری عورت کو بھیج دیا جس کے ساتھ یہ شخص یہ سمجھ کر مجامعت کرتا رہا کہ یہی میری بیوی ہے تو اس کو گناہ نہ ہوگا اور یہ وطی زنا شمار نہ ہوگی بلکہ وطی بالشبہہ ہوگی جس سے ہوت نسب بھی ہو جاتا ہے اور عدت بھی لازم ہوتی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہوئی تو سمجھ کر کہ ہر میں کفر کا فرقہ تاہی ہے مگر اس کی نیت یہ تھی کہ مرتد رہا تو میں ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم پر رہوں گا اس لئے اپنی نیت کے موافق اس کو ابدالآباد جہنم کا عذاب ہوگا۔ اور اسی طرح مسلمان کا سلام گو بظاہر متناہی ہے مگر اس کی نیت یہ ہے کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں تو ہمیشہ سلام پر مستقیم رہوں گا اس لئے اس کے لئے ابدالآباد ثواب جنت ہے۔

اتلاف حقوق الٰہی کی سزا ثواب

(یہ بات تحقیق ہو چکی ہے کہ کفر سے حقوق الٰہی کی تفویت ہے اور حقوق اللہ غیر متناہی ہیں تو ان کی تفویت کی سزا بھی غیر متناہی ہونی چاہئے اور اسلام میں حقوق اللہ کی رعایت ہے اور وہ غیر متناہی ہیں تو ان کی رعایت کا بدلہ بھی غیر متناہی ہونا چاہئے۔ الحمد للہ اب یہ اشکال بالکل مرتفع ہو گیا۔

اب میں اس مقصود کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو فضیلت اسلام پر مجھے متفرع کرنا ہے اور وہ دو مقصود ہیں ایک رجحان ہے اپنی طرف دوسرا رجحان ہے دوسروں کی طرف یعنی ایک مقصود لازم ہے ایک متعدی۔

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسلام کی نعمت

نعمت اسلام کی ناقدری جو ہم کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اس کا مقتضا یہ ہے کہ ہم کو اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دنیا کی ادنیٰ نعمت پر تو شکر کرتے ہیں مگر سب سے بڑھ کر نعمت پر بہت کم لوگ شکر کرتے ہیں۔ اور نعمت کا ادنیٰ ہونا باعتبار ضائع ہونے کے ہے بعض نعمتیں بعض کے مقابلہ میں ادنیٰ ہیں اور بعض اعلیٰ ہیں ورنہ اصل نفس کوئی نعمت نہیں خدا کی نعمتیں سب بڑی ہیں ایسی ہے

آسمان نسبت بعرشش آمد فرود لیکن بس عالی ست نزد خاک تو

غرض ہم لوگ شادی پر شکر کرتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے

نعمت اسلام پر شکر کہ لڑکی یا لڑکے کا نکاح بخوبی ہوگیا یہ اس جانب بھی سبب شکر کا دیتے ہیں۔ جو بھی شخص کسی نعمت سے مسرور و فرحاں ہوتا ہے۔ اسی طرح تحدیث نعمت پر نوکری مل جانے پر شکر کرتے ہیں روٹی کھا کر بھی الحمد للہ شکر کہہ لیتے ہیں اگرچہ ہمارا یہ شکر اس قابل نہیں کہ شکر کہا جائے۔ کیونکہ اکثر ہم لوگ دل سے شکر نہیں کرتے صرف زبان سے الحمد للہ کا لفظ بے ساختہ نکل جاتا ہے۔ اور اگر دل سے بھی نکلتا ہو تب بھی وہ شکر ناقص ہی ہے کیونکہ شکر کے تین درجے ہیں۔ دل سے، زبان سے افعال و اعمال سے۔ ہم لوگ اول تو محض زبان ہی سے شکر کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی دل سے بھی کرتا ہو تو افعال سے شکر کرنے والے تو بہت کم ہیں۔ اور اگر کوئی اعمال سے بھی شکر کرتا ہو جب بھی خدا کی نعمت کا حق ہم سے ادا نہیں ہوسکتا حق تعالیٰ کی یہ نعمت بہت بڑی ہے ایک کا شکر بھی کما حقہ دشوار ہے۔ خصوصاً جب کہ دیکھا جائے کہ خدا تعالیٰ کا یہ انعام ہمارے ایسی حالت میں ہوا ہے کہ ہم انعام کے قابل نہ تھے بلکہ سزا کے قابل تھے۔ ہماری ساتھ جو خدا کا معاملہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے ساتھ جو ہمارا برتاؤ ہے اس کو کسی اور آقا کے ساتھ کرکے دیکھا جائے تب حقیقت معلوم ہو کہ ہم کیا

ہیں زمین کے اندر گاڑ دیئے جانے کے قابل تھے مگر پھر بھی وہاں سے انعام ہی ہوتا ہے۔

پھر نعمت بھی ایک نہیں بلکہ واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنۃ۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ہم کو ظاہری و باطنی نعمتیں بے شمار ملی ہیں۔ باطنی نعمت سے وہ مراد نہیں، جس کو تصوف کی اصطلاح میں باطنی نعمت کہا جاتا ہے تاکہ یہ شبہ پیدا ہو کہ ہم سب اہل باطن ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نعمتیں محسوس ہیں، بعض غیر محسوس ہیں۔ نعمت ظاہرہ سے محسوس مراد ہیں اور باطنہ سے غیر محسوس جس کی ایک فرد وہ بھی ہے جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں نعمت باطنی کہتے ہیں۔ مگر سب میں اس کا وجود ضروری نہیں۔ کیونکہ یہاں یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ تمام انعم ظاہرہ اور تمام انعم باطنہ ہر شخص کو عطا ہوئی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو انعم ظاہرہ و باطنہ سے کچھ نہ کچھ ضرور عطا ہے۔ جس کیلئے یہ لازم نہیں کہ ہر شخص میں سب کی سب جمع ہوں۔ بہرحال ہر شخص کو ظاہری و باطنی نعمتیں بقدر کثیر حاصل ہیں۔ تو جب ایک نعمت کا شکر ہم سے ادا نہیں ہو سکتا، تو مقدار کثیر کا شکر کیونکر ادا ہو سکتا ہے۔ یہ تو حقیقت کے اعتبار سے ہے۔

مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ ہم سے شکر حقیقی کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ اسی قدر کا مطالبہ فرماتے ہیں جتنا ہم سے ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ ہم اتنا بھی نہیں کرتے کوئی محض شکر زبانی پر اکتفا کرتا ہے۔ کوئی محض قلبی پر، کوئی دونوں کو جمع کرتا ہے تو اعمال میں کوتاہی کرتا ہے مگر خیر جیسا شکر بھی ہم کرتے ہیں وہ دنیوی نعمتوں کے ظہور کے وقت ظاہر ہوتا ہے نعمت اسلام پر کوئی شکر نہیں کرتا بلکہ یہاں اتنا مجمع موجود ہے ہر شخص اپنے دل میں غور کرے کہ جس گھنٹے میں کوئی ساعت بھی ایسی ہوتی ہے جس میں ہر شخص خدا تعالیٰ کا اس لئے شکر کرے کہ اس نے یہ کو مسلمان بنایا۔ اسلام و ایمان عطا کیا۔ مسلمانوں کے گھر پیدا کیا۔ غالباً کوئی شخص بھی ایسا نہ نکلے گا ان شاء اللہ۔ تو یہ ہماری کتنی بڑی کوتاہی ہے کہ ایسی نعمت پر شکر کی توفیق ہم کو نہیں ہوتی۔ جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں اور مرنے کے بعد ہمیشہ کی نجات کا مدار اسی پر ہے۔ بھلا اگر یہ نعمت سلب ہو جاوے خدانخواستہ تو پھر ہمارا کہاں ٹھکانا ہے گا جب یہ اتنی بڑی نعمت ہے تو

اس کا شکر نہ ادا کرنا بڑی غفلت ہے

اور حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ گریبان پر ہاتھ مارتے ہوئے تو

تدبیر حسن خاتمہ ہمیشہ نعمت عطا فرمانے والے کا شکر کرتے رہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں نعمت کو بڑھاؤں گا اسے زیادہ کروں گا۔ سبحان اللہ یہ نہیں فرمایا کہ اگر نہ کرو گے تو میں نعمت سلب کر لوں گا بلکہ لام تاکید فرما کر میں نعمت کا وعدہ ہے وعدۂ زیادت سے نقصان کی نفی ہو گئی اور نفی نقصان سے سلب کی نفی بدرجۂ اولیٰ ہو گئی یہ بدولت ہے کہ یہ لفظ ایسا ہے جس سے نقصان و سلب دونوں کی نفی بھی ہوتی اور ترقی کا وعدہ بھی ہو گیا کوئی لفظ ایسا بتلائیے جس کے ایک لفظ سے اتنے معانی حاصل ہوتے ہوں۔ غرضیکہ وعدہ کے ساتھ لفظ اعلیٰ رکھا ہے جب شکر پر وعدۂ زیادت ہے تو جو شخص نعمت ایمان پر شکر ادا کرتا ہے اس کا ایمان بھی زوال پذیر نہ ہو گا مدتوں بڑھتا رہے گا۔ پس یہ دستور العمل بنانے کے قابل ہے اگر اپنا ایمان سلامت رکھنا چاہتے ہو تو ایمان کا شکر کبھی نہ بھولو۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر علی ما رزقتنی سعۃ الایمان

[illegible] جلدی گیا ہے کہ یہ ہے نہیں موجود مسلمان سلام کا شعر [illegible] بچوں کی طرح روٹیوں کے [illegible] سلام کی تعلیم دی کہ میاں [illegible] کھانے کے بعد تو سلام کا تصور کر لیا کرو کیونکہ اس وقت بندہ بڑی نعمت تناول سامنے ہوتی ہے اس کا شکر تو ظاہر ہو جاتا ہے [illegible] سلام کا شکر ہو جاتا ہے جس سے یہ سب کھانا پینا ہضم ہو گیا اور سلام کی برکت آخرت میں بھی تو یہ نعمتیں نصیب ہوں گی اگر نعمت اسلام نہ ہوتی تو کھانا پینا سب [illegible] اور اس کی لذت چند روزہ ہوتی۔ پس روٹیوں کے ساتھ سلام تعلیم فرمانا ایسا ہے جیسے بچوں کو مربیات میں دوائیں دیتے ہیں۔ افسوس ہم ایسے نالائق ہیں کہ بچوں کی طرح بڑے بھی [illegible] سلام کی تعلیم فرماتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنے کھانے کے بیان میں کھانے کے بعد حضور ﷺ کی ایک اور مفید دعا کی تعلیم فرمائی ہے کہ جب کسی دوسرے کے گھر افطار کرے تو میزبان کو یہ دعا [illegible] میں [illegible] یعنی دعوت کرنے والے کا [illegible] اللہ جس طرح اس نے ہم کو کھلایا پلایا ہے آپ بھی اس کو [illegible] کھلائیے پلائیے یہ [illegible] کے بعد شربت سے متاثر فرمانا [illegible] حضور کی تعلیم ہے مگر یہاں یہ عادت ہے کہ [illegible] دعا دیتے ہیں اس کا شکر تو کیا ادا کرے گا کھانے میں عیب نکالتے ہیں حضور ﷺ کے کھانوں میں تو تنزیہی ہوتا ہے۔ ایک بنیئے نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت بڑی بارات بلائی تھی اور دعوت کا سامان بہت بڑھیا کیا تھا اس کے علاوہ چلتے ہوئے ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی دی تھی یہ سب کچھ کر کے اس کو خیال ہوا کہ آج بارات میں میری خوب تعریف کرتے جائیں گے۔ وہ اپنی تعریف سننے کے لئے اس راستہ میں چھپ کر بیٹھ گیا، جہاں سے بارات گذر رہی تھی مگر وہاں بالکل سناٹا تھا کسی نے بھی تو بنیئے کی دیا دی کی داد نہ دی آخر بہت دیر کے بعد ایک گاڑی میں سے آواز آئی کہ کوئی شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ بھائی! لالہ جی نے بڑی حوصلہ کی دعوت کی۔ اچھے اچھے کھانے کھلائے اور چلتے ہوئے ایک ایک اشرفی بھی تو دوسرا کیا کہتا ہے کیا میاں کیا کیا؟

[illegible]

اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ جس شخص سے زیادہ

جب جاہ کی حقیقت [illegible] جو اب جاہ سے بہتر ہے کیونکہ یہ کسان محض واہمی [illegible] بلکہ دوسرے کے خیال کے ساتھ [illegible] دوسروں کی نظروں میں معزز ہونے کا جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے جو کہ بنیے وجہ ہی خود اس دوسرے کے تابع ہے۔ وہ جب چاہے اس کی جاہ کو خاک میں ملا دے۔ مگر جاہ خوش ہے کہ کاروبار [illegible] ہے جو اس کو نہ ہے کہ نشے کی دکان ہے یہ سے وہ بیٹھے غلہ پاتا ہے، جی ہاں [illegible] ہے تو اس کو بھی چوبیس دن بیٹھے سے ساری خرچی [illegible] ہو جاتے ہیں۔

کسی طرح اوسے شخص کا [illegible] جاہ کے لئے چوبیس دن سے ایک گھنٹہ [illegible] ہے کہ وہ سب [illegible] کے کام ہے وہ ایسا کسان نہیں جو بنیے قبضہ [illegible] اس نقص یہ ہے کہ اس کے نفع [illegible] ہے وہ محض قسمت سے یعنی ہزاروں [illegible] کیونکہ عزت و ذلت سے [illegible] جاہ ڈھتی ہے۔ محض دے خوش رہنے سے جاہ سے تو اچھے ہیں ایک [illegible] اور جو لوگ جاہ سے نفع [illegible] کرتے ہیں جیسے بعض لوگ بڑے بن کر غریبوں سے بیگار لیتے ہیں یا جا و بیجا فرمائشیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کی جاہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے۔ غرض اس سے بدل خیالی نفع کے اور کچھ نہیں۔

ایک رئیس نے ویرنبد میں بڑی دھوم دھام کی دعوت کی تھی۔ جس میں بڑے بڑے صرف ہوتا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کے بعد اس

رئیس صاحب کو اس فراخ حوصلگی کی داد اس طرح دی کہ شیخ صاحب واقعی آپ نے بڑے حوصلہ کا کام کیا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اتنا روپیہ خرچ کر کے آپ نے ایسی چیز خریدی جو بازار میں پھوٹی کوڑی کو بھی نہیں بک سکتی۔ یعنی نام۔ اور اگر بدنامی ہو گئی تو وہ یہاں چاہ بھی جاتی رہی۔ اس چاہ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہار پوٹلی باندھے ہوئے چوڑیوں کا بیچارا تھا۔ ایک گنوار نے لاٹھی کا کھوکھ مار کر پوچھا کہ میاں اس میں کیا ہے؟ اگر گنوار دانش کی عادت ہے کہ وہ لاٹھی مار کر پوچھا کرتے ہیں۔ اس منہار نے جواب دیا کہ اس میں ایسی چیز ہے کہ ایک کھوکھ مار دو تو کچھ نہیں۔ اسی طرح جاہ کی چیز ہے کہ ذرا سی ٹھیس میں جاتی رہتی ہے۔ اسی لئے لوگ نام کے واسطے روپیہ برباد کرتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے بڑی غلطی کھانے والوں کی ہے کہ وہ دوسروں کا مال کھا کر شکریہ ادا کرنے کے بدلے دعا دیتے ہیں۔

اس آج کل مردوں کو قل دینے کی جو رسم ہے وہ بھی کھانے والوں کو کوئی دعا نہیں دیتا۔ بلکہ پہلے کھلانے والے کو دعا دینی چاہیئے۔ مردہ کھاتا تو مردوں کو ثواب کیسے پہنچتا؟ بلکہ کھانے والوں کو بھی دعا دینی چاہیئے۔ دل کا حوصلہ ہونا چاہیئے کیونکہ مردہ کھاویں تب بھی مردوں کو ثواب نہیں پہنچ سکتا۔

میرٹھ میں ایک شیفتہ ہو گئے ہیں جن کی فاتحہ دی جا رہی تھی اور ایک لمبی فہرست پڑھی جا رہی تھی جس میں سینکڑوں نام تھے۔ جب فہرست کے ختم ہونے میں دیر لگی تو ایک صاحب بولے کہ میاں اس میں ہمارا بھی تو نام ہونا چاہیئے کہ خدا کی قسم کر کے کھا دیں تو ان میں سے ایک کو بھی ثواب نہ ملے گا سب لوگ ہنس پڑے اور وہ فہرست ختم کی گئی۔

ان رسوم میں ایک بات ایسی ضرور موجود ہوتی ہے جو اس کے خوب چل ہونے پر خود دلالت کرتی ہے چنانچہ کھانے سے پہلے مردوں کے نام ترتیب وار پڑھا جانا یہ محض لغو حرکت ہے۔ آخر یہ نام کیے سنائے جاتے ہیں۔ اگر کھانے والوں کو سنائے جاتے ہیں کہ تم ان لوگوں کی نیت کر کے کھانا، تو ظاہر ہے کہ کھانے والے جب ہاتھ دھو کر بیٹھتے ہیں

ن کر سوال کرنے کے اور کچھ یاد نہیں رہتا اور نہ اتنی لمبی فہرست یاد رہ سکتی ہے اور اگر خدا کو سمجھنا ہے تو اس کا فہم بالکل ناقص ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو ہر شخص کی بیت ہ حال معلوم ہے۔ ان کو [illegible] ضرورت ہے، مگر یہ بھی بعض لوگ ہیں جو اس سے فائدہ اور اطمینان حاصل کرتے ہیں اور خوشی محسوس کرتے ہیں

چنانچہ یہ لوگ صاحب کہنے لگے۔ مولوی خواہ مخواہ فخر کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ سنہ ۱۹۰۰ء میں کی دستخطی تحریر ہے چنانچہ اس کا نام ہی فخر ہے بسبحان اللہ کیا پاکیزہ دلیل ہے۔ پھر یہ لوگ عبادت بند کر کے دقائق علمیہ کو سمجھنا چاہتے ہیں اور جب نہیں سمجھتے تو عبادت پر اعتراض لگاتے ہیں۔ یہ ہم کو کبھی نہیں سکھائے غرض حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہر کھانے کے بعد سب آداب بتلائے ہیں، جن میں ضمناً معدہ پر بھی شکر کی تعلیم فرمائی۔

اب سمجھئے کہ شکر کے معنی ہیں مدد دانی کے اسی واسطے خدا تعالیٰ

شکر کے معنی کا نام شکور ہے کہ وہ اعمال کی قدر کرتے ہیں قدر کی دو صورتیں ہیں۔ اگر یہ شخص حاجت مند ہے تو اس کی قدر یہ ہے کہ اس سے منفعت حاصل کرے اور منعم کا احسان مانے اور اگر حاجت مند نہیں ہے تو اس کی قدر یہ ہے کہ اس نفس کی جزو صدقہ کرے چنانچہ حق تعالیٰ کو شکور اسی معنی کے اعتبار سے کہتے ہیں۔ ان کی قدر دانی یہ ہے کہ وہ بندوں کے اعمال کا صلہ دیتے ہیں اور بندہ کی قدر دانی یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے وہ منافع حاصل کرے جن کے لئے وہ موضوع ہیں۔ مثلاً روٹی کی قدر یہ ہے کہ اسے کھاؤ پانی کی قدر یہ ہے کہ پیو اور برف کی قدر یہ ہے کہ اس سے ٹھنڈک حاصل کرو۔ اگر کوئی شخص برف کو پانی میں گھول کر معمولی برتن کے اندر رکھ دے تو کہا جاتا ہے کہ اسے برف کی قدر نہیں ہے کیونکہ جس منفعت کے لئے وہ موضوع تھی اس سے وہ نفع حاصل نہ کیا۔ اس لئے قدری کی۔ اسی طرح اسلام کا شکر یہ ہے کہ اس کی قدر کرو اور قدر یہ ہے کہ اس کی برکات و منافع حاصل کرو

اب مسئلہ سلام کے منافع پر ہیں سو سمجھ لینا چاہیئے کہ سلام پھیلانے کے

منافع اسلام ذریعہ ہم ایک درجہ مفروضہ قائم کرتے ہیں کہ ہے کہ خدا و رسول کا شریک نہ سمجھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رسالت کا قرار سرے یہ تو ادنیٰ درجہ ہے

ورنہ درجہ کمال تو یہ ہے کہ ایمان لائے اور اس کے بغیر نجات ہو ہی نہیں سکتی یہ تو برکت ادنیٰ درجہ سے حاصل ہو گئی ہے کہ اس کی بدولت کسی وقت جہنم سے چھٹکارہ ہو جائے گا۔

اور اسی درجہ میں سمجھنا چاہیئے کہ تمام فرائض اور واجبات اسلام کی پابندی بھی کی جائے اس سے نجات کامل حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب کے بعد جنت میں جانا نصیب ہوتا ہے اور اگر بعض واجبات سے [illegible] اسلام کی فروعات [illegible] ہر شخص کی یہی حالت ہوتی ہے کسی [illegible] کے بقدر ہوتا ہے۔ مقدمات میں اس کا متوقع کوئی ہوتا ہے [illegible] ہو جائے خواہ سزا ہی کے بعد سہی۔

اسی طرح ہر مطلوب میں انسان کو درجہ کمال ہی مطلوب ہوتا ہے تو سلام میں بھی درجہ کمال مطلوب ہونا چاہیئے۔ مثلاً رہائش کے مکان میں۔ ایک تو وہ ہے جس میں گھر کی دیواریں ہیں، کچی چھت ہے، نہ صحن ہے نہ غسلخانہ کا پاخانہ ہے، پیشاب سب ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ اور ایک وہ مکان ہے جس کا صحن وسیع ہے۔ ہوا بھی آرام سے آ رہی ہے دھوپ کا بھی انتظام ہے۔ کمرے بھی مضبوط ہیں، چھت بھی اونچی ہے۔ غسلخانہ بھی ہے، ہوا کے لئے روشندان اور کھڑکیاں بھی ہیں۔ تمام ضروریات علیحدہ بنائے ہوئے ہیں۔ پھر اس میں زینت و آرائش بھی ہر قسم کی ہے۔ خود فیصلہ کر لیجئے کہ مطلوب کون سا مکان ہوگا۔ اسی طرح کپڑا ایک تو وہ ہے جو بدنما صورت ہونے کے ساتھ تن کرنے میں بل و کھنچ کی طرح پیٹ پیچھا دے اپنی بدن ڈھانکنے سے قاصر ہے۔ ایک وہ کپڑا ہے جس سے بدن بخوبی چھپ سکتا ہے، خوش نما خوبصورت ہے

عمدہ سلام ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کو ایسا ہی پڑھ مطلوب ہوگا کہ پہلے تو نمازی اور دین دار بنے کا طالب ہے، درجۂ تقدس پر کوئی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ کمال کی کوشش کرتا ہے مگر ہمارے کالموں میں ہماری یہ حالت ہے کہ درجۂ تقدس پر فائز ہیں، جصوں کمال کی کوشش نہیں کرتے، چاہے بہت لوگ مسلمان ہیں درجۂ اولیٰ یعنی محفوظ شہادتین پر اکتفا کئے ہوئے ہیں ورنہ نماز کی پروا نہیں کرتے

تکمیل اسلام

اس میں علاوہ اس خرابی کے کہ ان کا اسلام ناقص ہے اور فرائض ترک کرنے سے مذموم ہونے کا اندیشہ ہے۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں پر دوسروں کے دھوکہ میں آجانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تجربہ ہے کہ مخالف کو اس مسلمان کے بہکانے کی جرأت ہوتی ہے جس کا اسلام ناقص ہو کافر مسلمان کو اپنے پھندے میں لانے کی کوشش کر سکتا ہے جس کا اسلام کامل نہیں بلکہ مرنے کے نام سے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جن دلوں کا سلام اصل سے اس پر ہمیشہ غور کا اثر نہیں ہوسکتا۔ ہاں جو لوگ نام کے مسلمان ہیں کہ سوائے اپنے کو مسلمان کہنے کے اور کوئی بات اسلام کی نہ ہو جو ضرور نہیں، وہ جلد ہمارے بہکانے میں آسکتے ہیں، اس لئے وہ ایسے لوگوں سے ڈرتے ہیں

چنانچہ آج کل جو فتنۂ زندیقیت ہے اس کے مددگار ایسے ہی مسلمان ہوئے ہیں جو نہ کلمۂ توحید پڑھے، نہ نماز روزہ کے پابند ہیں، نہ صورت و وضع مسلمانوں جیسی ہے، نہ معاشرت مسلمانوں جیسی ہے، صورت سے کوئی شخص ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتا مگر چونکہ وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور ان کے باوجود بھی مسلمان تھے اس لئے شرعاً وہ مسلمان ہیں اور ان کے اسلام کی حفاظت ہمارے ذمہ ضروری ہے۔ بہرحال تکمیل اسلام کی ضرورت ہے اس آفت سے بچنے کے لئے بھی جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے، اگر دفعۃً پوری تکمیل نہ ہوسکے تو چند باتوں کی ضرورت تو بہت سخت ہے۔ یک یہ سب مسلمان نماز کی پابندی شروع کردیں۔ تجربہ ہے کہ نمازی کو کوئی شخص بہکانے کی جرأت

نہیں رہتے تب مسلمان کو کفار نماز کا پابند دیکھتے ہیں اس سے بالکل بادل ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے جیسا بن گیا ہے اس میں اسکتا کیونکہ وہ اس کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں۔ پس فرمایا تم نمازوں پابندی تو بھی سے شروع کرو یہ اسلام کا بڑا پہرہ دار ہے وقتی [illegible] ایک قفل ابھی ہمیں آتی ہے

مشہور مفسر تو ہے کہ نماز مسلمانوں کو برے کاموں سے روک دیتی ہے اس پر ظاہر میں مشکل پڑتا ہے کہ بہت نمازی جو برے کام کرتے دیکھتے ہیں۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ نماز سے برے کام دور ہو جاتے ہیں۔ اگر شخص کی نماز کا ہے شروع و حضوع و جمعہ آداب کے ساتھ ہے۔ تب تو یہ شخص بالکل برے کاموں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اگر اس کی نماز میں نقص ہے تو جیسی نماز ہے اسی کے مناسب برے کاموں سے روکتی ہے۔ مثلاً جس درجہ کی نماز ہو اسی درجہ کی نہی عن منکر ہو گی۔ تجربہ کر لیا جائے کہ دو جماعتوں کا امتحان کر کے دیکھو ایک وہ جو بالکل بے نمازی ہے دوسری وہ جو نمازی ہے اگر ان کی نماز کی درجہ کی تو یقیناً نمازی جماعت کے اندر برے کام کم ہوں گے اور بے نمازیوں میں ان کی نسبت سے زیادہ ہوں گے۔ تو مشہور تفسیر پر اشکال ہوتا تھا اس کا جواب دینے کی ضرورت ہوئی۔ مگر جو تفسیر اس وقت اختیار کی ہے اس پر کوئی اشکال نہیں پڑتا وہ یہ کہ نماز بری باتوں کے پاس آنے کو اس کے ہٹانے سے روک دیتی ہے۔

اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان سے شیطان گوز مارتا ہوا بہت دور بھاگ جاتا ہے اور اس کا قرار کار بھی ہے۔ چنانچہ مندر کے پاس اذان دینے سے وہ لوگ روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان کی آواز سے ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں

ایک راجہ کے یہاں ہندو پنڈتوں نے استغاثہ دائر کیا تھا کہ مسلمانوں کی مسجد مندر کے پاس ہے۔ جس میں وہ اذان دیتے ہیں ان کو اس سے منع کیا جائے کہ زور سے اذان نہ کہا کریں، ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔ راجہ نے وزیر سے کہا کہ ہمارا ایک گھوڑا توپ کی آواز سے چونکتا تھا تو

ہم نے اس کی چیک لگانے کے لیے یہ تدبیر کی تھی کہ اس کو تو بے پاس رسوں سے بندھوا کر
خوب تو بے جیسے ہاتھ دیا تھا ہم سے اس کی تیک چاق ان کی تو ہمارے پیرا کرنا ان سے بھاگے
ہیں تو ہم بہت خوش ہے مسلمان اب چاہیں ہے ہم کو دھوکا دیں کہ ہمارے ان کی تک
لگا دیا ہے وہ سمجھ سے ہیں چاہے نہ ہوں ہم سے ان کی یہ تو بہ ہی وسیلے ہیں ہے
فرض جب کہ یہ تو بہ ان سے ہو جاتے ہیں تو ہیں گاؤں میں آنے دیں گے
وہاں وہ بھی آنکھیں سے ورکر ان کے تھی تو ہے تو صد پست ہو جائیں گے۔ پس یہ تدبیر اس آیت
کی بہت عمدہ لطیف ہے اور واقعی اس پر کوئی بھی اشکال نہیں ہو سکتا۔ اس وقت جو لوگ بھی مشنوں
کے ذریعے سے مرتد ہوتے ہیں یہ بھی لوگ ہیں جن کو اسلام سے کوئی علاقہ نہ تھا اس لیے مسلمانوں کو
چاہیے کہ ان کو ارتداد سے بچنے کے لیے خواہ مخواہ نماز کی پابندی شروع کریں اور دیانت میں بھی مسلمانوں
کو نمونہ بننے کی کوشش کریں۔ حفاظت اسلام کے لیے ایک تو یہ عمل ضروری ہے
دوسرا کام یہ کرنا چاہیے کہ ہر ایک اللہ والے سے تعلق پیدا کریں جس کی اس سے بیعت ہو جائے
یہ بھی حفاظت اسلام سے بڑا ہتھیار ہے۔

میرے ایک دوست کانپور میں تھے جو مجھ سے بیعت بھی ہیں ان کے پڑوس میں
ایک کرسچن کا لڑکا رہتا تھا۔ وہ کم بخت روزانہ سے مذہبی گفتگو کرتا تھا اور اسلام سے بہکانا چاہتا
تھا ایک دن اس دوست نے باتوں باتوں میں اس سے یہ کہہ دیا کہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب
کا معتقد ہوں۔ بس یہ سننا تھا کہ پھر کبھی وہ ان کے پاس نہیں پھٹکا اور دوسروں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ
عیسائی یہ کہتا تھا کہ جو لوگ بزرگوں سے تعلق رکھتے ہیں ان پر ہمارا داؤ نہیں چلتا۔ واقعی حدیث میں آیا ہے
کہ مسلمان کو جماعت میں شامل ہونا چاہیے کیونکہ بھیڑیا اسی بکری کو پھاڑتا ہے جو گلہ سے الگ ہو جاتی
مشہور ہے کہ بھیڑیا گلہ پر حملہ نہیں کرتا بلکہ جب کوئی بکری گلہ سے الگ ہوتی ہے اسے
پھاڑ کھاتا ہے پس مسلمانوں کو چاہیے کہ سنت والوں سے تعلق پیدا کریں اور ان کے سلسلہ میں داخل ہو
جاویں۔ اس میں دفع بلا کی بڑی برکت ہے۔ پھر تم کو کوئی بہکانے نہ آوے گا اور اگر کوئی آوے

قوم میں سے کوئی ہو تو فلاں بزرگ سے بیعت ہیں جو طریقہ کا ہے اسی طریقہ کا ہے۔ اگر کچھ نہ ہے تو ان سے جا کر کہو ان کو سمجھاؤ۔ اگر وہ بھی طریقہ بدلیں گے تو ہم بھی بدل سکتے ہیں ورنہ ہم تو ان کے ساتھ رہیں گے۔ پس بزرگوں کا کام سنگر چھپر ہیں وہ تو ہوا کے نہ آنے کا اور بزرگوں سے تعلق پیدا کر کے مسلمانوں کو ان کے پاس بھیجنا چاہیئے۔ ان کی صحبت سے نوجوانوں کو ترقی اور اسلام کو پختگی حاصل ہوگی۔ پس حفاظت اسلام کے لئے یہ داخل ہونے ایک دوسرے کی بزرگ سے تعلق پیدا کرو۔

ایک قصہ نقل کیا ہے کہ گائے کا گوشت کھانے والے کو کوئی ہندو نہیں بھگا سکتا۔ بکری کا گوشت کھانے والے کو تو بھگا سکتا ہے مگر گائے کا گوشت کھانے کے بعد پھر کچھ ڈر نہیں رہتا اور اگر اس کو ذبح کرنے لگو تو پھر تمہارے موقعہ دیکھ کر مارنے لگیں گے۔ چنانچہ ہندوستان میں جو لوگ کاہینہ گائے ذبح کرتے ہیں ان پر ہندو کسی وقت بھی قابو نہیں پا سکتے کردہ مار بھگا سکتے ہیں۔

ایک ظرافت کا قصہ ہے ایک دفعہ ریل کے مسافر بھائے ایک دوست گائے کے بڑے سے پستوں کا کباب بنا رہے تھے۔ ریل میں مسافروں کا ہجوم تھا ایک ایک ڈبہ میں چالیس چالیس آدمی بھرے ہوئے تھے۔ جب پھر بھی آدمی آتے گئے تو ان حضرت نے کھانے کا دستر خوان بچھا لیا جس میں گائے کا گوشت تھا۔ ہندو آتے دیکھا کے گوشت دیکھ کر رام رام کہتے ہوئے وہاں سے چل دیتے۔ جب کھا چکے تو ہمارے دوست نے ایک بڑی ہڈی ہاتھ میں لے لیا اور جو ہندو آتا اسے وہ ہڈی دکھا دیتے کہ یہاں جگہ نہیں آگے جاؤ۔ اس ہڈی کی صورت دیکھتے ہی کوئی ہندو وہاں نہ ٹھہرا۔ اس لئے اس کا نام پتوں رکھا گیا تو بہ چہرہ صورت سے گفتار بھاگتے ہیں اس کو تم کھانے لگو گے تو پھر وہ تمہارے پاس کب آنے لگے۔ بس گائے کا گوشت کھانے سے تو تم بے فکر ہو کر جنت کے گاڑیکہ سے کھڑکی کر بیٹھ جاؤ گے۔

یہ فتویٰ بتلا رہا ہے کہ ہندوستان میں گائے کا گوشت کھانے والا کامل مسلمان نہیں ہے، حالانکہ اس کے یہاں اسلام کی تکمیل نہیں ہوتی، جبکہ جو لوگ گائے کا گوشت نہیں کھاتے ہندوؤں کے ساتھ دن رات رہتے سہتے ہیں، ان کی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہندوؤں کے ساتھ رہنے سہنے سے اسلام سے بہت ہی دور اصل حالت پر آ گئے ہیں۔ گویا ان لوگوں نے اس فتویٰ میں خود ہی کہہ دیا کہ ہمارے یہاں مسلمان وہی ہے جو گائے کا گوشت کھاتا ہے اور جو گائے کا گوشت نہیں کھاتا اس کو دوسرے بھی ہندوؤں سے قریب اور مسلمانوں سے بعید سمجھتے ہیں پھر ایسے گائے کے شعار اسلام ہونے میں کیا شبہ ہے، شعار اسلام کے درکیا معنی ہوتے ہیں؟

اس تمہید سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام کے مقابلہ میں امتیاز رکھنے والی ہر وہ چیز شعار اسلام ہے اور یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان کو ہندوؤں سے امتیاز گائے کے ذبح اور اس کا گوشت کھانے سے ہوتا ہے اور اس وقت تجربہ نے بتلا دیا کہ جو لوگ اس شعار اسلام کے تارک تھے، زیادہ تر وہی فتنۂ ارتداد کے دام میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو اس شعار کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان کی طرف کوئی شخص نہیں کرتا، یہ علامت شعار اسلام ہونے کے ثبوت میں پورا دخل ہے جیسے ابھی میں نے قصہ بیان کیا کہ ایک دوست سے لوٹ کے ڈبے کو پسند بنایا تھا، واقعی یہ بیتول سے بھی زیادہ مؤثر ہے، مگر کیوں اس حقیقت سے بات ہے۔

کتاب علم مگر اس پر آج کل بعض علماء کو بھی ذبح گائے کے شعار اسلام ہونے میں شک ہے، مگر یہ وہ علماء ہیں جو محض کتابوں سے پڑھ لینے والے ہیں اور دین کی فہم سے بالکل کورے ہیں، گو بات تو کہنے کی نہیں مگر ضرورت کی وجہ سے کہتا ہوں کہ آج کل بہت سے علماء محض کتابوں کے کیڑے ہیں جن کا فہم درست نہیں محض کتابیں چاٹ کر کے عالم کہلانے لگے بعض کی تو یہ حالت ہے کہ سیاسیات سے نابلد ہونے کی وجہ سے کتابیں سمجھ کر بیان پڑھتے ہیں جنہوں نے کتابیں سمجھ کر پڑھی ہیں ان کا علم بھی نوکرشاہی علم ہے جو امور شریعت سمجھنے کے

ناکامیاب ہے یا رحمت اس سے چھوٹ جاتا ہے کہ [illegible] ہوتی ہے ۔

بچائے بیماب سے کرے [illegible] عیسیٰ تو گشت تصدیق قرے چند

حضرت خضر و کلیم [illegible] ضرورت اس کی ہے ۔

[illegible]

نور تقویٰ و طہارت سے پیدا ہوتا ہے اور حال یہ ہوتا ہے کہ [illegible] کرنے سے [illegible] سیدھے [illegible] سے [illegible] پیدا کرتے کہ وہ تمہارے [illegible] سے بچ سکے اس وقت تک [illegible] سے بچا نہیں ہو سکتا ۔ یہی وجہ ہے کہ [illegible] کے تابع کر رکھا ہے اور موقع و محل [illegible] کے موافق فتوے دیتا ہے ۔ بھلا یہ علم بھی کچھ کام دے سکتا ہے یہ علم ان آدمیوں کے حق میں ہے جن کی عمر سے آخرت میں [illegible] سے زیادہ اس پر مواخذہ ہوگا ۔ بعض لوگوں کو معالجہ نفس کا خیال بھی ہوتا ہے تو وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ [illegible] اور اپنے اجتہاد سے عمل شروع کر دیتے ہیں اور کتابوں میں دیکھیں مجاہدات و ریاضیات میں مشغول ہو جاتے ہیں مگر یاد رکھو کہ کتابی نسخوں سے شفا حاصل نہیں ہو سکتی اگر ایسے شفا ہو جایا کرتی تو دنیا میں ایک بھی مریض نہ رہتا ۔ ہر گھر طب کی بے شمار کتابیں موجود ہیں اور دنیا میں بھی ان کے ترجمے ہو گئے ہیں ۔ جن میں ہر قسم کے امراض کا علاج درج ہے ۔ بس ہر شخص کتابیں دیکھ کر علاج کر لیا کرتا ۔ طبیبوں کی ضرورت نہ ہوا کرتی مگر تجربہ شاہد ہے کہ اس طرح شفا حاصل نہیں ہوتی ۔ مدعا رجوع الی الطبیب کے چارہ نہیں ۔ یہی حال معالجہ نفس کا ہے کہ اس میں بھی بدوں کسی ماہر طبیب روحانی کے کامیابی نہیں ہوتی جو تم خود بخود کام شروع کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں کچھ سمجھ معلوم ہوئی وہ اپنے کو کامل سمجھنے لگے ۔ حالانکہ سر مرض کو کامیابی سے کچھ بھی علاقہ نہیں بس میں یہی پھر کہوں گا ۔

راضی ہوتی۔ اسی واسطے محققین نے فرمایا ہے کہ اس سلسلہ میں ہزار دقیق کے چلنا دشوار ہے قدم قدم پر ٹھوکر لگتی ہیں کتابی علم اس راہ میں ہرگز کافی نہیں بلکہ یہاں تو اس کی ضرورت ہے ؎

جملہ ورق و کتب دریا کنے سینہ ز نور حق منور کنے

اس پر یہ بات نہ کی جائے کہ ہمارے مولانا صاحب نے تو کتابوں کے جلانے کا حکم کر دیا حالانکہ ہم فقہ و تفسیر و حدیث کی کتابیں کس طرح جلا دیں؟ اس میں تو کتابوں کی اہانت ہے اس کا ایک خوب جواب ہے کہ یہاں حقیقۃً جلانا مقصود نہیں بلکہ یہ ایک محاورہ ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے جس وقت ضرورت دقائق چند سلوک کے لئے تمام علوم سے ذہن کا خالی کر لینا اس راہ میں ضروری ہے جو مضامین قلب پر نقوش خوب لکھے جاتے ہیں جو تختی پہلے ہی سے نقوش میں بھری ہوئی ہو اس پر کوئی نیا نقش کیونکر مرتسم ہو سکتا ہے یہ تو ظاہری تاویل تھی۔ مگر میں طالبین حق کی ایک اور تعبیر سناتا ہوں کیونکہ یہ لفظ بڑا ہی ہے نکتے اور ظاہری باتوں سے تسلی نہیں ہوتی تو میں کہتا ہوں کہ جناب آپ ہی اور لوگوں کو بتا دیجئے۔ مطلب یہی سمجھئے کہ تمام ورق و کتب کو آگ میں جلا دو۔ مگر یہ بتلائیے کہ یہاں آگ سے مراد کونسی آگ ہے شاید تم نے اسی ظاہری آگ کو سمجھ لیا ہوگا حالانکہ تدوین کتب کا شبہ ہو گیا ہے غلط ہے ؎

سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

صاحب یہاں نار سے نار عشق مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ محض اوراق و کتب پر اکتفا نہ کرو بلکہ ان سب کو حاصل کر کے یہ سب کو نار عشق الٰہی میں پھونک دو۔ بتلائیے اب تو کچھ توہین نہیں ہوئی۔ شاید تم یہ کہو کہ پھر کھلے مصرع میں نور حق سے کیا مراد ہے؟ میں کہتا ہوں کہ نور حق و نار عشق دو نہیں ہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے جس کو مبدء و منتہا کے اعتبار سے نار و نور کہا گیا ہے عشق الٰہی ابتداء میں سوز و گداز و تپش کے ساتھ شروع ہوتا ہے پھر جب

تسکین حاصل ہوتی ہے اور ان کا دل و دماغ بھی ہے۔ لوگوں کو دوسری چیز نہیں ہے جلد ہی ان کا جوش ٹھنڈا کر دیا جائے تو وہ ہو جاتی ہے ... ہیں ... ہیں ... ہیں

آپ نے صورۃ واستقبال قبلہ کو علامت اسلام قرار دیا ہے دل اکل ذبیحتنا بھی فرمایا ہے تو جواعتراض آپ کو ان مولنا صاحب پر ہے کہ انہوں نے کھانے پینے کی چیز یا ایک جانور کے ذبح کو شعار اسلام کہدیا وہی اعتراض حدیث پر وارد ہوتا ہے کہ حضور نے صورۃ واستقبال قبلہ کے ساتھ اکل ذبیحہ کو کیسے بیان فرمادیا۔

شاید کوئی یہ کہے کہ اس میں تو متعلق ذبیحہ مسلم کے کھانے کو علامت اسلام بتایا گیا ہے اس سے ذبیحہ بقر کا کھانا علامت اسلام معلوم نہیں ہوتا کہ ہر مسلم میں بقر کا عطف دارد نہیں ہوا میں کہتا ہوں کہ فہم شخص کے لئے تو ذبیحتنا میں بقر ذبح ہونا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ عنقریب آتا ہے اور عام کے لئے خود لفظ بقرہ کا مذکور ہونا بھی ناکافی ہے

چنانچہ میرٹھ میں ایک وکیل صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ سلمہ میں گائے کا ذبیحہ کہیں نہیں بلکہ بکری کا ذبیحہ ثابت ہے۔ چنانچہ دیکھئے اس سنہ کا نام ہی بکر عید ہے۔ یعنی بکرے کی عید، اس نام سے بلکہ بکرے کی عید بھی۔ تو اگر جب یہ لوگ ذبیحہ دنیا میں ہر جگہ تو پھر ذبیحہ گاؤ کی دنیا میں کیوں ملے گی۔ اسی طرح اگر آپ بھی لفظ بقر حدیث میں ہونے کے بعد بھی تاویل کرنے لگیں تو پھر اس کا حوالہ دینا اس کے درکیا ہوگا کہ ظلہ

جواب جاہلاں باشد خموشی

خوشامد کی خرابی

اور یہ حاری خوشامد کی ہے کہ یہ لوگ ہندوؤں سے تعاون کرنے کے لئے ایسی ایسی لچر باتیں لکھتے ہیں۔ آج کل اتحاد و اتفاق کا بہت جوش ہے۔ اسی جوش میں ایسے غلط مضامین اور باریک نکات سوجھتے ہیں۔ چنانچہ مظفر نگر میں ایک ہندو نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ جب تک ہم میں اتفاق نہ ہوگا کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پھر کہا جانتے ہو گؤ تم کے معنی کیا ہیں۔ گؤ کے معنی ہندو اور مسلمان۔ گا سے مراد ہندو اور تیم سے مسلمان۔ پھر کہا کہ بھائے ہندو بھائی ناخوش نہ ہوں کہ گا تو ذرا سی ہے اور تیم لمبا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہندو تو ہندوستان ہی کے اندر ہیں یہ کہیں باہر سے نہیں

قومیت سندھی کی بھی حمایت ہے کہ تم اسلامی تعلیم کو دوسرے مذہب کی تعلیم کے آگے اور اسلامی علم کو دوسری قوموں کے افراد کے سامنے ذلیل و پست نہ کرو۔ واللہ یہی لوگ اسلام و مسلمانوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہی قومیت اسلامی کو برباد کرتے ہیں۔ ان تحریکات سے خدا تو انکو مطلوب ہے ہی نہیں مگر جس قومیت کا یہ رات دن رونا روتے ہیں اس کی بھی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں۔ قومیت کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی قوم کو دوسروں سے مستغنی ثابت کرو، خود محتاج نہ ہو، دوسروں کو اپنا محتاج بناؤ۔ اپنی تعلیم کے مقابلہ میں کسی کی تعلیم کو ترجیح نہ دو اور ثابت کر دکھاؤ کہ سب کی تعلیم سے بہتر کوئی تعلیم نہیں۔

نیز اپنے علماء کے سامنے دنیا بھر کے علماء کو پست درجہ کا دکھاؤ اور اس کے لئے کچھ تم کو کرنا نہیں پڑیگا میں دعوی سے کہتا ہوں کہ امۃ مذہب اسلام میں وہ لوگ موجود ہیں جن کے سامنے دنیا بھر کے سیاست دان طفل کتب ہیں۔ قرآن و حدیث کے برابر سیاسی اور تمدنی علوم کونسی کتاب میں ہے ذرا ڈھونڈ کر تو دکھانے پھر جو لوگ قرآن و حدیث کے حقیقی طور پر سمجھنے والے ہیں ان کے سر کوئی بھی ماہر سیاست دان ہو سکتا ہے ہرگز نہیں، بخدا ہرگز نہیں مگر یہ ساری خرابی ان علماء کی ہے جو سیاست میں ان لیڈروں کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور لیڈروں کی طرح خود بھی کانفرنسوں کے مقتدی بن کر ان کی علانیہ مدح کرتے اور ممبر پر بیٹھ کر وعظوں میں تعلیم سے ان کا نام لیتے ہیں۔ اور یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے کسی صاحب دل کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں محض کتابیں پڑھ کر عالم ہو گئے ہیں مگر ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

علم اس کا نام نہیں ہے کہ لغات یاد کر لئے علم درہی کسی چیز کا نام ہے ؎

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

جس عالم میں یک خاص آن ہو اس کا عالم بننا چاہئے وہ آن کیا ہے

ضرورت صحبت، عشق و معرفت و تقویٰ چند روز کسی عالم کی جوتیوں میں جا کر رہو اور اس کے سامنے اپنے غلط علم کو فنا کر دو، پھر علم کی دولت نصیب ہوگی، اور کامل کے سامنے فنی علم کو فنا کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ ؎

پیش یوسف نازکش دخولی مکن — جز نیاز و آہ یعقوبے مکن

نازرا روئے بباید بچو ورد — چوں ندارد گرد بد خوں گرد

عیب ناشد چیز نا بیاد بار — زشت ناشد سوئے نازیبا ذمار

یعنی جب تمہارے اندر حسن نہیں ہے تو یوسف کے سامنے ناز مت کرو، آہ و نیاز سے پیش آؤ، جیسی کہ یہ بے وزن ہے اور تم کو منہ نہیں لگائیگا اور کڑوے سے اس زشت رو کی حالت میں اس کے سامنے اپنے علم پر نازاں نہ ہو، تو ہوسکتے علم سے ذرا سا حصہ بھی تم کو نہ ملیگا وہ صاف کہدے گا ؎

بادئی گوئید اے عشق و مستی — بندات پیرد در رنج و تن پرستی

اب تو کشتی سے وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ کتے مگر یک کتاب کی تعلیم کرتے ہوئے کمال کا کرتے ہیں۔

اسیلئے مثنوی میں یہ حکایت یاد آئی کہ ایک شخص (متقی) نے کسی دیہاتی کو دیکھا جو اپنے گھوڑے کو پیار و شفقت کے ساتھ دانہ کھلا رہا تھا اور وہ گھوڑا کبھی ادھر منہ پھیرتا، کبھی ادھر اور وہ کہتا کھاؤ بیٹا کھاؤ، انہوں نے پاس جا کر سوچا کہ افسوس یہ بیوی میری اتنی قدر بھی نہیں کرتی جتنی یہ شخص گھوڑے کی قدر کرتا ہے تو کے گھر جا کر ہم بھی ان بی نخرو کے ساتھ کھانا کھایا کریں گے۔ چنانچہ گھر تشریف لائے اور بیوی کو حکم دیا ہمارے لئے دانہ بھگوئے پھرت ہم گھوڑے کی طرح کھڑے ہو کر حکم دیا کہ اگاڑی پچھاڑی کھونٹوں سے باندھے اور دم کی جگہ ایک جھاڑو باندھوائی اور حکم دیا کہ ہم کو دانہ کھلائے اور جب ہم نخرے کریں تو ہماری خوشامد کرے اور کہے بیٹا

ے اور مسلمان عرب و ایران وغیرہ بہت دور سے آئے ہیں تو ان کی صفت بہت لمبی ہے اس لئے ان کے واسطے سم ختیا کیا گیا ورس کو لمبا کھا۔

مگر اس شخص نے مسلمانوں کی بابت یہ خیال نہ کیا کہ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہا و بیٹھا یا دیو کو پیچھے اور ہاکو سیم کے سر پر سوار کیا گیا۔ اس کی کیا وجہ ؟

تاید اس کا یہ جواب دیا جائے کہ ہندو یہاں پہلے سے بستے ہیں اور مسلمان جدید آئے ہیں اس لئے ان کو پہلے اور ان کو پیچھے دیا گیا۔ مگر یہ شبہ پھر بھی باقی رہا کہ ہا اور ہاکو کے سر پر سوار کیوں کیا گیا ؟ ان کو پہلے ہی لکھ دیتا مگر سیم سے لنک لکھا ہے مگر ست ید قاف و تفاوت فاصلہ کرنے کے لئے فصل کی ضرورت پڑی ہو۔ اس نے یہ کیا کیا۔

دمیات خرافات یہ آج کل کے نکات ہیں جن کے سر نہ پاؤں مگر لوگ ہیں کہ ان مصاہیں پر ٹوٹے ہیں اور یہ کہ مسلمان بھی اس تقریر کے مدح تھے بلکہ یہاں نکات و معارف ایسے ایسے ملتے ہیں کہ اس کی قوموں کی تو ابتدا نہیں ملتی۔ سلمی علوم و نکات کے ہوتے ہیں یہ دنیا سب باتیں اس قابل ہیں کہ مسلمان ان کی تعریف کریں !

مگر ہماری قوم میں ایک مرض یہ بھی ہے کہ یہ دوسری قوموں کے فضائل کی مدح کیا کرتے ہیں اور اپنے گھر کی چیزوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ ایک زمانہ انگریزوں کی پرستش کا تھا اس وقت تک ان کے فضائل و معاشرت کی مدح سرائی ہوتی تھی اور مسلمانوں کے طرز معاشرت پر ان کے طرز معاشرت کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اب ہندوؤں کی پرستش کا دور ہے اب ان کی باتوں کی مدح و ثنا ہوتی ہے۔ غرض یہ ہمیشہ دوسروں ہی کی پرستش میں رہیں گے۔ ان میں یہ حوصلہ نہیں رہا کہ اپنی قوت کے سامنے کسی کی چیز کو بھی منہ نہ لگائیں بلکہ سب کو سی کے سامنے جھکانے کی کوشش کریں۔ افسوس ایسے مسلمان تو اب زمین کے اندر پہنچ گئے بس اب تو ایسے مسلمان رہ گئے ہیں کہ ایک صاحب کا مقولہ اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو فلاں شخص ایک ہندو کی طرف اشارہ ہے نبوت کا مستحق تھا۔ افسوس اس شخص کو مسلمانوں میں کوئی اس قابل نہ ملا تھا ایک ہندو ہی اس

قابل ملامت ہے۔

اے صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ آخر یہ کونسا اسلام ہے جس میں نبی ہونے کے لئے ایمان کی بھی شرط نہیں۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے مسلم تنظیم کی مخالفت نہ کرو جس اتحاد کا یہ نتیجہ ہو کہ مسلمان اس سے علیحدگی کی طرف جائیں اس اتحاد پر صد تعزیر ہے پھر کوئی ان لیڈر صاحب سے پوچھے کہ جب تمہارے نزدیک ہندو بھی قابل ہوت ہو سکتا ہے تو تم نے اس تنظیم شدھیہ کو کیوں تنقید دی کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگی ہوتی۔ کیونکہ یہ نبوت تو ختم نہیں ہوئی اس لئے کہ ختم تو وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے شروع بھی ہو چکی ہو۔ اور یہ نبوت تو آج تک شروع ہی نہیں ہوئی جس میں اسلام و ایمان کی بھی قید نہ ہو۔ جب وہ شروع ہی نہیں ہوئی تو ختم بھی نہیں ہوئی بلکہ یہ تو تم نے نبوت کی نئی قسم نکالی ہے اس کے لئے یہ شرط تھا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی محض حماقت ہے۔ تم کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ نبوت سلام تو ختم ہو چکی اب میں نبوت کی ایک دوسری قسم ایجاد کرتا ہوں جس میں اسلام و ایمان کی بھی قید نہیں وہ اس قسم کا پہلا نبی فلاں شخص ہے۔

غرض جب کرنے کے لئے بھی مرتد ہیں۔ کفریہ کلمہ بھی زبان سے نکالا اور وہ بھی ایسا بے تکا جس کے سر نہ پاؤں اور کمال یہ کہ ایسے کلمات کہہ کر بھی یہ لوگ لیڈر اور مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں کوئی عام یا جاہل اس شخص کو منتخب نہیں کرتا کہ ان کلمات نا شائستہ سے ایمان میں فرق گیا۔ تم اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر کرو۔ اگر اس سے توبہ نہ کرے تب تو فرد ہے وہ اگر توبہ کرے جب بھی یہ لوگ لیڈر اور مقتدا بننے کے قابل نہیں۔ کیونکہ ایسے کلمات سے معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ اسلام کی تعلیم سے بالکل کورے اور نرے جاہل ہیں۔ سو توبہ کرکے گناہ تو معاف ہو جائیگا مگر ایک منٹ کی توبہ سے علم تو حاصل نہ ہو جائیگا۔

غرض مسلمانوں کے اندر یہ بڑا مرض پیدا ہو گیا ہے کہ ان کو دوسری قوموں کی چیزیں زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہیں اور اپنے علماء کو چھوڑ کر یہ دوسری قوموں کے افراد کی عظمت کرنے لگتے ہیں اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قومیت اسلامی کے حامی و محافظ ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے کیا

محبت دنیا ان کے قلب سے بالکل نکل گئی۔ انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے ان کے قلوب بھی محبت ہی سے لبریز اور محبت دنیا سے پاک ہو گئے تھے۔ چنانچہ انصار نے خوش خوش ان حضرت کو اپنے مکانات و اموال میں شریک کرنا چاہا بلکہ بعض صحابہ نے تو یہاں تک کیا کہ ایک مہاجر صحابی سے کہا کہ تم میرے بھائی ہو گئے ہو اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا تمام مال آدھوں آدھ تقسیم کر کے نصف خود لے لوں اور نصف تم کو دیدوں اور میرے پاس دو بیبیاں ہیں ان میں سے جو بی تم کو پسند ہو میں اسے طلاق دے کر بھی الگ کر دوں عدت گذرنے کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا۔ مہاجر نے ان کو دعا دی کہ خدا تمہارے مال و بیبیاں میں برکت دے مجھے اس کی ضرورت نہیں تم مجھے بازار کا رستہ بتا دو میں تجارت کر کے اپنا گذر کروں گا۔ غرض واقعہ ہجرت سے مہاجرین و انصار دونوں کا امتحان ہو گیا جس میں وہ کامل اترے۔ اس کے بعد ان کو اجازت قتال دی گئی کہ اب یہ جو کچھ کریں گے محض خدا کے لئے کریں گے جوش غضب اور خواہش انتقام و شفاء غیض نفس کے لئے کچھ نہ کریں گے۔ اس وقت یہ اس قابل ہو گئے کہ حمایت الٰہی ان کا ساتھ دے اور ملائکہ رحمت ان کی مدد کریں چنانچہ حضرات صحابہ کے واقعات سیر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے کرتے تھے حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو معرکۂ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کم بخت نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا۔ اب چاہیئے تھا کہ حضرت علیؓ اس کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اس کے سینہ پر سے کھڑے ہو گئے اور فوراً چھوڑ دیا وہ یہودی بڑا متعجب ہوا کہ میری اس حرکت کے بعد تو ان کو چاہیئے تھا کہ مجھے کسی طرح جیتا نہ چھوڑتے۔ مگر انہوں نے برعکس معاملہ کیا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور حضرت علیؓ سے اس کی وجہ پوچھی کہ اگر آپ نے مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے کے بعد کیوں رہا کر دیا۔ اس فعل سے تو میرا کفر دُگنا ہوا نہ عداوت سابقہ ختم ہوئی بلکہ اور زیادہ ہو گئی تھی۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ تھی اس فعل کے بعد میرا رہا کر دینا بالکل برعجیب ہے

مگر بات یہ ہے کہ اس جب تم نے قبر پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے تجھے کچھ مطلوب نہ تھا اور جب تو نے بچہ پر تھوکا تو تجھے غصہ اور جوش انتقام پیدا ہوا۔ میں نے دیکھ کہ اب میرے تجھے قتل کرنا محض خدا کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہوئی۔ وہیں میں نے چاہا کہ نفس کے لئے کام کرنے سے اپنے تئیں کو فوراً روک لوں اس لئے تجھے رہا کر دیا۔ وہ یہودی یہ سنکر فوراً مسلمان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے۔ جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لئے نہ کرو بلکہ محض خدا کے لئے ہر کام کرو۔ دوستی دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔

اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمت اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں گذشتہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں اپنے زور سے کاموں کو اٹھاتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں۔ احکام الٰہی کی پروا نہیں کرتے۔ بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہئے خواہ شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔ آئندہ میں جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں طرز میں حلال و حرام کا خیال نہیں۔ پھر حمایت ہی ان کے ساتھ کیونکر ہو بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں ان مسائل کو بھی رہنے دو۔ اس وقت تو کام کرنا چاہئے بعد کو ان مسائل دیکھے جائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ ان مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیا نہ آخرت میں فلاح ہو سکتی ہے نہ آخرت اور سب سے زیادہ اخلاص نیت کی ضرورت ہے جس کا یہاں صفر ہے۔

ہمارے بزرگان دین جو بحمداللہ اب بھی موجود ہیں وہ محض خدا کے واسطے کام کرتے ہیں اسی لئے وہ کسی کام میں شریعت سے ایک انچ بھی بڑھنا نہیں چاہتے اسی طرح جو ان حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ بھی نفس کے لئے کام نہیں کرتے۔ بزرگوں کی صحبت سے اگر صلاح کامل بھی نہ ہو تو کم از کم اپنے عیوب ہی پر نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی ہے اور مفتاح طریق ہے۔ جس شخص کو اپنے عیوب پر بھی نظر نہ ہو اس سے بڑھ کر محروم

کی ... پر ان سب حضار کی توجہ کی گئی آپ ارشاد فرماتے ہیں جو پیچھے کوڑے کیونکہ گھوڑا ان سے آگے پیچھے ہیں پیدا کرتا تھا۔ وہ بھاگ رہا ہے کہ اور گاڑی پچھاڑی بندھی ہوتے کے سبب ہاتھ پاؤں بیکار ہو چکے تھے آپ بڑھنے لگے۔ ان کی حق کی احمق ہی تھی۔ مجمعہ میں دوڑی سی اور سیر گھوڑا حل کیا۔ کہ کہاں گھوڑا کہاں ہے سب کچھ کہہ چکے ہے تو نہ آیا گھوڑے صاحب نے مدعے پن سے حل کر دیئے۔

حاصل یہ ہے کہ کافروں کے سامنے اپنے دلوں کو فنا کرنے کی ضرورت ہے مگر جب تک ان کی عظمت سے بھاگتے ہیں اور ان کے کفار کا اتباع کرتے ہیں چنانچہ بعضے نام نہاد علماء ہندوؤں کے ساتھ تحریکات میں شریک ہوتے ہیں اور ان کے ہاں کرسی پر بیٹھنے سے کچھ یاد قدیم ہوں۔ نہ زیادہ دوست ملتی ہے۔ لاؤ اس طریقہ حقیر کو جو ہندوؤں نے حاصل کیا ہے شاید اس طرح کچھ زیادہ وقعت مل جائے اور اگر نہیں ملتے سوچ سے یہ تو اس میں بھی حصہ دے کا کہ ہم تک ہے تو بالکل محروم رہیں گے۔ افسوس! مسلمان ہو کر میز پر بیٹھنا بڑی شرم کی بات ہے ان لوگوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جو طریقہ کفار کے نے حصول عزت کا ہے مسلمان کے لیے وہ طریقہ نہیں ہے۔ مسلمان کبھی دوسری قوموں کا اتباع کر کے ترقی نہیں کر سکتا۔ کرے وہ مسلمان ہے۔ مسلمان کی ساری عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے طریقہ پر قائم رہے اور کسی حال میں احکام شریعت سے تجاوز نہ کرے۔ کسی سے فلاح ہوتی ہے گر مسلمان کہ ہو اور اس کے خلاف میں فلاح نہیں کو مسلمان زیادہ ہو۔

دیکھئے اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی۔ مدینہ میں ہجرت کر کے اجازت ہوئی۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ ظاہر میں یہ سمجھتے ہیں کہ قلت جماعت و قلت اسباب اس کا سبب تھا یہ خلاف تحقیق ہے۔ کیونکہ مدینہ ہی میں ہجرت کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی؟ کفار کا پھر بھی غلبہ تھا۔ مدینہ کی تمام جماعت تمام عرب کے مقابلہ میں کیا چیز تھی۔ بلکہ کر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفار عالم کے

مقابلہ میں یہ جماعت ہوئی تھی۔ تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا۔ اسی فریق مدینہ پہنچ کر حامیان میں کیا زیادتی ہو گئی تھی۔ کفار ہیئت نہایت سازوسامان سے مقابلہ کرتے تھے اور مسلمانان مدینہ کی یہ حالت تھی کہ بعض موقع میں ایک ایک سواری میں سات آٹھ آدمی شریک ہوتے تھے بعض دفعہ چند آدمیوں میں ایک متھیار مشترک ہوتا تھا پس یہ کہنا بالکل واقع کے خلاف ہے کہ مدینہ میں جا کر جماعت و سامان کی زیادت اس ہجرت کا سبب ہوئی۔ نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلہ میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت کو خفیہ کر کے وہاں اجازت نہ دی گئی تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیئے۔ بل ظاہر اس کی کوئی وجہ نہیں بتلا سکتے۔

محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ ہنوز عام مسلمانوں کے اندر اخلاق حمیدہ اخلاص و صبر و تقویٰ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے۔ اس وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوش غضب و انتقام نفس کے لیے ہوتا محض خلوص و اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے نہ ہوتا اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی مدد کیجائے اور حمایت الٰہی ان کے شامل حال ہو۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں بھی صبر و تقویٰ کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایت الٰہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جب کہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہوں۔ اور تقویٰ کے معنے میں احتراز عما نہی اللہ عنہ وامتثال ما امر بہ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء و من شائبۃ النفس بھی داخل ہے ۱۲ جامع۔ اور مدینہ میں پہونچکر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذاء پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہو گئی نیز قوت غضب نفسانی ضعیف بلکہ زائل ہو گئی تھی۔ پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن و اہل و عیال و مال و دولت سب پر خاک ڈال دی تو ان کی محبت اتنی کامل ہو گئی اور

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور اس میں رزیہ ہے کہ ہل نے ایک سے حق جو لیا ہے پس ان کو اگر خوف ہے تو اسی کا ہے۔ امید بھی ہے تو اسی سے ہے۔ اس نے ہر حال میں وہ خوش رہتے ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے واقعہ میں وہ خلاف حق کچھ نہیں کرتے چاہے کام ہو یا نہ ہو۔

غرض حاصل ہو یا فوت ہو۔ جیسے حضرت علی نے عین موقع پر یہودی کو چھوڑ دیا تھا حالانکہ ظاہر میں اپنی جان کا خطرہ تھا کہ دشمن رہا ہو کر پھر مقابلہ پر آمادہ ہوگا۔ مگر ان کو خطرہ کی کچھ پروا نہ ہوئی ان کا قول یہ تھا ؎

وآدمے کہ داری دل در و بند ۔۔۔ اگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اور یہ حال تھا ؎

مصلحت دیدن آن ست کہ یار ما کار
جملہ بند و خم طرہ یارے گیرند

اور جن کو خدا کے ساتھ یہ تعلق حاصل نہیں ان کی یہ حالت ہے کہ آج ان کے کچھ فتوے ہیں اور کل کو جہاں اغراض بدلیں ساتھ کے ساتھ ان کے فتوے بھی بدل گئے۔ رے یہ کیا قصہ ہے یہ کیا اسلام ہے، جو اغراض کے تابع ہے مسلمان کو تو ایسا ہونا چاہئے کہ ؎

یکے خواں دیگے نان و یکے گو

مسلمان کو تو ایسا ہو چلنے کہ اس ذات کے ساتھ تعلق ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور غرض فانیہ کی نفی کرنی چاہئے اور ان کے متعلق ما حب نہیں بہ دنیا چاہئے ؎

خیل سازد ملک یقین زنے ۔۔۔ سلطنے ما حب نہیں زنے

پہلے سب علماء کا فتویٰ تھا کہ ریل میں بدون ٹکٹ کے سفر کرنا حرام ہے مگر اب یہ حالت ہے کہ اس کو جائز کر دیا گیا۔ بہت لوگ جو علماء و طلباء کہلاتے ہیں بے ٹکٹ سفر کرنے

کے۔ میرے پاس یک طب مدہ کا حقہ آیا ہے میں بدون ٹکٹ کے ریل میں سفر کرنے کو جائز سمجھتا ہوں اور میرے باپ اس سے منع کرتے ہیں۔ ننکے باپ انگریزی خوں دنیا دار تھے اللہ بہر کیفی وہ بانقتا کہ انگریزی خوں اس سے منع کرتے تھے اور میرزی خوں جائز رہتے تھے۔ اب یہ حالت ہے کہ عربی خوں جائز کہتا ہے اور انگریزی خوں منع کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ دماغ میں جس کسی کے اعتراف کا ذخیرہ کیا ہوتا تھا۔

نورِ فہم میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور اس سے زیادہ اور کوئی ذریعہ اطمینان دلانے کا میرے پاس نہیں ہے کہ نورِ فہم بدوں کسی باقی باللہ فی اللہ صحبت کے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بدوں وہ علم پیدا ہوتا ہے جیسے طوطے کو بعض لوگ قرآن کی سورتیں یا فارسی جملے یاد کرا دیتے ہیں۔ یہ علم صرف زبان پر ہوتا ہے دل میں اس کا اثر نہیں پہنچتا۔ وقت پر سارا علم غائب ہو جاتا ہے۔ محض اغراض نفسانی کی حفاظت کا خیال غالب ہو جاتا ہے جیسے طوطا کرنل کے سامنے جائے تو سوائے ٹیں ٹیں کے اور سارا علم اس کا کافور ہو جاتا ہے چنانچہ یک ظریف شاعر نے یک طوطے کی تاریخ موت لکھی ہے ؎

میاں مٹھو جو ذکر حق کرتے تھے — رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گربہ موت نے جو آ دبایا — پھر نہ بولے سوائے ٹے ٹے ٹے

کہاں یہ کیا کہ تاریخ موت ٹے ٹے ٹے ہی سے نکلتی ہے یعنی ۱۲۲۰ھ

اسی طرح اللہ کا ہونے سے تب اسلام کامل ہوتا ہے ورنہ وقت پر سب لکھا پڑھا غائب ہو جاتا ہے صاحبو بدوں صحبت اہل اللہ کے توحید بھی کامل نہیں ہوتی کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی سے خوف و طمع نہ ہو ؎

موحد چہ پروائے یزداں زند — چہ فولاد ہندی بہ برسر زند
امید و ہراسش بجا شد ز کس — ہمیں است بنیاد توحید و بس

مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اسلام کے درجہ ناقص پر کفایت کرتے ہیں۔ اس کی

کوں نہیں۔ بس پھر تو وہی حالت ہوتی ہے کہ جیسا موقعہ دیکھا ویسا بنا۔ اپنی غرض کے موافق فتویٰ لگا لیا جیسا کہ ان مولوی صاحب نے حدیث میں اک ذہنت استنکر بھی یہی کہا کہ اس سے تو بجز گاؤ کا شعار اسلام ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ ان کے اندر جوش تھا۔ کسی کے پاؤں تلے مدہ نہیں گئے تھے اس لئے جوش غالب فہم درست نہ ہو۔ فہم درست ہوتا ہے اس سے کہ ؎

قال را بگذار مرد حال شو　　پیش مرد کامل پامال شو

مگر مائے یہ کس سے ہو۔ اس وقت تو موسیٰ کہلاتے ہیں لوگ تعظیم کرتے ہیں ہاتھ پیر چومتے ہیں اور جب ایسی جگہ جائیں گے جہاں نالائق کا خطاب ملے۔ ہو قوف بنائے جائیں۔ بات بات پر روک ٹوک کی جائے مگر یہ صرف چند روز کی مشقت ہے پھر ساری عمر کی راحت ہے۔ چند روز کی روک ٹوک سے جب نفس کی اصلاح ہو جائیگی اور خدا تعالیٰ سے تعلق درست ہو جائیگا تو وہ دولت عطا ہوگی جس کے سامنے سلطنت مفت تقسیم بھی گرد ہے ؎

چند روزے جہد کن باقی بخسپ

جس شخص کے اندر مادۂ فاسدہ کا غلبہ ہوتا ہے اس کے لئے صفر مہینہ کیا ضرورت ہے مگر مہینہ ساری عمر کا نہیں ہوتا چند روز کیلئے ہوتا ہے بچہ تیرہ کا دن کہا جاتا ہے۔

قلبی دولت جس کو یہ دولت نصیب ہوتی ہے اس سے بڑھ کر خدا کی قسم اہل اللہ کے سوا بر بر کسی کو راحت نہیں۔ ان کو وہ دولت عطا ہوتی ہے جس کی وجہ سے بدن کو کسی خوف کی چیز سے خوف رہتا ہے نہ طمع کی جگہ طمع ہوتی ہے اور اگر یہ بات نصیب نہیں تو اس شخص کی پریشانی کی کوئی حد نہیں ؎

ہیچ کنجے بے ہمہ بے دلہم نیست　　جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

واقعی خلوت گاہ حق ہی میں آرام مل سکتا ہے اور کہیں راحت نہیں۔ اسی کو فرماتے

دیکھ رہے ہیں ہی میری قوم کی آنکھیں کھول دے کیونکہ یہ مجھ کو پہچانتے نہیں ہیں۔ اس لئے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہے ہیں کہ یہ مجھ کو پہچان لیتے تو ہرگز میرے ساتھ یہ معاملہ نہ کرتے۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوازش شان ہے آپ کے خدام تک امت کے حال پر ایسے شفیق و مہربان ہوتے ہیں کہ اپنے بیگانے سب کے لئے ہمیشہ دعا ہی کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم جب غار شام پور سے نکلے ہیں تو انہوں نے حج کا ارادہ کیا اور چونکہ یہ حج مفلی تھا اس لئے تکمیل سلوک کے بعد انہوں نے حج کا قصد کیا۔ اس سے پہلے نہیں کیا کیونکہ تکمیل سے پہلے نفس گندگیوں سے ملوث ہوتا ہے قرب پاک دربار کے لائق یہ ناپاکیاں لے کر جانا چاہئے۔ جب نفس تمام گندگیوں سے پاک و صاف ہو جائے اس وقت اس قابل ہوتا ہے کہ اس دربار میں حاضر ہو۔ ہاں فرض حج اس سے مستثنیٰ ہے۔ بعض لوگ تو مکہ لیے جاتے ہیں کہ ایک نواب کو گورنمنٹ نے جلاوطن کیا وہاں سے پوچھا گیا کہ کہاں رہنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہہ دیا کہ مجھے مکہ بھیج دیا جائے اب وہاں ان کی یہ حالت تھی کہ روزانہ سڑک پر کلڑے ہوتے عورتوں کو گھورتے تھے۔ اسی طرح بعض لوگ حج کا ارادہ محض سیر و سیاحت کی نیت سے کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کو سفر دیکھنے اور راستہ کے حالات قلمبند کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ اس کو حضرت عراقی فرماتے ہیں ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند — کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی
بزمین چو سجدہ کردم ز زمین ندا برآمد — کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

اور یہ ہی لوگوں کو شیخ مسعود بک خطاب فرماتے ہیں ؎

اے قوم بحج رفتہ کجا ئید کجا ئید — معشوق در ینجاست بیائید بیائید

مطلب یہ ہے کہ جس حالت سے تم حج کو جا رہے ہو اس حالت میں رضائے محبوب اور وصال تم کو حاصل نہ ہوگا۔ ابھی تک اپنے گھر ہی میں کسی شیخ کے پاس رہ کر اصلاح نفس میں مشغول ہونا چاہئے۔

نصر فاروق @ ون اردو

دریت سمجھو یہ شیخ جی سے رکھ رہتے نہیں بلکہ وہ تمہارے ایمان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں مگر ایمان کو مکہ ہی میں چھوڑ آتے ہیں۔ ان میں راستہ کی تکالیف کی جب برداشت نہیں ہوتی تو خدا اور رسول پر اعتراض کرتے ہیں اور حج کو فضول بتلاتے ہیں۔ تبلیغ کا ایمان کہاں رہا ایسے لوگوں سے ہی کہا جائیگا تم ہندوستان میں رہ کر پیسے کسی شیخ سے فرض کی صلاح کا لخنے لینی و جب وہ جازت دے تب حج کرنا۔ البتہ حج فرض کے لئے جانے کی تو حال میں جازت ہے۔ اس حج نفل سے منع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ نفل حج کے لئے بہت سے فرائض ترک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جہاز کے مدت یہ کہ بہت سے حاجی بہت میں گئے جو دوسرے تیسرے حج کو جاتے ہوئے تھے نماز نہ پڑھتے تھے۔

ہمارے ساتھ ایک سید صاحب عرب تھے وہ جہاز میں نماز نہ پڑھتے تھے اور روتے تھے کہ یہاں پاخانہ میں بانی شدہ شہر چھتا ہے جس سے چھینٹیں پڑ کر کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ میں نماز کیسے پڑھوں۔ میں نے کہا ؎

چوں میسر خود مدرس سلطان لیلیٰ خاک برفرق قناعت بعد ازیں

کرفرنہ تماشا میں کھوئے پڑے مستغرق ہوتے ہوں تو یہ کون ہیں جو یوں کہیں کہ نہیں حضور ہم تو کھڑے ہی دیں گے۔ کھوئے کبھی وضو نہ کریں گے۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے ہم کو حکم ہے کہ جہاز میں تم رسوب اور شہ کی وجہ سے نماز ترک نہ کرو۔ پڑھتے رہو۔ تو ہم بدوسوسہ کی کیا ضرورت ہے؟ بس اگر کہیں ناپاک آنکھوں سے نظر آجائے اس کو پاک کر دو۔ اگر نظر نہ آوے تو ہم کی کیا ضرورت ہے مگر وہ سید صاحب روتے تو بہت تھے جہاز میں نماز ایک دن نہ پڑھتے تھے۔ یاد رکھو بدوں عمل کے رونا کچھ مفید نہیں۔ بعض لوگ صرف وعظ میں رونے کو کافی سمجھتے ہیں مگر یہ تو ایسا ہوا جیسا گنگا کا اشنان کہ ذرا سا پانی بدن پر ڈال لیا اور سب پاپ بہہ گئے۔ لیکن یہ تو ہندوؤں کا اعتقاد ہے۔ مسلمان کا عقیدہ تو یہ ہے ؎

تعلیم کی فکر نہیں کرتے۔ ۔۔۔ فکر ہے تو روزہ کی۔ اسی قصد پر یہ بیان چلا تھا۔ پس ہم کو تعلیم سے دین نہیں ملتا ہے۔ بلکہ کامل یہ ہے کہ ایمان پیدا ہو جائے جس کا ایک شعبہ یہ ہے کہ دنیا و اغراض کے تابع نہ ہو جائے۔ اس وقت ان کی فہم حاصل ہوگی اور جس درجہ اغراض نفسانی کا غلبہ ہوگا اسے دین کی سمجھ حاصل نہ ہوگی۔ ایسے ہی علماء کا خیال ہے راجح کہ ۔۔۔ ہیں یہ حدیث سے کہ اس کا مقدار سیاہ ہو ۔۔۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

میرا اس وقت یہ تھا کہ ہم لوگوں کو اپنے علاوہ تمام دنیا سے کاٹ دیں۔

تبلیغ اسلام اس مقصد کے لئے جب سلمان فارسی کا نام آتا ہے تو میں لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تبلیغ اسلام کا مفہوم کیا ہے۔ کیا ہم اپنے علاوہ تمام دنیا کو کافر سمجھ لیں۔ کیا ہم اپنے سوا ہر شخص کو جہنم کا ایندھن

عراقی کو مدینہ سے محبت ہے تو صدیوں سے بستوں بہ نجف گریستن

بڑے سے بڑے عالم کے کہنے سے بھی تو اور سرحد میں مورد رہنا کسے تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔

میرے ایک دوست نے لکھا کہ مجھے رونا نہیں آتا۔ میں نے لکھا پھر کیا حرج ہے تب تو اور بھی اچھا ہے تم اس کے مستحق ہو۔ ؎

اے خنک آں دل کہ آں جا بریان اوست

غرض نفل حج کے لئے جانے سے پہلے نفس کی صلاح ضرور کر لینی چاہیئے کہ کہیں ایسی حالت میں جانے کہ وہاں پہنچ کر ہندوستان یاد نہ آوے۔ وہاں کی تکالیف سے گھبرا کر یہاں کی راحتوں کا خیال آوے جیسے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ کہیں رہنا اور دل ہندوستان میں اٹکا ہوا اس سے تو یہ بہتر ہے کہ ہندوستان میں رہے اور دل مکہ سے وابستہ ہو کہ کیفیت کب نیارت سے بہت مزہ کسب جاتا ہے۔

اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد درہ سے کر لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ میں حج ہو چکا اب اپنے اپنے گھر کا راستہ لو۔ یہ نہ ہو کہ یہیں رہنے کی نیت کر لو۔ اور حق تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے حکیم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حج کے بعد قدرتی طور پر وطن کا اشتیاق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ تو جب ایسی حالت میں مکہ کے مدینہ کرنا باطن کے لئے مضر ہے اس دربار میں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے نہ رہنا چاہیئے کہ بڑی گستاخی ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ شام یا ہندوستان کا ہی یہاں کے رہنے سے اچھا ہوتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا یا عالم واقعہ میں فرمایا کہ نکل جاؤ ہمارے یہاں سے وہیں جا کر رہو، جہاں کا ہی اچھا ہے۔

صاحبو، یہ نقصان ہوتا ہے اس دھرم میں پہلے کچھ اپنے گھر بار کو یاد کریگا۔

شفقت اولیاء اللہ

دھرمی دیوتے حضرت مسیح بن دھرمے تھے سے پہلے جو کا زمانہ نہیں کیا جب سنسار کا مل ہوگیا تب ان کو چھیڑ راستہ میں سمندر تھا۔ ایک جہاز میں سوار ہوئے، وہاں ایک رئیس زندہ شراب بھی پیتا تھا سوار تھا۔ اس کے ساتھ کا نانے بجانے والے بھی تھے۔ پہلے زمانہ کے لوگ خرابات میں تو بیٹھتے تھے مگر آج کل کے رئیسوں سے بہتر تھے کیونکہ آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ خرابات سے بدتر ہیں مگر ان میں اتنی خرابات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں وہ کبھی کبھی، عام، عمدہ، بیزاری دریے تھی اور پہلے زمانہ میں یہ باتیں نہ ہوتی تھیں۔ وہ دل کے بہت نرم ہوتے تھے۔ مروت و محبت و ہمدردی ان کے اندر بہت ہوتی تھی۔ بے دین کم سمجھتے تھے۔ متواضع ہوتے تھے اور آج کل کے تعلیم یافتہ ایسے شقی ہوتے ہیں کہ مذہبی پر دریدہ دہن کا بھی تحقیق سمجھتے ہیں احکام شرعیہ میں سنتے دیتے ہیں۔ سو برس کی تو ہستی یا اب رسوں کی بات ولی رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک حکم عام بیان فرماتے تھے یہ ملاحیں محض اپنے اختیار سے کوئی زمانہ کے لئے خاص بتاتیں۔ پہلے رئیسوں میں یہ باتیں نہ ہوتی تھیں۔ باوجودیکہ وہ آج کل کے رئیسوں سے زیادہ دین کا علم رکھتے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں انگریزی پڑھنے کا نام تو علم تھا ہی نہیں۔ قرآن و حدیث فارسی کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا علم شمار ہوتا تھا اور ان کتابوں میں دین ہی کی باتیں ہوتی ہیں مجھ سے اس زمانہ کے رؤسا سے دین میں دخل اندازی منقولوں نہیں ہے اور گر کسی سے سنتے بھی ہے تو وہ بھی کسی نام کے بہکانے سے خود ان کو ایسی جرأت نہ ہوتی تھی۔

غرض بھانڈوں نے ایک دن کہا کہ آج تو ہم اس طرح نقل کرنا چاہتے ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ مذاق کریں اس کے چپت و دھول ماریں۔ اس لئے کوئی شخص اس کلہ

کے سے تحریر کیا جائے ان کی ابراہیم کی اولاد سے تعلق رکھنے والے کوئی شخص یا غریب نظر نہ آئے جس کو فقہ مشق بنایا جائے لہٰذا مدت ؎

یں جیں شیخ گدائی تو بکو عشق آمد و اباں فاتقو

چنانچہ ان کے پیچھے وہ ساتھ ہو لئے۔ وہ اس لئے ساتھ ہوئے کہ ؎

زخدا ں خلاف دشمن دوست کہ دل بہ دو در تصرف اوست

کہ گر گزنت رسد زخلق گریز کہ نہ رحمت رسد زحق نہ گریز

وہ تو یہ سب معاملہ خدا کی طرف سے سمجھے ہوئے تھے اور زبان حال سے یہ کہتے جا رہے تھے ؎

جرم عشق تو م کی شنہ فوغا است تو بیا بہ ما بگو خوش تماشا است

وہاں قتل نہ ہوئی۔ حضرت ابراہیم کہنے لگے۔ جب حضرت ابراہیم کا مقابلہ دیکھا تو نفس اپنی وجہ سے اور حق تعالیٰ نے راستوں کا اشتباہ دے دیا تھا۔ وہ سمجھے کہ یہ مسلمان ہیں اور پھر بہت جلدی نفس پر غضب غالب آ گیا اور حملہ کر دیا۔ یہ سمجھ کر ہم کو لعنت کرتے ہوئے تھے ان کے ذہن میں نہیں آیا۔ اہل اللہ کا استغنا کہاں پہنچا ہے ؎

حملہ حق با دو سہ با شد چو کہ از حد بگذری رسوا کند

اور کسی حالت میں حضرت ابراہیم کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ زبان سے بددعا کرتے تو ہم بھی ان سب کو غرق کر دیتے۔ ان کا طرف دیکھئے اگر ہم جیسے ہوتے تو ضرور کچھ نہ کچھ بددعا کرتے وہ عرض کرتے ہیں کہ بعض جب میری خاطر سے آپ ان کے حق میں میری بددعا قبول فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں تو میری خاطر آپ ان کی آنکھیں ہی نہ کھول دیں کہ جس باطنی بلا میں یہ مبتلا ہو رہے ہیں اس سے ان کو نجات مل جائے۔ دعا قبول ہوئی اور ان سب لوگوں کی قلبی آنکھوں پر سے غفلت کے پردے ہٹا دیئے گئے اور سب کے سب ولی ہو گئے۔ اب جو آنکھیں

کھل گیں اور حضرت ہر تمہ کار حیرہ و حال معلوم ہوا اور سپر ہاتھ حرکتوں کو دیکھا، تو بے اختیار سب قدموں میں گر پڑے۔

سبحان اللہ کیسی شفقت تھی کہ ایسے سنگ دل لوگوں پر بھی بد دعا نہ کی گئی۔ سنیئے ابھی قریب زمانہ میں ایک بزرگ مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی گذرے ہیں۔ جن کے دیکھنے والوں میں سے شاید اب بھی کوئی زندہ ہو۔ مکہ کو ہجرت فرما گئے تھے۔ ان کا قصہ ہے کہ ایک بار وہ مکہ کے بازار میں کسی دکان پر کچھ خرید رہے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ جتنے رقم ہوتی تھی سب ایک تھیلی میں رکھتے تھے اور بازار میں ساری تھیلی لے جاتے اور جب اس میں سے کچھ نکالنا ہوتا، تو ساری تھیلی دکان پر الٹ کر جتنے کا سودا لینا ہوتا، لیکر باقی تھیلی میں ڈال لیتے۔ غرض روپیہ کی حفاظت وغیرہ کا کچھ خیال نہ تھا۔ نہ یہ فکر تھی کہ لوگ تھیلی کی جمع دیکھ کر میرے درپے ہو جائیں گے سبحان اللہ، یہ باتیں ہیں جو کرامات سے بھی زیادہ ہیں

غرض ایک دن اسی طرح سودا لے رہے تھے۔ ایک بدو نے تھیلی کو تاک لیا جس وقت آپ بازار سے لوٹے اور اس گلی میں داخل ہوئے جس میں آپ کا مکان تھا۔ وہاں بجز مولانا کے اور اس بدو کے اور کوئی نہ تھا۔ بدو نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا اور تھیلی کو مولانا کے ہاتھ سے چھین کر وہاں سے بھاگا۔ آپ نے کچھ تعاقب بھی نہ فرمایا۔ سیدھے اپنے گھر میں چلے گئے۔

اب خدا کی قدرت دیکھئے کہ اس بدو نے جوں ہی گلی سے نکلنا چاہا تو حق تعالیٰ نے راستہ بند کر دیا۔ وہ چل پھر کر پھر اسی موقعہ پر پہنچا جہاں سے تھیلی لے کر چلا تھا۔ چند بار ایسا ہوا کہ وہ وہاں سے چلا اور پھر وہیں آ موجود ہوتا۔ اب وہ سمجھا کہ یہ شخص خدا کا مقرب ہے شاید اس نے میرے واسطے بددعا کی ہے جو مجھ کو راستہ نہیں ملتا۔ اس لئے اس نے مولانا کے دروازہ پر آ کر پکارنا شروع کیا یا شیخ یا شیخ خذ منی صرت، اے شیخ مجھ سے اپنی تھیلی لے لو۔ مگر مولانا نے یک آواز کا بھی جواب نہ دیا۔ تو اس بدو نے دوسری ترکیب کی کہ چلانا شروع کیا کہ اے لوگو! دوڑو، مجھے ظالم سے بچاؤ۔ اس آواز پر لوگ جمع ہو گئے اور پوچھ

کہ تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟ کہنے لگا کہ اس گھر میں جو بیٹھا ہے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے، اس کو بلاؤ ذرا گھر سے باہر نکلیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تو بڑے نیک آدمی ہیں وہ کسی پر ظلم نہیں کر سکتے۔ بدو نے کہا وہ خدا مجھ پر ہو سا نے بڑا ظلم کیا ہے تم نہ بلاؤ تو آخر لوگوں نے مولانا کو آواز دی کہ ذرا گھر سے باہر تشریف لائیے۔ آخر مولانا حیران، پڑوسیوں کی رعایت سے باہر تشریف لائے تو لوگوں نے بدو سے پوچھا کہ بتا انہوں نے تجھ پر کیا ظلم کیا ہے؟ کہنے لگا کہ میں نے ان کی بھینس چھین لی تھی۔ جب میں اس کو لے کر چلا تو راستہ مجھ پر بند ہو گیا۔ میں اس کو چھوڑ کے باہر نکلنا چاہتا تھا مگر چل پھر کر اسی جگہ آ موجود ہوتا جہاں اب کھڑا ہوں۔ میں نے اس شخص کو آواز دی کہ اپنی بھینس مجھ سے لے لو تو اس نے میری آواز کا جواب بھی نہ دیا۔ یہ ظلم انہوں نے میرے اوپر کیا ہے کہ نہ تو بھینس واپس دیتے ہیں نہ مجھ کو راستہ ملتا ہے۔ اب تم لوگ ان سے کہو کہ مجھ سے اپنی بھینس واپس لے لیں اور مجھے اس بلا سے نجات دلا دیں۔ لوگوں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت اپنی بھینس واپس لے لیجئے اور اس غریب پر رحم کیجئے۔

اب عجیب بات دیکھئے کہ مولانا فرماتے ہیں یہ بھینس تو میری نہیں ہے اور بدو کہتا تھا کہ واللہ یہ انہی کی ہے میں نے ان کے ہاتھ سے چھینی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں چھیننے سے پہلے تو میری تھی مگر چھیننے کے بعد میری نہیں رہی بلکہ تیری ملک ہو چکی ہے کیونکہ جب تو نے اس کو چھینا تھا میں نے اسی وقت حق تعالیٰ سے عرض کر دیا تھا کہ یہ اس وجہ سے اس شخص کو عذاب نہ کیا جائے۔ میں نے یہ بھینس اس کو ہبہ کر دی ہے اور قبضہ اس کا ہے ہی۔ بس اس کی ہو گئی۔ اس لئے اب یہ میری نہیں رہی میں اس کو واپس نہیں لے سکتا اور مقبول ابھی تک وقع نہ ہوا تھا مگر واہب تو اپنی طرف سے اخراج عن الملک کا سامان پورا کر چکا اس لئے اپنے حق میں معاملہ ہبہ کا کیا یہ غایت احتیاط ہے، لوگ حیران رہ گئے کہ کیا عجیب ماجرا ہے آخر بدو نے کہا کہ اگر تو بھینس کو واپس نہیں لیتے تو میرے واسطے دعا ہی کر دو کہ مجھے راستہ مل جائے۔ مولانا نے دعا فرما دی اور وہ خوش خوش اپنے گھر چلا گیا۔ صاحبو!

حضور کے تمدن کے علاوہ ہمارے یہ شفقت بھرے پیارے دلوں پر حضور کی شفقت کا کیا حال ہوگا واللہ تعالیٰ

لف نہ جھیاں کیے در گزر کرر رحیمی سمد بیشمر

جب حضور کی یہ شفقت ہے تو شاید اللہ یہ کہنا بھی آپ کے طفیل سے پار ہو جائیں گے در تبلیغ سلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوتا ہے جس کو امت کے حال پر شفقت ہوگی۔ وہی تبلیغ کے مصائب کو خوشی سے برداشت کر سکے گا۔ اب چونکہ ہم لوگوں میں شفقت نہیں ہے اس لئے تبلیغ میں کمی ہوتی ہے۔ ہم لوگ جو جھوٹے پیچھے مولوی کہلاتے ہیں، ہم بھی وعظ کہنے وہیں جاتے ہیں جہاں کھانے کو عمدہ عمدہ غذائیں ہیں۔ نخروں سے بلائے جائیں، کرایہ ڈبل لے۔

ایک بار میں ایک انجمن کے جلسہ میں بلایا گیا۔ جب ان لوگوں نے مجھے کرایہ دینا چاہا تو بہت رقم پیش کی۔ میں نے کہا کہ تین روز میں کیا کروں گا! میرے تو پندرہ روپے صرف ہوتے ہیں۔ ان کو اس جواب پر بڑی حیرت ہوئی۔ پھر کھانے کے انتظام نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ چاء پئیں گے۔ میں نے کہا نہیں، پان کھائیں گے؟ میں نے کہا نہیں۔ مجھے ان میں سے کسی کی عادت نہیں۔ پوچھا کھانا خاص کس قسم کا کھائیں گے؟ میں نے کہا کہ اپنے گھر پر دال روٹی کھاتا ہوں، وہی کھاؤں گا۔ ان کو میری بات پر تعجب ہوتا تھا۔ آخر میں نے پوچھا کہ آپ کو حیرت و تعجب کیوں ہے اور یہ سوالات آپ مجھ سے کیوں کرتے ہیں۔ کہنے لگے کہ صاحب یہاں ایک واعظ صاحب بھی آئے تھے جنہوں نے بڑے عیب نکالے۔ بہت نخروں سے کھانا کھاتے تھے۔ دو دن میں گیارہ روپے کے پان کھائے (غیر کھاتے تو کیا ہوں گے مگر شاعر کو کھلائے جس کا ان کو کوئی حق نہ تھا جب کہ یہ پان کو گراں ہوا اس لئے ہم کو آپ کی سادگی پر تعجب ہوتا ہے کہ آپ تو کرایہ بھی بہت کم بتلاتے ہیں اور دال روٹی کے سوا کسی چیز کی درخواست نہیں کرتے۔ نہ چائے کی نہ پان کی۔ میں نے کہا بھائی وہ بڑے درجہ کے آدمی تھے ان کا وہ

ان خرچ بھی تھا ہیں دوکانوں کا سے وا ہوں۔ چھوٹے درجہ کا آمدنی ہوں۔ ویسا ہی میر مختصر خرچ ہے۔ غرض اس اجرہ سے تبلیغ کا کام رک گیا۔ یونکہ جن کفار میں تبلیغ کی ضرورت ہے یا جن مسلموں کو کفار سے بنانا ضروری ہے ان حالت میں کہ ہم سے ان کو پیسہ نہیں دو ہم کو خود تو کیا بھی نے۔ جانے کے بعد ٹھہرنے کو بھی نہیں دیتے۔ نہ کھانے کو پوچھتے ہیں نہ پانی کو۔ بعد وہ تم لوگ مل کر یہ رہتے پانی وہاں دیں گے۔ پھر ایسی جگہ کون جائے اور یہ تکلیفیں کون جھیلے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اسلام دوسری جگہ تو کیا پھیلتا۔ جہاں اسلام پہلے تھا وہاں سے بھی نکلنے لگا۔

مگر آج کل ایک قصہ کی وجہ سے لوگوں کو پھر تبلیغ پر کچھ توجہ ہوئی ہے اور اس کی ضرورت کا احساس ہوا ہے۔ مگر مجھے یہ ایسے بھائیوں سے نہیں ہے کہ وہ اس پر اقدام کریں کیونکہ ان میں جو جوش ہوتا ہے مستقل نہیں ہے اور جوش کا قاعدہ ہے کہ وہ زیادہ دیر پا نہیں ہوتا کاش اگر ان میں جوش کے ساتھ مستقلاں بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا، مگر ان کا جوش بھی مستقل نہیں ہوتا صرف چند روزہ ہوتا ہے مگر خیر اس جوش کا پیدا ہونا بھی خدا کی رحمت ہے اس سے ہم کو کام لینا چاہئے۔

تبلیغ کی تدبیر تبلیغ کا طریقہ یہ ہے کہ اس جوش کی حالت میں جوش سے کام لیکر ایسی تدبیریں نکالیں جس سے تبلیغ کا کام ہمیشہ چلتا رہے اور محض زبانی جوش تک منحصر نہ رہے جس کی صورت آسان یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے دینی مدارس تعلیم عربی کے لئے قائم کر رکھے ہیں جو بدون اسی جوش کے زمانہ دراز سے چلے آرہے ہیں اسی طرح کچھ مستقل مدارس محض تبلیغ کے لئے قائم کر دیں جن میں صرف اس کام کی تعلیم دی جائے اور مبلغین تیار کئے جائیں۔ مدارس عربیہ کے ساتھ اس کام کو ملحق نہ کیا جائے۔ اس سے تعلیم علوم دین کے کام میں نقص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ تجربہ سے معلوم ہو جائیگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آج کل تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اور علماء میں دو قسم

کے لوگ ہیں ایک وہ جو فکر معاش و پیشہ سے فارغ ہیں وہ تو اس وقت سے پہلے کو تبلیغ کے لئے وقف کردیں اور جو لوگ فکر معاش سے فارغ نہ ہوں، مگر اس وقت کسی کاروبار میں بھی مشغول نہیں وہ بھی اس کام میں لگ جائیں اور اپنا ترک نہ کریں اور جو لوگ ملازمت وغیرہ یا درس و تدریس میں مشغول ہیں وہ اپنے کام کو ترک نہ کریں مگر تعطیل کے زمانہ میں یا کچھ رخصت بلا وضع تنخواہ مل سکے تو رخصت سے کرانِ ایام میں تبلیغ کا کام کیا کریں اس طرح ہزاروں مبلغ مفت مل جائیں گے مگر اس کی ضرورت ہے کہ ہر شخص اس کام کی اہمیت کا احساس کر کے اس پر توجہ کرے۔

ایک صورت چندہ کی ہے کہ عام لوگ چندہ دیں اور خاص لوگ تبلیغ کا کام کریں مگر یہ صورت سخت مذموم ہوگئی ہے اور ہم نے خود اس کو بدنام کیا ہے کہ مخلوق کا روپیہ لے کر کام کچھ بھی نہ کیا اور روپیہ کھا پی کر سب برابر کیا، تو یہ صورت سخت اچھی ہے اور آسان بھی، تمام قومیں نذر کا کام اس طرح سے کرتی ہیں مگر میں اس صورت کی رائے نہیں دیتا۔

میرے نزدیک چندہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ ہر شہر میں ہی حیثیت کے موافق ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھ لے یا چند رؤسا مل کر ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھ لیں اور ہر مہینہ اس کو تنخواہ خود بھیجا کریں۔ کسی انجمن وغیرہ میں چندہ بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ مبلغ کا انتخاب خود نہ کریں بلکہ علماء سے مشورہ کر کے کسی کو ملازم رکھیں، لیکن اس کے ساتھ ملازم کا سا برتاؤ نہ کریں بلکہ سفیر یا مخدوم سمجھیں۔

اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو جو انجمنیں تبلیغ کا کام کر رہی ہیں ان کی ہی اعانت مال سے کرتے رہیں۔ مگر اس کے کارکن خیانت کریں گے خدا کے یہاں پکڑے جائیں گے مگر جس کی خیانت کا علم ہو جائے اس کو پھر چندہ نہ دیں بلکہ اب اس کو دیں جس کی خیانت کا ہنوز علم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

وحدت کی حفاظت کر سکیں وہ دعا کرتے رہیں یہ بھی بڑی امداد ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم

وہیں سے رہ بھی۔ دستے تو نہ دو اس پر بھی عمل کریں گے

مرنجم تو امید نیست بہ سامان

یعنی وہ خدا کے راستے اس کام میں روڑے نہ اٹکائیں۔ ان میں بہت سے بھی مسلمان ہیں جو تبلیغ کے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کام چھوڑ دو۔ اس سے مسلمانوں میں تفرقہ ہوتا ہے۔ [illegible] سے یہاں اب بھی مسلمانوں سے ملنا جلنا جائز ہے۔ مگر یہ ہے کہ [illegible] مگر ان کا اقرار یہ طریقہ ہے کہ مسلمانوں کی ذہنیت یہ ہوتی ہے۔ جہاں ان کو موقع ملتا ہے مسلمانوں کو مرتد کرتے ہیں۔ کبھی زبردستی یا جان کے ڈر سے ہو جاتے ہیں مگر ناظرین کا تجربہ بھی ہوگا۔ جبھی ان سے کوئی پوچھے کہ جب مسلمانوں کو مسلمان مرتد بناتے ہیں تو کیا مسلمانوں کو مرتد ہونے دیا جائے؟ ان کو سمجھانے کی کوشش نہ کیجائے۔ اگر ان کی یہی رائے ہے تو اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ چاہے یہاں کا ہندو مرتد ہو جائے مگر تمہارا جائے تو سے کام رہے۔ کیا کہنے ہیں ان کے ذہنی ایمان اسلام کی پروا نہ ہے۔ ان صاحبوں کی یہ رائے ہے وہ خود تبلیغ نہ کریں۔ مگر جو لوگ یہ کام کرنا چاہتے ہیں ان کو یہ اس سے روکتے ہیں؟

بس مسلمانوں کو خدا کے نام پر یہ کام شروع کر دینا چاہئے اور ان لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کرنا چاہیئے۔ تبلیغ میں علمی مباحثہ یا مناظرہ کی ضرورت نہیں بلکہ سکون و وقار سے کام کرنا چاہیئے۔ جہاں مباحثہ دوسری طرف سے پیش ہو وہاں یہ جواب دیدینا کافی ہے بندہ صاف کہہ دو کہ ہم اپنا کام کریں۔ تم اپنا کرو۔ جس کا مذہب حق ہوگا اس کی حقانیت

تعلیم اسلام کی خوبی

اسلام کے محاسن تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا تو وقت نہیں ہے مگر مختصر
طور پر چند باتیں بتلاتا ہوں۔ ان سے باقی کو سمجھ لیا جائے گا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اسلام کا ایک محسن یہ ہے کہ اس کو اپنی اشاعت کے لئے تلوار کی ضرورت نہیں ہے نہ تو
کی۔ بلکہ اسلام کی تعلیم خود قلوب کو اپنی طرف کشش کرتی ہے۔ جس کا ثبوت اس طرح ہو سکتا ہے کہ جس
مجمع میں ہندو مسلمان دونوں موجود ہوں۔ وہاں پہلے ایک ہندو سے کہا جائے کہ وہ اپنے مذہب
کی باتیں بیان کرے۔ اس کے بعد کسی عالم سے کہا جائے کہ وہ اسلام کی باتیں بیان کرے۔ دونوں
حالتوں میں مجمع کی حالت دیکھ لی جائے کہ کس تعلیم کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ ہم نے یہاں خود تجربہ
کیا ہے کہ جب کبھی ہم چند احباب آپس میں معمولی باتیں اصلاح عمل وغیرہ کے متعلق کرتے تھے
تو ہندو فوراً سے ان باتوں کو سنتے اور کہتے تھے کہ ان لوگوں کی باتوں میں کچھ وزن ہوتا ہے تو
دوسرا جواب دیتا تھا کہ ان کی باتیں سچی ہیں اور سچائی کی طرف دل کھنچا ہی کرتا ہے

ایک مرتبہ میں یہاں علمی کر رہے تھے۔ وہاں ہندو بھی موجود تھے جب
سٹیشن آگیا اور ہم اترنے لگے تو ایک ہندو کہنے لگا کہ آپ تو سارا نور اپنے ساتھ لے چلے
جب تک آپ یہاں رہے ایک نور ہمارے ساتھ تھا۔ آخر کیا بات تھی؟ صاحبو! کفار کو
بھی اسلام کی باتوں میں نور کا احساس ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم جب کسی کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو اس کو زبردست
کا چیلنج دیتے ہیں۔ نہ اپنی طرف کشش کرنے کے لئے صرف کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کانپور میں

یک عیسائی میرے پاس آیا اور مجھے مسلمان کرلو اور میرے واسطے دو سو روپیہ چندہ کردو تاکہ میں اس سے تجارت شروع کرکے معاش پیدا کرسکوں۔ میں نے کہا کہ تم دو سو روپیہ لیتے ہو میں ایک روپیہ بھی چندہ نہ دوں گا اور نہ تم کو اس کی ضرورت ہے کہ تم اسلام کو حق سمجھ کر اپنی نجات کے واسطے اختیار کرتے ہو تو ہمیں تم سے یہ کہنے کا حق ہے کہ تم اس دولت کا نشان بتلانے کے معاوضہ میں کچھ روپیہ نہ مانگو تو ہم سے مانگتے ہو۔ ہم اس کا وعدہ ہرگز نہ کریں گے۔ چاہے اسلام لاؤ یا نہ لاؤ۔ چونکہ وہ سچے دل سے اسلام لانا چاہتا تھا اس لئے اس نے کہا کہ میں پانچوں روپیہ واپس دیتا ہوں اور میں آپ سے ایک پیسہ بھی نہیں مانگتا میں تو صرف مسلمان ہونا چاہتا ہوں اور روٹی کا ٹکڑا تک ہے۔ جب اس نے کہا تب میں نے اسے مسلمان کیا پھر اسلام کے بعد چونکہ وہ ہمارا بھائی ہوگیا اور بھائی کی اعانت و امداد انسانیت و مروت کا مقتضا ہے تو ہم نے اس کی خدمت بھی کی۔ مگر سلام لاتے وقت صاف انکار کردیا۔

دوسرے یہ کہ اسلام میں دو چیزیں ہیں اصول و فروع عقائد کو اصول کہتے

ہمارے مخالفین اسلام کے اس اعتراض کا جواب ہوگیا کہ اسلام مال کے لالچ سے پھیلایا گیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نومسلم کے لئے اسلام میں ایک خاص حکم دیا ہے ان لوگوں نے تالیف قلب کی حقیقت نہیں سمجھی۔ تالیف قلب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں سے یہ کہا جائے کہ تم اسلام قبول کرو ہم تم کو روپیہ دیں گے۔ یعنی وعدہ نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرے اور اس کو روپیہ کی ضرورت ہو تو ہمدردی و محبت کا برتاؤ کیا جائے اور وہ شخص روپیہ کے لئے اسلام سے ہٹا جاتا ہو تو اس موقع پر اس کی مدد کرنا چاہیے تاکہ وہ روپیہ کے لالچ سے نہ ہٹے۔ یہ ہے اس حکم کا مطلب جو تم اسلام پر اور ہر مسلمان کر سکتے ہیں۔ اگر تم اسلام کو حق سمجھتے ہو تو اسلام لاؤ اور جو ہمارا حال ہے اسی حال پر تم بھی ہو۔ محنت و مزدوری کرو اور کھاؤ۔ کمالی۔

ہیں اور اعمال کو فرق ہے۔ اور سب سے بڑا فرق عقائد کا اتفاق ہے کہ ہر مذہب کی خوبی کا مدار اس کے اصول کی پاکیزگی پر ہے۔ جس کے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اس کے فروع بھی پاکیزہ ہوں گے۔ اسلئے مخالفین کے سامنے ہم کو سب سے پہلے اصول اسلام کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہیئے کیونکہ اصول عقل ہوتے ہیں ان پر عقلی دلائل قائم کرکے خصم کو محجوب کر سکتے ہیں اور فروع کا عقلی ہونا لازم نہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ ان کا ثبوت عقل سے ہو بلکہ بہت سے فروع سمع و نقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ فروع عقل کے خلاف نہ ہوں۔ سو بحمد اللہ اصول اسلام سب عقلی ہیں اور فروع عقل کے خلاف نہیں ہیں۔ پس سب سے پہلے کفار کے سامنے توحید و رسالت کو ثابت کیا جائے۔ جب وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرلیں گے تو اس کے بعد جس فرعی مسئلہ کی وہ دلیل مانیں اس سے وجوب میں غالبہ دینا کافی ہوگا کہ یہ حکم اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہے۔ جو واجب ہے بادلہ تو اس کے بعد گروہ یہ کہے کہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے تو ہمارے ذمہ اس کا ثبوت ہوگا کہ یہ حکم خلاف عقل نہیں ہے کیونکہ خلاف عقل محال ہوتا ہے یا قبیح اور یہ حکم نہ مستلزم محال ہے نہ اس میں کوئی قبح ہے۔ اس طریقہ سے گفتگو مختصر اور سہل ہوجاتی ہے۔ بہرحال ہمارے اسلام سب عقلی ہیں جن میں توحید اصل الاصول ہے۔

توحید کی خوبی اب اسلام کی خوبی دیکھیئے کہ اس میں توحید ایسی کامل ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کی توحید ایسی کامل نہیں چنانچہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اسلام میں حرام ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے فارس و روم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرمت کو کس عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا۔ جس سے اس فعل کی مذمت بخوبی ظاہر ہوگئی۔ فرمایا یہ تو بتلاؤ اگر تم میرے مرنے کے بعد میری قبر پر گذرو تو کیا

میری قبر کو بھی سجدہ کریں گے۔ حضرات صحابہ کیسے سلیم عقل تھے۔ جواب دیا کہ۔ نہیں۔ فرمایا تو پھر اب ہی کیوں سجدہ کرتے ہو۔ خوب سمجھ لو کہ غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے اور غیر خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ جائز کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں حضور نے اس جواب میں بتلا دیا کہ جو چیز فانی ہے اور اس کے فنا ہونے کے بعد تم اس کو سجدہ کرنا گوارا نہیں کرتے۔ وہ اس وقت بھی سجدہ کے قابل نہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت بھی فانی ہے۔ حضرات صحابہ سلیم العقل تھے۔ اور بات کو سمجھ گئے کہ مرنے کے بعد انسان سجدہ کے قابل نہیں ہوتا جائے۔ اگر آج کل کے لوگ ہوتے تو کہتے حضور ہم تو آپ کی قبر کو ایک بار کیا ہزار مرتبہ سجدہ کریں گے۔ اس واقعہ سے اسلام کی توحید کا کامل ہونا معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصود اشاعت اسلام سے اپنی تعظیم کرانا تھا کیونکہ جو شخص بڑا بننا چاہتا ہے وہ تو خود اس کی کوشش کیا کرتا ہے کہ لوگ میرے سامنے جھکیں مگر حضور کی یہ حالت ہے کہ لوگ از خود آپ کو سجدہ کرنا چاہتے تھے اور آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ اپنا فانی ہونا ان پر ظاہر کر دیا۔

مگر پھر بھی بعض جہلاء کفر کا حضور پر یہ اعتراض ہے کہ آپ (نعوذ باللہ) بڑا بننا چاہتے تھے اور دلیل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضور نے حج کے موقعہ پر ایک صحابی کو اپنے سر کے مبارک بال دیئے تھے کہ مسلمانوں میں ان کو تقسیم کر دو۔ سو یہ وہ جاہل لکھتا ہے کہ دیکھئے حضور نے اپنے بال اس لئے تقسیم کرائے تاکہ لوگ ان کو تبرک سمجھ کر تعظیم سے رکھیں تو گویا آپ نے بڑا بننا چاہا۔

استغفر اللہ! یہ آج کل کی فہم و عقل ہے۔ افسوس اس شخص کو عبادت و محبت کے مقتضی میں بھی فرق معلوم نہیں۔ واقعی کفار کو محبت و عشق کا چسکہ نہیں لگا۔ اسی واسطے وہ ایسے واقعات کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو جواب بھی نہ دیا جائے اور یہ کہہ دیا جائے ؎

بامن مرنید سر رشتہ دستی کہ در تا میرد دامن خود پرستی

مرتبہ حاشیہ کا جواب دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کو کرسی متعرض سے شبہ نہ ہو موقوفہ اس جواب سے کل حاصل کرے۔

بات یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حضور صلعم نے اپنے بال کن لوگوں میں تقسیم فرمائے تھے۔ آپ نے ان لوگوں میں اپنے بال تقسیم کرنے تھے جن کی محبت کی یہ حالت تھی۔ جب آپ وضو کرتے تھے تو وضو کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ آپ کا تھوک اور ناک کا پانی بھی ہاتھوں میں لیتے تھے۔ ملکر ملتے اور اسے منھ سے لگاتے تھے۔ اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا تھا کہ سب سے پہلے آپ کی وضو کا پانی اور آپ کا تھوک میرے ہاتھ میں آئے۔

چنانچہ اس کوشش میں ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ اور یہ محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حضور نے پچھنے لگوائے اور اس کا خون ایک صحابی کو دیا کہ اس کو کسی جگہ چھپا دے دفن کر دے۔ صحابی کی محبت نے گوارا نہ کیا کہ حضور کا خون زمین میں دفن کیا جائے۔ انہوں نے الگ جا کر اسے خود پی لیا اسپر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اصحاب بہت ہی بے حس تھے کہ ان کو تھوک ملتے ہوئے اور خون پیتے ہوئے گھن نہ آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ ان امور کا تعلق عشق و محبت سے ہے اور اس کی حقیقت عاشق ہی سمجھ سکتا ہے جس کا مذاق یہ ہوتا ہے ؎

غیرت ز چشم برہم روئے تو دیدن ندہم
گوش رنجیدہ حدیث تو شنیدن ندہم

صاحبو! کہ آپ کو کبھی کسی سے عشق ہوا ہو تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عاشق بعض اوقات محبوب کی زبان اپنے منہ میں لے کر چوستا ہے اور مشتاق عاشق دہن محبوب کی مدح میں دفتر کے دفتر اشعار میں لکھ گئے ہیں تو کیا یہ لوگ بے حس تھے۔ کہ نہیں۔ اگر بے حس ہیں تو

یوں سمجھئے کہ ساری دنیا ہے جس سے کیونکہ محبت میں ہر شخص پی لیتا ہے۔ کوئی عاشق اس سے بچا ہوا نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کے محبوب کے بدن میں سے خون بہنے لگے تو وہ اس جگہ منہ لگا کر خون کو چوستے ہیں تاکہ محبوب کو زخم کی تکلیف کا احساس نہ ہو یا کم ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ محبوب کا خون چوسنا بھی کوئی گھن کی چیز نہیں۔ عاشق کو اس سے بوجھ ہوتا ہے۔ اس کے دل سے پوچھا جائے۔ پھر جب ولی کی محبوب کا لعاب دہن اور خون گھن کی چیز نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھوک اور پسینہ اور خون تو بدرجہ گھن کی چیز ہو سکتا ہے کیونکہ حضور کی حالت یہ تھی کہ قدرتی طور پر آپ کا تمام بدن خوشبودار تھا۔ آپ کے پسینہ میں اس قدر خوشبو تھی کہ مکہ کی خوشبوؤں کے سونگھنے والے حقیقت جانتے تھے۔ آپ کا لعاب دہن نہایت خوشبودار شیریں تھا۔ یہی حال آپ کے خون کا تھا تو ایسی چیز سے کون شخص گھن کر سکتا ہے۔ اگر کفار حضور کی مبارک چہرہ پر تھوک کر محبت کی مولکی ہے نہ حضور کے حالات سے ظاہر ہے کہ جاں نثار صحابہ آپ کے ایسے عاشق تھے کہ وضو کا پانی بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور اس کو ہاتھوں میں لے لیتے تھے، دوسرے پر گرتے پڑتے تھے تو کس جماعت سے یہ کیا امید تھی کہ وہ آپ کے بالوں کو زمین میں دفن ہونے دیں گے کیونکہ یقیناً بال کا درجہ وضو کے پانی سے زیادہ تھا۔ اس کو محض جسم سے جدا ہوا تھا یہ تو بدن کا جزو ہے۔ پس اگر آپ اپنے بال دفن کراتے تو یقیناً صحابہ زمین میں سے ان کو نکالنے کی کوشش کرتے، پھر اس میں یہ خوف یہ کوشش کرتا کہ میرے ہاتھ زیادہ بال آئیں تو ایک دوسرے پر گرتا اور عجب نہیں کہ قتال کی نوبت آجاتی۔ اس لئے حضور نے اس نزاع و قتال سے صحابہ کو بچانے کے لئے اپنے بال خود ہی تقسیم کرائے اور دفن نہ کرائے۔

بتلائیے اب اس میں کیا اشکال ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ آپ کا اپنے بال تقسیم کرنا اپنی تعظیم و عبادت کے لئے نہ تھا بلکہ صحابہ کی محبت پر نظر کرتے ہوئے ان کے نزاع و قتال کے دفع کرنے کے لئے تھا۔ اگر معاذ اللہ حضور میں ذرہ برابر بھی بڑائی و تکبر کا خیال

ہوتا تو آپ عمدہ لباس پہنتے، عمدہ مکان جاتے، عمدہ سواری پر سوار ہوتے۔ آپ کے پاس حزانہ بن نوتا، تجارت سے ثابت ہے اور حاد میں صحیح طریقہ سے ثابت کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا لباس موٹا جھوٹا ہوتا تھا۔ آپ کے مکانات سب کچے تھے۔ آپ نے پاس کچھ جمع نہ رکھتے تھے۔ یہ نہیں کہ آپ کے پاس مال نہ تھا۔ نہیں بعض جنگ میں تمام مال یا کہ اس کی شمار نہیں ہو سکتی تھی۔ بکریوں سے جنگل کے جنگل بھر گئے اور آپ نے سب بکریاں ایک لڑائی کو اس کے سوال پر عطا فرما دیا اور ذرا بھی اس کا خیال نہ کیا کہ آپ نے کسی کو تھوڑا کسی کو زیادہ عنایت فرمائے۔ جب عرب کا جزیہ آیا تھا تو آپ نے یہ کیا کہ مسجد کے اندر سونے کا ڈھیر لگ گیا مگر آپ نے تھوڑی دیر میں سب کا سب ہی کو تقسیم فرما دیا اور اپنے واسطے ایک درہم بھی نہ رکھا تو کیا بڑی چاہنے والا یہ کر سکتا ہے کہ خود تو خالی ہاتھ رہے اور مخلوق کو مالا مال کر دے۔

پھر آپ کی حالت یہ تھی کہ راستہ میں جب چلتے تھے تو صحابہ کو اپنے سے آگے چلنے کا حکم کرتے تھے اور خود پیچھے چلتے۔ بعض دفعہ کوئی صحابی سواری پر سوار ہوتے اور آپ ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے۔ وہ اترنا چاہتے اور آپ منع فرماتے۔ اکثر آپ اپنا سودا بازار سے خود لے آیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی کام میں آپ سے مدد لینا چاہتا تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتا لے جاتا اور آپ اس کا کام کرتے تھے۔ گھر میں اگر آپ اپنے گھر کے کام بھی کرتے تھے۔ کبھی بکری کا دودھ خود نکال لیا، کبھی جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیا، کبھی آٹا گوندھ دیا۔ آپ بعض دفعہ زمین پر بیٹھ جاتے۔ بوریہ پر لیٹ جاتے تھے۔ جس سے آپ کے پہلو پر نشان ہو جاتے۔ بعض دفعہ کسی یہودی کا آپ پر قرض ہوتا اور وہ تقاضا کرنے میں سختی کرتا، بُرا بھلا کہتا اور حضرات صحابہ کو یہودی پر غصہ آتا۔ وہ اس کو دھکا دینا چاہتے تو آپ صحابہ کو منع فرماتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ حق والے کو کہنے سننے کا حق ہے۔ اس جاہل معترض سے کوئی پوچھے کہ کیا بڑا اور عظمت چاہنے والوں کے یہی

[illegible]

دوسرے حضرات نے [illegible] کہ یہ بات [illegible] کے لئے [illegible] کی۔

[illegible]

شبہ معبودیت کعبہ

[illegible] کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ہم کعبہ کی پرستش نہیں کرتے بلکہ عبادت خدا کرتے ہیں اور صرف سمت قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس بہت سے دلائل ہیں ایک یہ کہ ہم خود اس کی معبودیت کی نفی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی عابد اپنے معبود کی معبودیت کی نفی نہیں کیا کرتا۔

دوسرے یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے لوگوں کے دل میں کعبہ کا خیال بھی نہ آئے مگر کعبہ کی طرف منہ ہے تو نماز درست ہے۔ چنانچہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ وہ مسجد میں آکر نماز شروع کر دیتے ہیں اور کعبہ کا کچھ بھی خیال ان کو نہیں آتا، ان کی نماز درست ہے اگر ہم کعبہ کی عبادت کرتے تو اس کی نیت کرنا شرط ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ گرمیوں وقت کعبہ نہ ہے جب بھی نماز فرض ہے گی اور کسی طرف منہ کیا جائیگا جہاں کعبہ موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کعبہ کے اینٹ پتھروں کو نہیں پوجتے، ورنہ انہیں کعبہ کے بعد نماز موقوف ہو جاتی۔

چوتھے یہ کہ اگر کوئی شخص سقف کعبہ پر نماز پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہے اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اس کے اوپر چڑھ کر نماز صحیح نہ ہوتی کیونکہ کعبہ اس کے سامنے نہیں ہے۔ دوسرے معبود کے اوپر چڑھنا گستاخی ہے۔ اس حالت میں اس طرف نماز درست نہ ہونا چاہیئے تھی۔ مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کعبہ کی چھت پر بھی نماز صحیح ہے تو کیا معبود کے اوپر چڑھا بھی کرتے ہیں؟ اس معترض نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا کہ وہ گائے بیل کو دیوتا و معبود بھی سمجھتے ہیں پھرنے کے اوپر سوتے بھی ہوتے ہیں مگر ان کا خلاف عقل ہونا ظاہر ہے۔

ایک اعتراض تقبیل حجر پر بھی ہے کہ مسلمان اس کو بوسہ دیتے ہیں تو کیا نعوذ باللہ اس کی عبادت کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ تقبیل حجر عظمت سے نہیں محبت سے ہے جیسے بڑی چھوٹی کا بوسہ لیا کرتے ہیں، اگر بوسہ دینا عبادت و عظمت کی دلیل ہے تو لازم آئے گا کہ ہر شخص اپنی بیوی کی عبادت کرتا ہے اور اس کا فساد بدیہی ہے معلوم ہوا کہ تقبیل عبادت و تعظیم کو مستلزم نہیں بلکہ کبھی محبت سے بھی تقبیل ہوا کرتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر تم حجر اسود سے محبت کیوں کرتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہمارے گھر کی بات ہے اس کے متعلق مخالف کو سوال کرنے کا حق نہیں۔ دیکھئے اگر کوئی شخص عدالت میں یہ دعوی دائر کرے کہ فلاں مکان میری ملک ہے تو اس سے اس پر ثبوت طلب کیا جائیگا۔ لیکن جب وہ ثبوت پیش کر دے تو خصم کو اس سوال کا حق نہیں کہ اچھا مکان تو تمہارا ہی ہے مگر یہ بتلاؤ کہ اس گھر میں کیا کیا سامان ہے؟ یا کوئی شخص

بیوی کا بوسہ لے تو اس سے یہ سوال تو ہو سکتا ہے کہ تم اس کا بوسہ کیوں لیتے ہو، لیکن جب وہ یہ بتلائے کہ محبت کی وجہ سے میں بوسہ لیتا ہوں تو پھر اس سوال کا کسی کو حق نہیں کہ تم کو بیوی سے محبت کیوں ہے اور تم ان رات میں اس کے کتنے بوسے لیتے ہو؟ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس کی وجہ بتلا نہیں سکتے کہ ہم کو تجھ سے محبت کیوں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخالفین کے مطالبات کا جواب اسی حد تک دینا چاہئے جہاں تک ان کو سوال کا حق ہے، جو سوال ان کے منصب سے بالا ہوں اس کا جواب نہ دینا چاہیئے بلکہ صاف کہہ دینا چاہیئے کہ تم کو اس سوال کا کوئی حق نہیں۔ مخالفین کا دماغ مہمات کی حقیقت سمجھنے کے قابل نہیں اس لئے دقیقہ کو ان کے سامنے نہ بیان کرنا چاہیئے۔

بعض لوگ اس پر تعجب کرتے ہیں کہ وہ بات کون سی ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے آخر ہم بھی تو انسان ہیں۔ اگر باریک بات ہمارے سامنے بیان کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کو نہ سمجھ سکیں۔ میں کہتا ہوں کہ گزارش ہے تو پھر میں ایک سیاضی ان سے درخواست کرتا ہوں کہ تقدیس کی کوئی شکل ایک گھنٹہ ہوئے کو سمجھا دیں جسے تقدیس کے مبادی و اصول موضوعہ کو کبھی سنا بھی نہ ہو یقیناً وہ اقرار کریگا کہ میں ایسے شخص کو تقدیس کے شکل نہیں سمجھ سکتا آخر کیوں؟ کیا وہ انسان نہیں؟ مگر بات وہی ہے کہ بعض امور کے لئے مبادی و مقدمات کا سمجھنا ضروری ہوتا ہے اس لئے ان کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے ذہن میں تمام مبادی و مقدمات حاضر ہوں۔ ہر شخص ان کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور یہ بالکل موٹی بات ہے۔ مگر حیرت ہے کہ آج کل کے عقلاء کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔

میرے پاس ایک بڑے صاحب آئے اور انہوں نے تقدیر کے متعلق ایک دقیق سوال مجھ سے کیا۔ میں نے کہا آپ اس کا جواب سمجھ نہیں سکتے۔ بہت دقیق ہے جو آپ کی فہم سے باہر ہے۔ ان کو اس جواب پر حیرت ہوئی اور شاید وہ یہ سمجھے ہوں کہ مولوی میرے سوال کے جواب پر قادر نہیں ہیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ اگر آپ کو اس کا جواب

سے کوئی تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ کسی طالب علم کو میرے پاس بھیجا جائے جس کے ذہن میں اس علم کے مقدمات حاضر ہوں۔ جن سے اس سوال کا تعلق ہے۔ وہ مجھ سے یہی سوال کرے میں اس کے سامنے جواب کی تقریر کروں گا آپ بھی سن لیجئے گا۔ اس وقت آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ آپ اس کا جواب سمجھ سکتے ہیں یا نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ ہم لوگوں کے پاس اس کا جواب ہے۔ مگر آج کل تعلیم یافتہ جماعت یہ سمجھتی ہے کہ جب ہم سیاسیات ملیہ کو بھی بخوبی سمجھ لیں گے۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ سیاسیات ملیہ کے سمجھنے کی ایسی خاک بھی قابلیت نہیں۔ بس وہ جو آپ ہی کی سیاسیات کو شاید سمجھ لیتے ہوں گے بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ سیاسیات ملیہ سمجھنے کی قابلیت اہل علم میں بھی سب کو نہیں چنانچہ جب ان کسی سیاسی مسئلہ کا انکشاف ہوتا ہے۔ کل جن چیزوں کو وہ حرام کہہ رہے تھے آج ان سے جواز کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔ کل ٹخنے کا کرتہ پہننا واجب و ضروری تھا۔ آج اس کا پہننا قابل مواخذہ تھا۔ آج کچھ بھی نہیں۔ سب مذاق طبع در تی ہیں خریدنے کے لئے اور ساری ترک موالات ختم ہو گئی اور قانون یہ ہے کہ آج کل جو تحریک اسلامی قلمرو میں داخل ہوتی ہے اس کے متعلق بعض علماء نے ایک اشتہار میں شائع کیا ہے کہ یہ تحریک چونکہ خالص مذہبی تحریک ہے اس لئے اس میں ہر طبقہ کو شریک ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہی تحریکات خالص مذہبی تھیں اس میں غیر مذہب کا بھی دخل تھا اور ان تحریکات کی حقیقت کو وہ سمجھ ہی رہے تھے مگر بحمد اللہ برسوں کے بعد اب زبان سے بھی اقرار کر لیا کہ یہ پہلی تحریکات خالص مذہبی نہ تھیں پھر نہ معلوم ان میں شرکت نہ کرنے والوں کو کافر و فاسق کیوں بنایا گیا تھا۔ یقیناً جو امر مذہب و غیر مذہب سے مرکب ہو گا وہ فرض و واجب کبھی نہیں ہو سکتا مگر ستم یہ ہے کہ ان لوگوں نے تحریکات سابقہ کی شرکت کو فرض و واجب بنا رکھا تھا۔

صاحبو! مذہب میں بھی سیاسیات کا بہت بڑا حصہ ہے مگر وہ سب مذہب کے تابع ہے اور وہ سیاسیات خالص مذہبی سیاسیات ہیں ان میں غیر مذہب کا دخل ہرگز نہیں

[illegible] کرنل حضرت کے نزدیک [illegible] تحریکات مذہبی [illegible] سیاسیات میں داخل تھیں تو [illegible] اس قوم کا [illegible] مطلب ہے [illegible] ایک اسلامی [illegible] مذہبی تحریک ہے [illegible] اس میں سب کو شریک ہونا چاہیے [illegible] اس سے [illegible] تعلق [illegible] ہے [illegible] سیاسی فریب خالص مذہبی نہ تھیں تو [illegible] مذہبی سیاسیات میں بھی داخل نہ تھیں

میں یہ [illegible] مخالفین کا حوالہ [illegible] کے منصب سے [illegible] ہوا اس کا جواب [illegible] دینا چاہیے بلکہ صاف [illegible] دینا چاہیے [illegible] کوئی [illegible] اس [illegible] نہیں ہے اس لیے تم اپنے منصب سے آگے بڑھتے [illegible] مگر [illegible] بعض لوگ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مخالف کی [illegible] کا جواب [illegible] کا سوال [illegible] ہے [illegible] یہ بڑی غلطی ہے۔ اس طرح تو کبھی گفتگو کا سلسلہ [illegible] نہ ہو گا

[illegible] کی طرف [illegible] سے [illegible] ہے [illegible] ان کا [illegible] ہے [illegible] چنانچہ [illegible] ہے [illegible] ہوا [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے

اگر وہ یہ نہیں کہ مجھ پر ستم و جور سود سے محبت کیوں ہے اس کا جواب نہ دیا جائے گا بلکہ صاف کہہ دیں گے کہ جس طرح ہم کو آپ سے اس سوال کا حق نہیں کہ آپ کو اپنی بیوی سے محبت کیوں ہے اسی طرح آپ کو اس سوال کا بھی حق نہیں۔

حکمت استقبال قبلہ

یہ بتلا دینا معین یہ کہیں کہ اچھی نماز کے لئے کو نہ بتلا دینا ہم کو تو بتلا دو ہم تو کہتے ہیں کہ کوئی ہیں۔ سو آپ کو بے شک اس کی وجہ بتلائی جائے گی۔ ہیں سے اس وقت خاص خاص قواعد بتلائے ہیں کہ مخالفین سے کس طرح گفتگو کرنا چاہیے اور ان کے کس سوال کا جواب دینا چاہیے کس کا نہیں اور کون سی بات ان سے کہنی چاہیے اور کس سی نہیں۔

اب آپ کو بتاتا ہوں سنیئے استقبال قبلہ کا راز یہ ہے کہ عبادت کی روح دل تو ایک چیز ہوتی ہے۔ بدون یکسوئی دل کے عبادت کی صورت ہوتی ہے روح نہیں ہوتی اور یہ ایسی بات ہے جس کو تمام اہل ادیان تسلیم کرتے ہیں اب سمجھئے کہ نماز میں اجتماع خاطر کہ بہت بڑا جز ہے کسی نے نماز میں سکون اطمینان کا امر ہے۔ التفات و عبث سے ممانعت ہے صف کے سیدھا کرنے کا امر ہے۔ کیونکہ صف کو ٹیڑھا کرنے سے قلب پریشان ہوتا ہے۔ عام قلوب کو اس کا احساس کم ہوگا کیونکہ ان کو دل جمعی اور یکسوئی بہت کم نصیب ہے مگر جن کو دل جمعی کی دولت نصیب ہے ان سے پوچھئے کہ صف ٹیڑھی ہونے سے قلب پر کیا اثر ہوتا ہے۔ صوفیہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صف نیز سلم سے قلب کو جو پریشانی ہوتی ہے اس دل جمعی کے لئے سجدہ گاہ پر نظر جمانے کی تاکید ہے کیونکہ جگہ جگہ نظر گھمانے سے بھی قلب کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہی اصل ہے تمام تشتت خیالی کی جو مرتبہ تشتت تقسیم کرتے ہیں۔ ان سے نفس میں یکسوئی و جمعیت قلب پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اور یہی عمل کی قیام مولد کی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ صوفیہ نے اجتماع تام

[illegible] کھڑا ہو جائے تو سب
[illegible] کی [illegible] کرسی [illegible] کو بیٹھا ہوا دیکھ
[illegible] تو [illegible] بھی ایسا
[illegible] کیا [illegible] نے [illegible] ادب
[illegible] ہے [illegible] ضروری ہی
[illegible] اجتماع [illegible] میں [illegible]
[illegible] کرسی [illegible] کسی طرف منہ کر [illegible]
[illegible] ایک [illegible]
[illegible] کیوں نہ ہوئی۔ اس سوال
[illegible] کی [illegible]
[illegible] وقت [illegible] کی ضرورت ہے جس کا
جواب دیا جائے [illegible] سب [illegible] حاضر ہو سکیں اور [illegible] حاضیت
کو وقت مقرر [illegible] کہ عدالت کا یہ وقت ہے۔ تو اس کے علاوہ [illegible]
[illegible] کو [illegible] وقت [illegible] شخص کو تمام دن عدالت میں ہی رہنا
پڑتا [illegible] کی [illegible] کوئی [illegible] گورنمنٹ نے دس بجے
سے چار بجے [illegible] کوئی وقت مقرر [illegible] کیونکہ وہ [illegible]
[illegible] کوئی [illegible]

علی [illegible] کی ضرورت نہیں کہ جہت قبلہ ہی کو استقبال کے لئے
[illegible] چاہیے [illegible] کارکنوں نے [illegible] کی تعیین میں کیا مصلحت

ہے یہ جو سب تو ضابطہ کا ہے اور طالب کے لئے جو سب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کس
(یعنی حق تعالیٰ کی) توجہ کس طرف زیادہ ہے۔ اس کی طرف ان کی توجہ زیادہ تھی اس کو جہت
صلوٰۃ مقرر فرمادیا۔ یہ کہ کیسے معلوم ہو کہ حق تعالیٰ کی توجہ کعبہ کی طرف زیادہ ہے۔ سو جن کی
آنکھیں ہیں وہ جانتے ہیں کہ کعبہ کی سمت پر تجلیات ہیں۔ بہت زیادہ ہیں اور توجہ سے بڑھے
ہوئے ہیں اور وہی تجلیات رُخ کعبہ ہیں۔ ہدایت کر رہی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ کعبہ کی چھت پر بھی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت
گو صورت کعبہ سامنے نہیں مگر حقیقت کعبہ یعنی تجلی الٰہی تو سامنے ہے اس سے معلوم ہوا
کہ مسلمان دراصل تجلی الٰہی کا استقبال کرتے ہیں کعبہ کی دیواروں کا استقبال نہیں
کرتے مگر چونکہ تجلی ہی کا احساس بے تجسس نہیں ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے اس خاص
بقعہ کی حد مقرر فرمادی۔ جس پر ان تجلیات کا دوسرے مکانوں سے زیادہ ہونا ہے۔ یہ عمارت محض
اس تجلی عظیم کی جگہ دریافت کرنے کے لئے ہے ورنہ خود عمارت مقصود بالذات نہیں
چنانچہ منہدم عمارت کے بعد نماز کا مروج ہونا اور کعبہ کی چھت پر نماز کا درست ہونا اس
کی دلیل ہے۔ فقہاء نے اس رمز کو سمجھ کر ہی یہ فرمایا ہے کہ قبلہ وہ ہوا ہے جو کعبہ
کی محاذات میں آسمان تک اور اس سے نیچے زمین کے سفلی طبقات تک ہے۔ چونکہ
عمارت کعبہ کو اور اس جگہ کو تجلی سے تعلق ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے اس میں بھی برکت
سمجھی اور یہی تجلی اہل لطائف کے نزدیک معنی ہے

ف ۱ اسی طرح اگر مدینہ سے اس جگہ کعبہ معلوم ہو جائے کہ کس طرف ہے تو وہاں نماز
پڑھیں اور بعد میں معلوم ہو کہ نماز کسی طرف میں ہوئی ہے جس طرف ہونا تھا۔ اس صورت میں سب کا
حکم ہے کہ نماز درست ہوئی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ مسلمان عین پرستش نہیں کرتے ورنہ اس صورت
میں خلاف صورت کا حکم ہوتا مگر یہ تعین جب کی وجہ حکمت ہے تو وہ پوری ہو گئی۔

الرحمٰن علی العرش استوی کے معنی عرش پر تجلی جمانیت ہوتی ہے یہ معنی
کہ نہیں کہ عرش پر خدا تعالیٰ بیٹھے ہیں اور وہ ان کا مکان ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ
مکان کو انسان کے ہر ہر یا کم از کم اس کے مقارب ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص زمین پر
بیٹھے اور اس کے نیچے رائی کا دانہ تک تو زمین کے خاص حصہ کو تو اس کا مکان کہا جائے
گا مگر کوئی شخص اس کا مکان نہ کہے گا کیونکہ انسان سے اس کو کچھ بھی نسبت نہیں پھر وہ
اس کا مکان کیونکر ہو سکتا ہے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ عرش حق تعالیٰ کا مکان نہیں
ہو سکتا کیونکہ عرش مخلوق ہے اور ذات خداوندی غیر محدود ہے تو محدود کی طرح غیر محدود کا مکان
نہیں ہو سکتا پس استوی علی العرش سے اس جگہ میں کہ حق تعالیٰ کی تجلی صفت رحمانیت کے
اعتبار سے اس پر وقوع ہے اسی لئے ہم علی العرش استوی فرمایا۔ اللہ علی العرش
استوی نہیں فرمایا کیونکہ عرش مخلوقات ہے اور اسم صفت سے معلوم ہوگیا کہ عرش
محل ذات نہیں بلکہ مظہر صفت ہے کہ اس کی تجلی جنت و کائنات سے زیادہ ہے تو یہ
استقبال قبلہ کا راز ہوا۔

"... اس لئے کہ ... عظمت و عبادت نہیں
لیکن چونکہ ... بیت اس کا مکان ہے اس لئے ... اس حقیقت
... فرمایا ایک بار آپ ... اس وقت کچھ لوگ دیہات کے
... جب آپ نے تقبیل ... تو ... کے ... اور ...
... قبلک
... ہے اور اگر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کئی بار ... نہ دیکھا ہوتا تو
میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا کیا خشک ... یہ ... مسلمانوں کا
معبود ہوتا تو کیا اس سے بھی خطاب کیا جاتا ... ہے؟

کل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس تقبیل و استلام کی علت ہے اور محبت کی وجہ یہ ہے کہ حضور نے اس کو بوسہ دیا ہے حضور کا بوسہ دینا اس کی وجہ کر ہو تو ہم کو اس جگہ سے محبت ہوگی۔ چونکہ وہ جگہ جہاں حضور کے ہاتھ لگے ہوں اور اس سے بڑھکر یہ کہ آپ کا دہن مبارک لگا ہو۔

ازمہ سوئے جاناں روزے رسیدہ باشد

باجاں توستانش دریم و عجب نباشد

رہا یہ امر کہ ہم کو اس سنگ سے کیا کام نہیں اور ہم کو اس کی وجہ سے کیا کام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نے بطور عبادت و خضوع کے وہ نہیں دیا اور نہ حضور کو اس سے کچھ کام تھا۔ اور نہ اس کو نفع و ضرر پہنچا سکتے تھے۔ حضور کے اس فرمانے سے کہ میں تجھ کو بوسہ دیتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے اس تقبیل کا منشاء عبادت ہونا نہیں اور تجربہ اس کا ہوا ہی دیتا ہے کہ ممکن ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے یہ کیفیت معلوم ہو جو دوسرے شخص پر بیت کے زیادہ ہونا منکشف ہو۔ پس مناسب تقبیل کا تعبد نہ ہونے سے تعلیمات الٰہیہ سے اور جس چیز کو محبوب کے ادنیٰ سے زیادہ تعلق ہو اس کا بوسہ دینا مقتضائے محبت ہے قال الشاعر

امر علی الدیار دیار لیلیٰ ۔۔۔ اقبل ذا الجدار وذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی ۔۔۔ ولکن حب من سکن الدیارا

اس بنا پر شارحین کا یہ بیان پیش آتا ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے حجر اسود کے متعلق یہ فرمایا تھا اس وقت حضرت علیؓ وہاں موجود تھے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ یہ پتھر قیامت کے دن یہ کہیں گے میں نے حضور سے سنا ہے کہ جو اس کو چومتے ہیں قیامت کے دن یہ ان کے واسطے گواہی دے گا

اس سے حجر کا ناطق ہونا معلوم ہوا اور یہ معارض ہے حضرت عمرؓ کے قول کے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ اگر حضرت علیؓ سے یہ قول بسند صحیح ثابت ہو تو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے قول میں تعارض کچھ نہیں بلکہ حضرت علیؓ کا قول حضرت عمرؓ کے قول کا مکمل ہے اور اس کی حقیقت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ کیونکہ جب حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا۔ کہ میں جانتا ہوں کہ تو نہ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر تو اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ پھر یہ تقبیل محض عبث ہے۔ اس میں کچھ نفع بھی نہیں اس کا کرنا فضول ہے۔ حضرت علیؓ نے اس شبہ کو رفع فرمایا اور بتلایا کہ حضرت عمرؓ نے ایک خاص نفع وضرر کی نفی فرمائی ہے۔ یعنی جو نفع وضرر معبود کا خاصہ ہے حجر اسود میں وہ نہیں ہے باقی مطلق نفع کی نفی مقصود نہیں۔

چنانچہ حجر میں ایک نفع ہے کہ وہ شاہد بنے گا قیامت میں اپنے بوسہ دینے والوں کے لئے۔ ظاہر ہے کہ شاہد کا درجہ حاکم سے کم ہوتا ہے۔ شاہد کے قبضہ میں نفع وضرر نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف واقعہ بیان کرتا ہے اب آگے حاکم کی رائے پر فیصلہ کا مدار ہے نفع وضرر دینے نہ دینے کا۔ حاکم اصل اور شاہد تابع ہوتا ہے پس حجر کا شاہد بننا خود اس کی عبادت کی نفی کرتا ہے۔

چنانچہ شاہد تو انسان بھی ہو سکتا ہے چنانچہ قیامت میں بہت سے انسان بھی شاہد ہوں گے پس حضرت عمرؓ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نفع وضرر تیرے قبضہ میں نہیں ہے اس سے تو شبہ عبادت کی نفی ہو گئی اور حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نفع تیرے اندر ہے جو مخلوق سے مخلوق کو پہونچا کرتا ہے یعنی شاہدیت اس سے لغویت تقبیل کی نفی ہو گئی خوب سمجھو۔

تکمیل توحید دوسری تکمیل توحید کی اسلام میں یہ ہے کہ تصویر کو حرام کر دیا گیا تصویر کا بنانا بھی حرام ہے۔ اور گھر میں رکھنا بھی حرام ہے حالانکہ تصویر قابل پرستش نہیں۔ نہ تو کفار تصویر کو پوجتے ہیں بلکہ وہ تو مجسم موتوں کو پوجتے ہیں۔ اس

وقت بھی کفار کی یہی حالت ہے اور اپنے مجددین و مسترشدین کا پرستش فرماتے ہیں اتباعدون ما لا تعلمون یہ نہیں فرماتے تعبدون ما تصورون مگر ہمارے اسلام نے شرک سے تو بچایا ہے کہ تصویر کو بھی حرام کر دیا۔ کیونکہ گو اس کی عبادت نہیں ہوتی مگر مقصد تو عبادت ہو سکتا ہے اس لئے حرام ہے کیونکہ جب تصویریں جانتے ہیں تو لوگ خدا کی عبادت کی طرح ان کی تصویریں بھی لاتے اور عادۃً تصویر کا قلب پر بھی موثر ہے جو صاحب تصویر کا معتقد ہے تو وہ تصویروں کی تعظیم بھی کرتے۔ پھر رفتہ رفتہ جہالت شرک میں مبتلا ہوتے چنانچہ پہلے زمانہ میں اسی سے شرک کی بنیاد قائم ہوئی۔

اللہ تصویر کا تو صاحب تصویر سے بڑا ہونا کا ہے کو ایک واقعہ آج کل سے کانپور میں ایک مسافر نے قصہ بیان کیا تھا کہ [illegible] کے ہمراہ سفر کے ایک قافلہ میں جس میں حاجی تھے ایک [illegible] حضرت زین العابدین علیہ السلام حتی کہ اللہ میاں کی بھی تصویر لائی تھی اس میں [illegible] سب سے بڑی امام حسین کی تصویر تھی۔ اگر کسی نے [illegible] کے بارے میں پوچھا ہے تو اس نے کہا کہ یہ حضرت قیامت تک کے لئے ہمارے [illegible] خاندان اہل بیت کا رواج ہے کہ ہر سال [illegible] لہٰذا ان کو جاؤ اور قتل کر دو۔ اس کے بعد [illegible] یہ حکم ہے [illegible] انہوں نے اپنے کو خلافت سے معزول کر کے حضرت معاویہ کو خلافت دیدی جس سے یزید کو خلافت پہونچ گئی۔ یہ سب انہی کا کیا دھرا ہے ان کو بھی قتل کر دو اس سے بعد حضرت علی کی تصاویر کئی کہ سائے قتل کر دیئے ہیں۔ انہوں نے خود کو حضرت معاویہ سے بڑھ کر۔ جس سے بنی کا خاندان اہل بیت کا دشمن ہو گیا۔ بقیہ رہتے تو کچھ بھی نہ بتاتے کو بھی حکم کر دو۔ پھر حضرت فاطمہ کی تصویر لائی گئی۔ کہا ان کو بھی اللہ جلے شانہ علیہ وسلم سے معلوم ہو چکا تھا کہ حسین کربلا میں شہید ہوں گے۔ انہوں نے اپنے بچانے سے دعا کی کہ میری اولاد میں تباہ نہ ہو ان کو بھی صاف

وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی تصویر ہیں کہا ہے یہ تو سب کچھ کر سکتے تھے ایک بات کرتے تو برائی کیا جاتی تھی جو اس بیت پر یہ بیت آتا پھر وہ کچھ ورد ہے جو تھا پ کی تصویر کے سے بھی وہی ہو۔ بے چارہ دیہاتی مسلمان یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور اس ہی دل میں اپنے دل کو تسلی دیتا رہا آخر سب کے بعد بہت بڑی تصویر بنائی گئی۔ مفتی نے پوچھا کہ یہ کون ہیں کہا یہ اللہ میاں ہیں مفتی صاحب نے کہا سارا دن تو ان کا ہے ان کو سب کچھ قدرت تھی مگر خود نے بت کاٹ تھ نہ دیا یزید یوں کا ساتھ دیا اور اہل بیت کو ان کے ہاتھ سے مروڈ ا پھرن کے واسطے بھی وہی حکم ہوا جو اوروں کے لئے ہوا تھا۔ اس وقت بے چارے مسلمان سے سائنسیہ وہ یہ سمجھا کہ اگر اللہ میاں نہ ہوئے تو بارش کون برسائیگا؟ روزی کون دیگا، جنت کون دیگا؟ بے چارہ غلبہ جوش میں اٹھ کر روڈ رے کے اس تصویر کو اٹھا کر لے بھاگا؟ بدقسمتی اس کے پیچھے پیچھے لاٹھیاں لے کر دوڑے یہ کون اجنبی ہماری محفل میں آ گیا مگر وہ دیہاتی مضبوط تھا۔ سیدھا بھاگا کہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ قریب ہی اہل حق کے دیہات تھے اس نے وہاں جاکر پکارا کہ مجھے بچاؤ لوگ جمع ہو گئے بہت سے جمع کو دیکھ کر لوٹ گئے اب لوگوں نے اس سے کہا تم تو کہتے تھے کہ تمہارے کتابوں میں کہاں جا پھنسا تھا۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے بچا لیا کہنے لگا وہ خدا مجھے کیا بچاتا۔ میں نے ہی خدا کو بچایا (توبہ توبہ) لوگوں نے کہا کم بخت یہ کیا بکتا ہے کہنے لگا دیکھو یہ خدا میرے ساتھ موجود ہے یہ لوگ ان کو قتل کرنے تھے میں اٹھا کر لے بھاگا اور ان کی جان بچائی۔ لوگ ہنسنے لگے اور اسے سمجھایا کہ بیوقوف یہ خدا نہیں ہے۔ یہ تو بنائی ہوئی تصویر ہے خدا کو بھلا کون دنیا میں دیکھ سکتا ہے اور وہ بے جان تھوڑا ہی ہے کہ نہ بولتا ہو نہ بات کرتا ہو پھر وہ کسی کے ہاتھ کیوں آنے لگا کس کی مجال ہے جو خدا تعالیٰ کو آنکھ بھر کر بھی دیکھ سکے۔ وہ دیہاتی بے چارہ جاہل تھا مگر تھا خدا کا محب۔ اس لئے وہ اس قول سے کہ میں نے خدا کو بچایا ہے کافر نہیں ہوا وہی قصہ ہو گیا جو شبان موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تھا اخلاص و محبت کی وجہ سے اس کی یہ جہالت معاف ہو گئی۔ اس قصہ سے آپ کو معلوم ہو

گیا ہوگا کہ تصویر کا اثر قلب پر کیا ہوتا ہے اسی لئے شریعت نے اس کو حرام کر دیا۔ مگر آج کل مسلمانوں کا کچھ ایسا مذاق بنا ہے کہ تصویر سے نفرت بھی جناب نہیں رہا۔ حتیٰ کہ مساجد کی کتابوں میں بھی تصویریں بننے لگیں جہاں وضو کا بیان ہے وہاں ایک تصویر آدمی کی اور لوٹے کی بنا دی ہے۔ گویا وہ بیٹھا ہوا وضو کر رہا ہے وعلیٰ ہذا۔ اگر یہی مذاق رہا تو چند دنوں کے بعد قرآن میں بھی تصویر ہونے لگے گی۔ جب مسلمانوں کی یہ حالت ہو تو غیر مسلم اسلام کو کیا جواب دیں گے ہم تو جواب بھی دیں گے کیونکہ اسلام میں تو ممانعت ہی ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں کے عمال کا ذمہ دار تھوڑا ہی ہے۔

نماز کی خوبی ایک خوبی اسلام کی یہ ہے کہ نماز کو کس خوب صورتی کے ساتھ شروع فرمایا ہے اس کی نظیر کوئی مذہب نہیں دکھا سکتا شروع سے لے کر آخر تک خدا کی حمد و ثنا تکبیر و تعظیم ہی ہے۔ کبھی رکوع ہے کبھی سجدہ، کبھی قیام ہے کبھی قعود گویا عاشق اپنے محبوب کی خوشامد کر رہا ہے نہ کسی طرف دیکھتا ہے نہ کسی سے بات کرتا ہے۔ کبھی محبوب کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہے کبھی بھکتا ہے کبھی پاؤں پڑتا ہے کبھی ادب سے بیٹھ کر عرض معروض کرتا ہے۔ غرض عجیب عبادت ہے۔

زکوٰۃ کی خوبی ایک خوبی اسلام میں یہ ہے کہ غرباء کے لئے امراء پر زکوٰۃ کو فرض فرمایا ہے دیانت میں صرف چالیسواں حصہ دینا پڑتا ہے اور کھیتی میں دسواں یا بیسواں حصہ یہ کسی مقدار ہے جس میں دینے والے پر کچھ بھی بار نہیں اور اگر پابندی سے سب دا کریں تو اہل اسلام کے تمام فقراء و مساکین کے لئے کافی ہے۔ کوئی بھی بھوکا ننگا نہ رہے مگر افسوس لوگ پابندی سے زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ پھر لطف یہ کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے۔ کمی نہیں آتی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بختگی کے ساتھ فرمایا ہے کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی آخرت کا ثواب تو ملے ہی گا۔ زکوٰۃ سے دنیا میں بھی مال بڑھتا ہے آفات سے محفوظ رہتا ہے چنانچہ تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے۔

حج کی خوبی

ہر ایک عبادت حج کی مقرر فرمائی جس کی بنا یہ ہے کہ چونکہ بدوں جان کے قائم نہیں رہ سکتا ہے دل پر بھی چرکہ لگانے کی ضرورت تھی اس لئے عشق و محبت کا چرکہ دل پر لگانے کے لئے یہ ایک عبادت ایسی بھی مشروع ہوئی جس میں ابتدا سے انتہا تک جنون عشق کی کیفیت مرتب ہے یعنی حج۔ حج یہ ہے کہ سب کچھ کر کے سب کچھ ظاہری ہی ہیں نہیں صاحب کمال پر طاری ہوتا ہے احرام کی کیفیت ایک کفن دوسرے کفن پر ختم ہوتا ہے کہ بادشاہ و غلام سب کے سب ایک سے ہیں۔ بال بکھرے ہوئے ہیں ناخن بڑھے ہوئے ہیں پریشان ہیں نہ دستکار سکتے ہیں، نہ ناخن کتر سکتے ہیں، نہ غسل ہو سکتے ہیں۔ کھانے پینے [illegible] پکا سکتے ہیں۔ جب حاجی مسک بکتے ہیں تو پتھر بھی تر ہو جاتا ہے۔ پھر جس کو یہ ہوتے ہیں درکنار خدا پر نظر پڑتی ہے تو نظر کے ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو ابل پڑتے ہیں۔ کیا سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ کوئی تو چیز ہے جو یوں بے تاب کرتی ہے۔ یہ وہ نامعلوم خوشی کا سا ہے یا غم کا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے حاجی صاحب نے رشید و فرید تھا کہ یہ وہ بے نام سی عشق کا ہے۔ جس کا ذکر ان اشعار میں ہے ؎

بلبل بہ گل کہ خوشہ چمن در منقار دشت
و اندر ہوائے نغمہ صد نالہ زار دشت
گفتش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست
گفت مارا جلوۂ معشوق در ایں کار داشت

غرض حج ایسی عجیب عبادت ہے کہ گر مکمل طریقہ سے ادا کیا جائے تو فنا فی اللہ ایک حج میں حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر بعضے حاجی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک مسافر مسجد میں پڑا سو رہا تھا کسی چور نے اس کا چادر کھینچا تو وہ کہتا ہے حاجی صاحب چادر نہ کھینچو۔ کسی نے کہا کہ تجھے اس کا حاجی ہونا کیسے معلوم ہوا کہ معلوم تو نہیں ہوا مگر ایسے کام حاجی ہی

کیا کرتا ہے۔ تو بعضے حاجی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حج سے پہلے تو وہ کچھ ڈھیلے منڈھے نیک بھلے تھے لوٹ کے بعد حلم کھا بدمعاش ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ حجر اسود کوئی ہے اس کو چھونے کے بعد انسان کا اصلی رنگ ظاہر ہو جاتا ہے جو حالت پہلے سے مخفی تھی وہ اب کھل جاتی ہے۔ اگر طبیعت میں نیکی تھی تو پہلے سے زیادہ نیک ہو جاتا ہے گر بدی تھی تو اب وہ بدی کھل جاتی ہے بہت لوگ ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں مگر کسوٹی پر لگانے سے کھرا کھوٹا معلوم ہو جاتا ہے ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی و بے غش باشد — اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد
خوش بود گر محک تجربہ آید میاں — تا سیہ روئی شود ہر کہ در غش باشد

شاید تم یہ کہو کہ اچھا ہم نے یہ بات ظاہر کر دی۔ اب تو ہم حج ہی کو نہ جائیں گے۔ نہیں صاحب! حج کو جاؤ مگر کسیر بنکر جاؤ اور میں تم کو اکسیر بننے کا طریقہ بھی بتلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کسی کیمیا گر سے تعلق پیدا کرو ؎

کیمیا نیست بجب بندگ پیر مغاں — خاک گشتہ و چند بن درجہ بر آرند

کیمیا گر سے یہ میری مراد یہ شکوفی باندھنے والے نہیں ہیں بلکہ باطن کے کیمیا گر مراد ہیں جن کو اہل اللہ کہتے ہیں ان کی شان یہ ہوتی ہے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد — فی الحال بصورت طلا شد

پارس ایک پتھر ہوتا ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ جہاں لوہے کو اس سے مس کیا فوراً سونا ہو جاتا ہے۔ اہل اللہ کی تو یہ خاصیت مشاہد ہے۔ پارس میں یہ بات ہو یا نہ ہو اہل اللہ کی صحبت سے تو یہ نصوح حاصل ہو جاتی ہے جس سے پہلی تمام گندگیاں دھل جاتی ہیں۔ پس تم کو چاہیئے کہ کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کر کے حج کو جاؤ اس کی صحبت سے تم کو توبۂ خالص عطا ہو گی۔ توبہ کر کے جاؤ گے تو پھر حج کا ثمرہ ہو گا کہ پہلے سے زیادہ تم کو اعمال صالحہ کی توفیق ہو گی۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ مرید ہو کر جاؤ۔ اس کی ضرورت نہیں

صرف تعلق محبت ورنہ چند روزہ صحبت کا ضرورت ہے۔

معاملات میں اسلام کا یہ حسن ہے کہ وہ ہر شعبہ زندگی کو ایک ترتیب دیتا ہے

حسن معاملہ چاہے مسلمان کو مسلمان سے یا کافر سے ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم بازار سے گذرے تو گیہوں کے ایک ڈھیر میں آپ نے ہاتھ ڈالا تو اندر گیہوں گیلے ہوئے تھے اور اوپر سوکھے ہوئے گیہوں تھے آپ نے فرمایا اس وقت آپ نے فرمایا اس غلہ میں ملاوٹ ہے اور اس شخص سے فرمایا کہ بھیگے ہوئے گیہوں اوپر کیوں نہیں کر دیتا تاکہ لوگوں کو دھوکہ نہ ہو۔ اسی طرح جن صورتوں سے معاملات میں خرابی پیدا ہوتی ہے ان کو سب کو ناجائز کر دیا۔ سود لینا دینا، اسی طرح سود دینا اور معاملہ حرام ہے یا کسی مجبور سے زیادہ نفع لینے والا جلد تباہ ہو جاتا ہے۔

حسن معاشرت [illegible] ضع کی تعلیم

اپنے کو سب سے برتر سمجھے۔ حتیٰ کہ جانوروں سے بھی برتر سمجھے کیونکہ اگر جانور کوئی غلط کام کرتا ہے تو اس کو ان سے افضل کہنے کا حق نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ خدا کے نزدیک جانور ہم سے بھی بہتر ہوں کیونکہ وہ غضب الٰہی سے محفوظ ہیں کیا اس تواضع کی نظیر کوئی پیش کر سکتا ہے الحمد للہ اسلام میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کا حال اوپر مذکور ہو چکا۔ بے اور جو لوگ آپ کے پیچھے، تب ہیں وہ بھی اسی مذاق کے ہوتے ہیں اور تواضع حسن معاشرت کی جڑ ہے۔ معاشرت میں خرابی اسی سے آتی ہے کہ ہر ایک اپنے کو بڑا سمجھتا ہوں اور ہم اپنے کو اور جب دونوں اپنے کو دوسرے سے برتر سمجھیں گے تو پھر نزاع کی نوبت ہی آئے گی اور اگر آئے گی بھی تو وہ حد سے متجاوز نہ ہوگی۔ آج کل لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں۔ ہمارے حاجی صاحب فرماتے تھے کہ نفاق کی جڑ تو ان لوگوں میں ہے نہیں محض باتوں سے اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ نفاق کی جڑ

تو اصل ہے۔ جو دوں توقع ہوں گے۔ ہاں میں یہ بات نہیں ہوتی ہیں ستہ درجہ میں توقع
کے کچھ تعلق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اتفاقی غیب کی بات ہے۔

اب حوالہ عبارت کی ہے۔ استفتاء کا مسئلہ متروک کیا گیا ہے کہ بدوں اجازت
واطلاع کے شوہر کی [illegible] بعد [illegible] اس کی پرورش ہوئی جب اپنے گھر کا
حکم ہے تو اسی طرح کا [illegible] ہے جب قرائن سے معلوم ہو کہ
مجلس خاص ہے [illegible] پوچھ لیا ہے [illegible] اس کی اجازت کے نہ نہ جانا۔

گو مکان مردانہ ہی ہو

اطلاق کی نوبت ہے [illegible] اسلام میں ہے کسی مذہب
میں بھی نہیں جاوبی [illegible] سے [illegible] حد بعض وہ پہنچ
سخت وعید میں [illegible] ہے کہ بے [illegible] کی [illegible] روز
معاف [illegible] سے زیادہ [illegible] اطلاع ہونے کے ساتھ [illegible] کوئی فیر
مسلم کر سکتا ہے [illegible] کے [illegible] کوئی [illegible] نہیں کرتا۔ بلکہ فسوس
یا تو اس قدر [illegible] کی [illegible] کرنے کے [illegible] پر [illegible] ہے [illegible]
[illegible] کہ [illegible] سے [illegible] کہ [illegible] کے باپ بھی [illegible] کے ساتھ ایسا
نہیں کر سکتے تھے۔ [illegible] کی [illegible] ہے کہ [illegible] کی جان [illegible] ہے کیونکہ
جب [illegible] مسلمانوں سے [illegible] کی [illegible] اور [illegible] سے ہزاروں لاکھوں آدمی
مسلمانوں کے [illegible] قیدیوں کو [illegible] کیا کرنا چاہیے ایک
صورت تو یہ ہے کہ ان سب کو مار ڈالا جائے۔ اس کا حاصل [illegible] ظاہر ہے کہ دشمن کی ہزار
لاکھوں کی قوت کو اپنے مقابلہ کے سے [illegible] کر دیا۔ ایک صورت یہ ہے کہ سب کو فوراً قتل کر دیا
جائے اگر اسلام میں [illegible] کیا جاتا تو مخالفین جتنا شور اس [illegible] پر کرتے ہیں اس سے
کہیں زیادہ اس وقت کرتے کہ دیکھئے کیسا سخت حکم ہے کہ قیدیوں کو فوراً قتل کر دیا جائے

ہوتا ہے تو آقا خود چاہتا ہے کہ میرا غلام معزز ہو۔ وہ اس کو عزت بھی دلاتا ہے
صنعت و حرفت بھی سکھاتا ہے۔

چنانچہ عرب میں علماء و اہل علم جاہلیت کے ہوتے ہیں جو غلام تھے۔ غلاموں
کے طبقے نے تمام علوم میں ترقی کی۔ بعد غلام ہونے کے بعض کو ریاست بھی نصیب ہوئی
سلطان محمود غزنوی کے غلام ایاز نے تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا۔ چنگیز خاں
کے ایک غلام سے ایک واقعہ سنا ہے۔ وہ صدی سلطنت کا بانی ہوا۔ ہلاکو اور بہت سے
علماء کے نام غلاموں کی فہرست میں ملتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی غلام بہت سے
بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ قطب الدین ایبک غلام تھا۔ التمش غلام تھا
ہوشیار تھا اس کو آزاد کر کے سلطنت کا وارث بنا گئے۔ بلبن بھی جب وہ تعلیم
سے فارغ ہوا تو اس کو حکومت کے عہدے ملتے گئے۔ اسکو ایک بڑے ملک
کا صوبہ بنا دیا۔ وہ بھی حیثیت اس وقت وہ تھی جو آجکل کسی بڑے ملک ریاست کی ہوتی ہے
جس وقت سلطان نے اس کو تخت پر بٹھایا تو وہ سلام
کرنے کا سلطان نے فرمایا کہ یہ تاج جو تمہارے سر پر ہے اس کی جہاں پناہ
اس تخت پر بیٹھنے کی عزت اور اختیار جو تم کو ملا ہے یہ سب
جس وقت میں ہندوستان میں تھا تو آپ کی عظمت کی خبریں سن سن کر سندھ
کانپتے تھے اور ان کی عورتیں اپنے بچوں کو آپ کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں جیسا ہمارے
ڈرایا کرتی ہیں۔ میری ماں بھی مجھے اسی طرح آپ کے نام سے ڈرایا کرتی تھی۔ تو میں سمجھتا تھا
کہ نہ معلوم کیسا ہی بڑا بھوت ہے کہ آپ نے خود ہمارے ملک پر حملہ کیا اور اس لئے
آپ کا مقابلہ جو ہمارے یہاں موجود تھا اس وقت تک میں آپ کے نام سے ڈرتا تھا
پھر جب آپ کے ہاتھ قید ہوا تو میری جان ہی نکل گئی کہ اب نہ جانے کیا ہو۔ مگر آپ نے ہندوؤں
کی روایات کے خلاف میرے ساتھ ایسا برتاؤ فرمایا کہ آج میرے سر پر ان سلطنت رکھ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مہذب ہوگئیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کا قصہ ایک یہودی کے ساتھ پیش آیا۔ یہودی کے پاس ایک زرہ تھی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ زرہ میری ہے یہودی نے کہا میری ہے حضرت علیؓ اس وقت خلیفہ تھے آپ نے اپنے وقت قاضی کے یہاں جن کا نام شریح ہے۔ دعویٰ دائر کیا۔ قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا جس کی شان یہ ہے کہ سلطان وقت مدعی ہے اور رعایا کا ایک یہودی مدعی علیہ ہے۔ قاضی نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ ثبوت پیش کیجئے۔ حضرت علیؓ نے گواہی میں اپنا ایک آزاد کردہ غلام قنبر پیش کیا اور دوسرا گواہ امام حسنؓ پیش کیا۔ قاضی نے فرمایا کہ قنبر کی گواہی تو معتبر ہے کیونکہ وہ آزاد کردہ غلام ہے مگر امام حسنؓ کی گواہی قبول نہیں ہے کیونکہ وہ آپ کے بیٹے ہیں اور باپ کی طرفداری میں بیٹے کی گواہی قبول نہیں ہو سکتی۔ اس مسئلہ میں حضرت علیؓ و قاضی شریح کی رائے میں اختلاف تھا۔ حضرت علیؓ بیٹے کی گواہی کو جبکہ وہ دیندار ثقہ ہو جائز سمجھتے تھے اور حضرت شریحؒ کسی حال میں جائز نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے امام حسنؓ کی گواہی نہیں کی اور یہودی کی ڈگری کر دی۔

حضرت علیؓ کو یہ فیصلہ ذرا بھی ناگوار نہ ہوا۔ خوش خوش عدالت سے باہر چلے آئے مگر یہودی کو اس فیصلہ پر ایسا تعجب ہوا کہ وہ بدون اسلام قبول کئے نہ رہ سکا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ خلیفہ کا قاضی خلیفہ کو ہرا دے اور رعایا کے یہودی کو اس کے مقابلہ میں جتا دے۔

عجیب بات ہے۔ آخر حقانیت اسلام نے اس کے دل پر اثر کیا فوراً مسلمان ہوگیا بھلا معترضین سے کوئی پوچھے کہ اس یہودی کو کس طور نے مسلمان کیا تھا کچھ نہیں صرف صحابہ کا طرز عمل دیکھ کر اسلام کی طرف اسے کشش ہوئی۔ واللہ اگر ہم لوگ اپنی اصلاح کر لیں تو کفار کی خود بخود اصلاح ہو جائیگی۔ حضرات صحابہ کی تو بڑی شان ہے ہم لوگ جو ان کے سامنے محض نقال ہیں بلکہ نقل بھی پوری نہیں ہوتی۔ ہم یورپ کے سفر میں بارہا اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہندو ڈاکٹر پرہیزی باتوں کا اور طرز عمل کا جو اثر ہوتا ہے اور وہ خود بھی چکھ چکے ہیں اقرار کرتے ہیں کہ ان

کیطرف اس کو نشست ہوتی ہے۔ یہ لوگ سچے معذور ہوتے ہیں۔ چنانچہ چند حالات اس قسم کے اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔

لوگ اسلام کو بدنام کرتے ہیں کہ وہ تلوار سے پھیلا ہے وہ قطعاً باطل غلط ہے۔ اگر مسلمان تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بناتے تو آج ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کی سلطنت چھ سو برس تک رہی ہے ایک بھی ہندو باقی نہ رہتا۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب اس اعتراض کے متعلق یہ ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو یہ بتلاؤ کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آتے تھے؟ کیونکہ تلوار خود تو نہیں چل سکتی تو جن لوگوں نے سب سے پہلے تلوار چلائی ہے یقیناً وہ تو تلوار سے مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ ان سے پہلے تلوار کا چلانے والا کوئی تھا ہی نہیں۔ تو ثابت ہو گیا کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جب مدینہ میں ہجرت شروع ہوئی اور اہل مدینہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی زیادہ تر مسلمان ہو چکے تھے۔ آخر انہوں کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا اور مکہ میں جو کئی سو آدمی مسلمان ہوئے اور کفار کے ہاتھ سے اذیتیں برداشت کرتے رہے وہ کس تلوار سے مسلمان ہوئے تھے۔

پھر ہجرت مدینہ سے پہلے بعض صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ہے اور وہاں کفار قریش کے ساتھ مسلمانوں کا مناظرہ ہوا اور نجاشی شاہ حبشہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کی زبان سے قرآن سنکر بے تحاشا رونا شروع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کی گواہی دی اور اسلام قبول کیا۔ اس پر کس کی تلوار چلی تھی۔ اسی طرح صدہا واقعات تاریخ میں موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ اسلام محض اپنی حقانیت سے پھیلا ہے۔ خصوصاً عرب کی قوم جو جنگ جوئی میں شہرۂ آفاق ہے وہ کبھی اور کسی طرح تلوار کے خوف سے اسلام قبول نہ کر سکتی تھی۔ ان کے نزدیک مرنا مارنا معمولی بات تھی مگر دب کر دین کا بدلنا سخت عیب تھا اور وہ ہرگز تلوار کے خوف سے اسلام نہیں لا سکتے تھے (اجماع)

سبب شروع جہاد

[illegible] جہاد کس لیے مشروع ہوا؟ تو جواب [illegible] کفر اشاعت [illegible] کے [illegible] ہے غلطی [illegible] جہاد [illegible] ہوتے ہیں ایک [illegible] ذریعہ [illegible] اپریشن کیا [illegible] اسلام [illegible] کے ہیں [illegible] صلح کرے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں [illegible] مفید ہوتے ہیں کہ صلح پر [illegible] یہ مقصد ہے [illegible] کے واسطے پرکشن کی ضرورت ہے [illegible] جہاد سے [illegible] مقصود نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے۔

لوگ عالمگیر رحمہ اللہ علیہ کو بدنام کرتے ہیں کہ ہوں نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کیا ہے، یہ بالکل غلط ہے، وہ متدین بہت بڑے عالم تھے، بارہ ہزار تک حدیث کے حافظ تھے، قرآن لکھ لکھ کر ہدیہ کرتے تھے، اپنے خرچ میں خزانہ کا ایک پیسہ نہ لاتے تھے، ان کے سامنے کوئی [illegible] دین کا حکم موجود تھا وہ اس کے خلاف [illegible]

[illegible] کے متعلق [illegible] جو بعض متعصب انگریزوں نے لکھی ہیں کیونکہ ہم تو مسلمانوں میں بھی ہر ہر شخص کو معتبر نہیں سمجھتے جب تک وہ شرعی قواعد کے رو سے ثقہ نہ ہو پھر مخالفین کی تاریخوں کو ہم کیسے حجت تسلیم کر سکتے ہیں۔ یہ [illegible] بعض مستقل رسالوں میں شائع بھی ہو گیا ہے ۱۲ جامع۔

کہ کر رہ گئے تھے یہ تو پہلے وقت تھے ان سے قطع نظر کر کے میں پوچھتا ہوں کہ چھ سو وقت جو لوگ ہندوستان میں اسلام لاتے ہیں وہ کیوں مسلمان ہوتے ہیں۔ ان پر کون سی تلوار لٹک رہی ہے یقیناً اس وقت کسی طرح بھی ان پر زور نہیں ہے بلکہ ہر طرح آزادی ہے۔ نہ ہم ان کو کسی طرح کی امید دلاتے ہیں مسلمانوں کے پاس تو ہاں ہی نہیں جو وہ طمع دلا کر کسی کو مسلمان کریں بلکہ حالت یہ ہے کہ آج کل کوئی شخص اسلام لایا تو کل کو اس سے بھی اپنی باتوں میں چندہ مانگتے ہیں اور اگر کوئی شخص اسلام لاتے وقت ہم سے روپیہ کی درخواست کرے تو ہم صاف کہہ دیتے ہیں کہ تم اپنی نجات کے واسطے اسلام لاتے ہو تو لاؤ ورنہ ہم کو اس کے ساتھ مسلمان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو دولت ہم تم کو دے رہے ہیں اس کے مقابلہ میں تو اگر تو خود ہی کو نذرانہ دے تو مجا ہے۔ لیکن باوجود اس آزادی اور استغناء کے پھر بھی بہت لوگ اسلام لاتے ہیں اور لا رہے ہیں اور اسلام لاتے ہی ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ گویا کھویا ہوا محبوب ان کو مل گیا۔

ایک ہندو اسلام لانے کے بعد خدا کی محبت اور اس کی یاد میں اس قدر رو رہا تھا جس کا بیان نہیں اور کہتا تھا کہ مجھ کو تو اب معلوم ہوا کہ خدا کسے کہتے ہیں۔

اختتام غرض اس کی عجیب حالت تھی یہ ہیں محاسن اسلام جن کو میں نے مختصر بیان کر دیا ہے۔ یہ موٹی موٹی باتیں ہیں۔ ان کو تبلیغ کے وقت بیان کرو اور اگر کوئی فلسفی زیادہ سمجھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کی ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے یا حکم دیا ہے اور آپ خدا کے رسول ہیں اور آپ کی رسالت وصدق دلائل سے ثابت ہے۔ اگر تم کو حضور کی رسالت میں شبہ ہے تو ہم اس کو دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں۔ جب آپ کی رسالت ثابت ہو جائے گی تو آپ کے سارے احکام کو تسلیم کرنا لازم ہوگا اور منجملہ ان کے ایک یہ حکم ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ میرے دین سے سب ادیان منسوخ ہو گئے ہیں اب اسلام کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ بس فلسفیوں کو اس

سے زیادہ کچھ نہ کہا جائے اس کے بعد کوئی منصف مزاج کے سامنے یہ محاسن بھی بیان کر لیے جائیں۔ ایک بات تو ہماری محسن اسلام ہے یہ ہے کہ ہر مذہب کا پورا نشر اس کے خواص متبعین میں ہو تو ہے پس خواص اہل اسلام اہل اللہ اور علماء متقین کا موازنہ دوسرے مذاہب کے خواص سے کر لیا جائے تو دونوں کے پاس ایک دو ہفتہ رہ کر ان کی حالت کو دیکھ لیا جائے۔ دونوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ خواص اہل اسلام تمام دنیا کے مذہب کے خواص سے افضل ہو سکے۔ عبادت خداوندی، محبت ہی، ذکر و فکر حقیقت و رغبت آخرت کا جو ثمرہ ان میں غالب ہوگا کسی مذہب کے خواص میں اس کا پتہ بھی نہ ملے گا۔ اس وقت فضیلت دونوں میں کھلم ہوا فرق نظر آئیگا۔ یہ ہیں۔ تو ایسی آسان جو بتلادی جس سے ہر شخص جو دیکھنا چاہیں معیار کر سکتا ہے۔ یہ ہیں محاسن اسلام ان کی تبلیغ کرو اور اس وعظ کا نام بھی مضامین کی مناسبت سے محاسن اسلام ہی رکھا ہوں۔ اب حتم کرتا ہوں بس دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو بہ سلم معارف و علوم کی تبلیغ کی توفیق دے اور جو مسلمان فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہو گئے ہیں ان کو دوبارہ اسلام کی طرف پھیر دے اور جن پر خطرہ ہو خدا ان کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

احسان الاسلام

سے موسوم

اسلام کے منافع

یہ وعظ حضرت حکیم الامت تھانوی صاحبؒ نے جامع مسجد کانپور میں ۱۰ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ بروز جمعہ کھڑے ہو کر بیان فرمایا جو دو گھنٹے پچاس منٹ تک جاری رہا سامعین کی تعداد ایک لاکھ تھی۔

مولوی احمد عبدالحلیم صاحب مرحوم نے قلمبند فرمایا۔

خدا کی قسم حسن یوسف، بہجت، محبت بخش و مصر کی رعایت کرنے والا ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اس کی تعریف کر سکوں۔

قلم بشکن، سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم در کش
حسن ایں قصہ عشق ست در دفتر نمی گنجد۔

(حکیم الامت حضرت تھانوی صاحب)

عمر فاروق@ڈان ڈاٹ کام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ
و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا
و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل
لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ
الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا
و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
و علیٰ آلہ و صحبہ و بارک وسلم اما بعد نعوذ
باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند
ربہ و لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون ۝

ہاں جو شخص بھی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے
اور وہ نیکی بھی کرتا ہو تو ایسے شخص کو اس کا اجر اس کے پروردگار
کے پاس پہنچ کر رہے گا ایسے لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں ہے اور
نہ ایسے لوگ مغموم ہونے والے ہیں۔

تمہید یہ ایک آیت ہے کہ جس کے اول میں رد ہے بعض مدعین کے ایک غلط دعوے کا اور بعد میں دلیل رد کے مقام پر ایک قاعدہ کلیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ نے ایک نہایت ضروری مضمون ذکر فرمایا ہے جو جامع ہے تمام مشرب و مسلک حق کا کہ جس کے بہت سے فروع (شاخیں شعبے) ہیں اور وہ ایسا ہے جس کے اہمال (مطلب چھوڑنا) سے ہم لوگوں کی تمام حالتیں تباہ و برباد ہو رہی ہیں جس کے اسباب مختلف عنوانوں سے بیان کیے جاتے ہیں مگر حقیقت میں اس تباہی و بربادی کا اصلی سبب اس قاعدہ کلیہ کا چھوڑ دینا ہے۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے ہر چند کہ رد اور قاعدہ کلیہ دونوں میں یہاں زیادہ فائدہ رد ہے مگر وہ قاعدہ کلیہ جو کہ رد کے لیے بھی کافی ہے اور نیز ہماری حالتوں کی اصلاح بھی اس سے وابستہ ہے چونکہ وہ متضمن (ضمن میں لینے والا) وہ فائدہ کو ہے اس لیے اس وقت بیان میں وہ ہی زیادہ مقصود ہے اور وہ قاعدہ کلیہ کہ جس پر رد ہے ہماری فلاح کا اور جس سے غافل رہنے کی وجہ سے ہماری خرابی اور تباہی بڑھتی جاتی ہے اور نہایت ضروری ہے وہ تعبیر میں تو بہت چھوٹی سی بات ہے مگر حقیقت میں بہت بڑی بات ہے اور اس امر ضروری کا نام جس کا تکفل (ذمہ لینا) اس قاعدہ نے کیا ہے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنا ہے۔

اب ان لفظوں کی حقیقت پر جب تک زیادہ غور نہ کیا جاوے یہ سمجھ میں نہ آوے گا کہ ہم نے اس قاعدہ کو چھوڑ رکھا ہے اس واسطے کہ ہر شخص یہی جانتا ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے مگر یہ امر غور طلب ہے کہ آیا آپ کو خدا سے تعلق ہے یا خدا کو آپ سے تعلق ہے بس یہ ہے سمجھ لینے کی بات، سو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدا کو تو

سے تعلق ہے اور نہ ہی خدا سے تعلق نہیں ہے اس کے وجود یا عدم وجود سے ہمیں کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچتا ہے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے ایسی صورت میں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس کا وجود ہے اور ہمارا اس سے تعلق ہے؟

مسلک اہلسنت

حکمت نے اس مسئلہ کی حقیقت کو جب سمجھا ہے تو ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہمارا کوئی حق خدا پر واجب نہیں ہے جو کچھ وہ ہمیں دیتا ہے محض رحمت اور فضل و عنایت سے۔ متکلمین نے اس مسئلہ میں اہل سنت کا خلاف کیا ہے خدا جانے کیا سمجھے کہ ہمارے حق خدا پر واجب ہے وجوب کا کوئی سبب ہونا چاہیے یہ طاعت و عبادت سے ہوگیا اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ سے کچھ نہیں سمجھا اگر کوئی سبب یا علت ہو تو وہ بھی انہیں کی سب ہو بھی ہم مستحق نہیں ہو سکتے وہ کہتے ہیں عبادت سے خدا پر حجت قائم ہو جاتی ہے اور وجوب عقلی کے قائل ہیں مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ سبب جو قائم کرتا ہے اتنی سی بات کے کہ یہ سبب بھی انہیں کا دیا ہوا ہے مگر ہم میں کچھ خاصیت سبب ہے تو اس کا یہ ثمر موقوف ہے اس کے مقبول ہونے پر جو مقبول ہو تو درخور رحمت ہے کہ ان اعمال پر مؤاخذہ نہ ہو۔ لطیف مزاج شخص اندازہ کرے کہ ایک بد سابقہ خدمت گار ہے۔ پنکھا جھلتے وقت کبھی مار دیتا ہے کبھی کسی کاغذ کو پریشان کر دیتا ہے غرض ایک دھم پچ رہا ہے اور آقا حلم و کرم سے معاف کر دیتا ہے تو یہ اس خدمت گار کا اپنی اس بیہودہ گزاری کو قابل انعام سمجھنا کیسا ہوگا ؎

خواجہ پندارد کہ ردِ حاصلے　　حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

(خواجہ سمجھتا ہے کہ اس کو کچھ حاصل ہے اس کو بجز پندار کے کچھ حاصل نہیں وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بڑی خدمت کی۔ ارے کمبخت کیا خدمت کی، یہ تو

کا احسان ہے کہ وہ کرم کرتا ہے، اور بڑی عنایت ہے کہ جرمانہ نہیں کرتا، اسی طرح ہماری عبادت ہے کہ ہم اس کا پورا پورا حق تو کیا ادا کرتے کہ محال ہے مگر جتنا سنوار کر ہم کر سکتے ہیں وہ بھی تو نہیں کرتے۔

حضورِ قلب کی حقیقت کیوں صاحبو! کیا اپنی نماز کی حالت آپ درست نہیں کر سکتے؟ کیا آپ قادر نہیں خشوع و حضورِ قلب پڑا اگر کوئی کہے کہ ہم تو قادر نہیں تو ہم کہیں گے تم حضورِ قلب کی حقیقت ہی نہیں جانتے۔ حضورِ قلب کی حقیقت یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت یہ خیال ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں کیا صاحبو! یہ آپ سے نہیں ہو سکتا باقی خیالات و وساوس کا بند کرنا حضورِ قلب نہیں ہے بلکہ یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ خیالات کو روکنا اختیار سے باہر ہے اگر حضورِ قلب کی یہ حقیقت ہوتی اس سے یہ عقیدہ کی خرابی ہو گی کہ یہ تو ہمارے اختیار سے باہر اور پھر ہم اس کے مکلف تو گویا ہم کو ایسی چیز کی تکلیف دی گئی کہ ہماری قدرت سے باہر ہے اور یہ سراسر خلاف ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے کہ کسی ایسی بات کا خدا نے حکم نہیں کیا جو قدرت سے خارج ہو، سو اگر حضورِ قلب کے ایسے معنے ہیں جو قدرت سے خارج ہے تو اس کا مامور بہ ہونا اس آیت کے معارض ہو گا پس حضورِ قلب کی حقیقت اتنی ہے کہ اس قدر متوجہ رہو کہ میں کیا کر رہا ہوں، پھر اگر اس خیال کے ساتھ اور خیال بھی آویں تو آنے دو۔ آپ کا کام یہ ہے کہ کشتی کی سیدھ باندھ لیجئے باقی موجوں کا روکنا کشتبان کا کام نہیں بلکہ گردہ اس کی کوشش بھی کرے تو کشتی کا ساحل پر پہنچنا تو درکنار سلامتی بھی دشوار ہے۔ اس طرح خیالات و وساوس امواج ہیں یہ قیامت تک بند نہیں ہو سکتے آتے ہیں آنے دیجئے امواج کشتی کی رفتار کو روکتی ہیں مگر کھڑ

نہیں کر سکتیں۔ اسی طرح خیالات وساوس آنے میں آنے دیجئے یہ حضورِ قلب کے منافی نہیں بس آپ کا کام اتنا ہی ہے کہ آپ برابر یہ خیال رکھئے کہ نماز پڑھ رہا ہوں اب سبحان ربی العظیم کہہ رہا ہوں۔ اب سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہا ہوں غرض جو فعل کیجئے اپنے قصد اور اپنے ارادہ سے کیجئے اس طرح نہیں کہ گھڑی میں ایک دفعہ کوک دیدی اب وہ برابر چل رہی ہے ہماری کوک تکبیر تحریمہ ہے ادھر تکبیر تحریمہ کہی اور بس بے فکر ہو گئے اب تمام حساب وکتاب اور تمام معاملات نماز ہی میں طے ہو رہے ہیں۔ ان حرکات کی عادت اور مشق ہو گئی ہے اس لیے جب رکوع کا وقت آتا ہے خود بخود رکوع ہو جاتا ہے۔ جب سجدہ کا وقت آتا ہے تو خود بخود سجدہ ہو جاتا ہے اس میں ہمارے قصد کو دخل ہی نہیں ہوتا۔

حضورِ قلب کی ایک نہایت آسان مثال ہے وہ یہ ہے کہ کسی حافظ صاحب کو کوئی سورت کچی ہو اور تراویح میں سنانا ہو تو وہ کیا کریں گے یہ کریں گے کہ دن بھر دیکھنے کے بعد رات کو جس وقت وہ سورت آئے گی برابر سوچتا رہے گا کہ اب ان مقام پر قال فرعون آیا ہے اور اب ان مقام پر قال موسیٰ آیا ہے غرض برابر دھیان اپنے پڑھنے کی طرف رہے گا اور خیالات بھی آتے رہیں گے یہاں تک کہ اول سے آخر تک وہ سورت سنا دے گا۔ تو جیسی توجہ حافظ صاحب کو اس کچی سورت سنانے کے وقت ہوتی ہے بس یہی حضورِ قلب ہے۔ اگر حضورِ قلب قدرت سے خارج ہے تو حافظ صاحب کو کیونکر ہوا؟ اس سے معلوم ہوا کہ قدرت سے خارج نہیں۔ اور یہ سخت غلطی ہے کہ قدرت سے خارج سمجھ لیا ہے اور عوام کیا بہت سے اہلِ علم بھی ایسا ہی سمجھ رہے ہیں۔ ان حضرات کو ساری وجہ غلطی کی یہ ہے کہ ہمارے دین میں کوئی کتاب

یسی نہیں جس میں یہ حقائق مذکور ہوں ہیں حکایتیں دیکھ لیں سُن لیں کہ نماز میں تیر لگا اور خبر نہ ہوئی اور سی کو حضور قلب سمجھ گئے حالانکہ یہ ایک طرح کی حالت ہے وہی اور حضورِ قلب وہی ہے جو میں نے بیان کیا

حضورِ قلب اختیاری ہے

اس تقریر سے حضورِ قلب کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی خصوص اس مثال سے تو کوئی شبہ باقی نہ رہا ہوگا جو بات دفتر سے حل نہ ہوتی وہ اس مثال سے واضح ہوگئی۔ جب حقیقت اس کی یہ ہے تو اختیاری ہے چنانچہ قرآن میں جہاں بھولنے کا شبہ ہو ہر شخص سوچ سوچ کر پڑھتا ہے چنانچہ حافظ جی رات کو غلط کہہ کے سورۃ ختم کرتے ہیں تو ان کو حضورِ قلب کیسے حاصل ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے اختیار میں ہے جب تو حاصل ہو جاتا ہے اب بتلایئے کہ آپ نماز میں کتنا حضورِ قلب کرتے ہیں پورا تو کیا جتنا کر سکتے ہیں اتنا بھی نہیں کرتے اور گر پورا کر بھی لیا تو بھی خدا پر کوئی حق عائد نہیں ہوا۔ اس واسطے کہ یہ کیفیت جو میسر ہوئی کدھر سے میسر ہوئی یہ بھی تو انہیں کا عطیہ ہے ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست ۔۔۔ تو دادی ہمہ چیز دمن چیز تست

(میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں دیا یہ سب آپ کا عطیہ ہے میری کیا حقیقت ہے) تو جب نماز بھی خدا کی پھر اس سے ہمارا حق جنت میں کدھر سے ہوگیا اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی نے کسی کو ایک برتن دے دیا اب وہ شخص یہ سمجھے کہ برتن دینے والا قرضدار ہوگیا کیونکہ اس نے برتن دیا ہے تو کھانا بھی اس کے ذمہ قرض ہوگیا اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے کہ کرتے کا بھی میں ہی مستحق ہوں کہ آپ کا دیا ہوا پاجامہ پہنے ہوں۔ بہرحال یہ سب انہیں

کا ہے پھر ہمارا کیا استحقاق جو ہمارا ہم پڑھتے ہیں وہ بھی خدا کہنے ہمیں دی ہے تو بس کیا اس سے خدا ہمارا قرضہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے اہلسنت کو اس غلطی سے محفوظ رکھا ہے اس واسطے کہ جن اسباب میں استحقاق کی صلاحیت ہے وہ سب بھی تو انہیں کے ہیں کوئی شخص اپنے غلام کو سرمایہ دیتا ہے کہ یہ لے کر تجارت کرو اس میں جو نفع ہو آدھا ہمارا آدھا تمہارا اور سرمایہ سب ہمارا یہ محض لیاقت و سلیقہ سکھلانے کے لیے لیا کرتا ہے کہ کسی طرح غلام کو اس لائق میں تجارت آجاوے ورنہ سارا نفع و سرمایہ آقا ہی کا ہے اسی طرح ہم نے جو نماز روزہ کیا اس کی توفیق ہمیں انہیں نے دی نفع بھی ان کا سرمایہ بھی ان کا مگر ہمارے خوش کرنے کو کہہ دیا کہ تمہارا ہے۔

حق تعالیٰ کی عنایتیں

غرض حق تعالیٰ کا حق نہیں مگر اس پر بھی کیسی عنایتیں کی ہیں کہ آپ بل حقوق کی بھی اتنی رعایت نہیں کر سکتے غرض ان کے ذمہ تو کوئی حق نہ تھا اور وہ دے رہے ہیں۔ دیتے پر ان کے بیشمار حقوق ہیں اور پھر بھی آپ ان کی عظمت کے موافق تو کیا اتنا بھی نہیں کرتے جتنا اپنے مجازی آقا کا کرتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو تنخواہ ہم کو ملتی ہے وہ اس قدر ہے کہ اندازہ نہیں ہو سکتا اور وہ تنخواہ کیا ہے ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک شخص کے آنکھ نہیں ڈاکٹر کہتا ہے کہ کسی کی آنکھ نکال کر لگا دی جائے گی کسی غریب فاقہ زدہ سے کہا کہ پانچسو روپیہ لے لو ایک آنکھ بیچ ڈالو وہ کہتا ہے آنکھ بھلا اتنی کم قیمت میں بیچ ڈالوں بھلا کم از کم ایک لاکھ تو ایک کی قیمت ہو مگر ضرورت ہے تو ایک لاکھ میں اس کی آنکھ لی جائے گی اسی طرح تمام اعضائے بدن کی قیمت جوڑ توڑ کر دو کروڑوں روپیہ ہر وقت ہمارے پاس ہے تو یہ دولت تو ظاہری ہمارے پاس ہے۔

اور اگر دولت باطنی کو ایک جا سے تو اس کی قیمت کی تو انتہا ہی نہیں یک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نئے شہر میں گذرے ہوا دن میں دیکھا کہ شہر پناہ کا پھاٹک بند ہے لوگوں سے دریافت کیا کیوں بند ہے معلوم ہوا کہ بادشاہ کا شکاری باز اڑ گیا ہے تو بادشاہ نے شہر پناہ کے پھاٹک بند کرا دیئے ہیں تاکہ وہ باز شہر سے باہر نہ نکل جاوے۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا وہ پھاٹک سے کیوں جانے لگا اوپر سے اڑ کر جا سکتا ہے بادشاہ بڑا ہی احمق ہے حق تعالیٰ سے نماز میں عرض کیا کہ ایسے احمق کو سلطنت دے دی اور ہم ایسے عاقل جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں یہ مقام ادلال و ناز کا ہوتا ہے اہل حال کو زیبا ہے اگر کوئی دوسرا عرض کرنے لگے تو دیکھو کبھی جوتیاں نہ رنگ جائیں۔

جواب میں ارشاد ہوا کہ تمہاری عقل و تدبیر و رفقہ اس کو اور اس کی حماقت و سلطنت تم کو دے دوں تم راضی ہو پھر تو معذرت کرنے لگے کہ میں قیامت تک بھی اس کو گوارا نہ کروں گا۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ۔۔۔ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو اپنی قیمت دونوں جہان بیان کی ہے نرخ بڑھا کہ ابھی تک ارزانی ہے یہ انسان کی قیمت ہے پھر کہتا ہے میں مفلس ہوں۔ افسوس تم نے اپنی قدر و قیمت خود نہیں سمجھی ادھر سے تو اس قدر عطا ہے کہ جس کا حد و حساب نہیں ان تنخواہوں کے بعد اگر اوسط لگائیے تو ادنیٰ درجہ ایک لاکھ ماہوار تو ضرور پڑتا ہے تو جب حق تعالیٰ ایک لاکھ ماہوار دیتے ہیں اور دوسرا پچاس روپے ماہوار دیتا ہے تو جو نسبت تنخواہوں میں ہے وہی نسبت حقوق کے ادا کرنے میں ہونا چاہیئے اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ آپ آقا کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے حقوق کتنے ادا کرتے ہیں آقا کے برابر تو کیا اس سے دسواں بیسواں حصہ بھی تو ادا نہیں کرتے اور حقوق

جانے دیجئے ذرا سا فرض یہ نماز ہے ایک منٹ میں ایک رکعت بخوبی ہو جاتی ہے شب و روز کے دس بارہ گھنٹے ہیں بیشتر ہوتی ہیں درسگاہیں، دلچسپیاں ہیں سب ملا کر تیس چالیس ہوتی ہیں ہیں نہیں منٹ ہوتے ہیں وضو کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ قابل شمار ہیں حضرت منہ ہاتھ دھونا اس میں شامل ہے یا احسان ہے وہ جو بے نمازی بھی دھوتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ ہم یوں منہ ہاتھ نہ دھوتے محض دنیوی وجہ سے دھوتے ہیں تو ایسے محل سے ہمارا خطاب نہیں ہم نے ایسے بھی دیکھے کہ مفتوں منہ ہاتھ نہیں دھوتے کسی روز حاکم آگیا تو منہ ہاتھ دھو لیا تو ایسے منحوسوں سے خطاب کون کرے ہاں وضو میں تو ہی نیت سے صفائی اور تمیز اعضا کے خیال سے یوں بھی منہ ہاتھ یاں دھوتے ہیں تو وضو میں تو کوئی کلفت سی نہیں جو اس کو شمار کیا جائے ہاں نماز میں ہے تو نماز میں خود حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور بیشک نماز دشوار ہے مگر ان کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں وہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور بیشک وہ اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں۔) یعنی نماز گراں ہے کہ سنو نہیں بھولو نہیں یہ نہیں کہ کھڑے چاہو مزہ کرکے کھڑے ہو گئے ایک سی طرف منہ کیئے کھڑے رہو ان کی وجہ سے کلفت ہے ورنہ ہاں منٹ دو منٹ میں تیس منٹ یعنی چوبیس گھنٹہ میں تقریباً دو گھنٹہ کیا بات ہے اور اگر کوئی بڑا ہی خاشع خاضع ہو تو خیر بہت سے بہت ایک گھنٹہ صرف ہوگا۔ ہاں اگر امامت کریں گے تو بیشک سورۂ بقر کے نماز ہی نہ ہوگی ورنہ اپنی نماز تو یقیناً اعظمیٰ اور قل ہو اللہ ہی سے ہمیشہ ہوا کرتی ہے

اگر کسی پر حکم ہوتا کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوگی شاید یہ لوگ تو نماز ہی نہ پڑھتے مگر ایسا حکم تو ہے نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہاں تک مذہب ہے کہ ایک آیت سے بڑی اور ایک آیت طویل یا تین آیت قصیر اور سورۂ فاتحہ سے واجب ادا ہو جاتا ہے، لہٰذا سورۂ فاتحہ کے بعد منذ مدتان پڑھنا فرض نماز ہو گئی تھی ہے کہ کوئی صاحب ہمت ایسا ہی کرنے لگیں کہ بس منذ مدتان پڑھ لیا نماز تو ہو ہی جاوے گی ایک منٹ میں آٹھ رکعتیں پڑھ ڈالیں تو حضرت فرض تو ادا ہو جاوے گا لیکن واجب تو رہ جاوے گا اسی طرح تعدیل بھی واجب ہے اور ہمہ ہو فرض کہتے ہیں یہ امام صاحب ہی کا مذہب ہے اور امام صاحب نے اس قدر سہولت اپنے لیے نہیں کی یہ ساری سہولت ہمارے آپ کے لیے کی تھی وہ خود تو اس قدر نماز پڑھتے تھے کہ مدتوں عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے تو یہ سہولت ہمارے واسطے ہے تاکہ کوئی بے نمازی نمازی بننا چاہے تو اسے تنگی نہ ہو تو یہی ہماری نماز جو آدھ گھنٹہ میں سب فرض سنتیں ہو جاتی ہیں اور جو ہم میں خاشع خاضع ہیں ان کو ایک گھنٹہ کافی ہے خیال کیجیے کتنی بڑی تنخواہ اور کارگذاری کتنی مختصر کہ چوبیس گھنٹہ میں آدھ گھنٹہ اور ساڑھے تیئیس گھنٹہ میں عام اجازت ہے بجز گناہ کے جو چاہے کیجیے، اور اس پر بھی بعضے وہ ہیں جو کچھ نہیں کرتے اور بعضے ان سے بڑھ کر ہیں کہ خود بھی نہیں کرتے اور اوروں کو بھی نہیں کرنے دیتے۔

اس پر ایک حکایت یاد آگئی بلوہ کے زمانہ کا قصہ ہے کہ جہاں لاشیں پڑی تھیں ایک شخص زخمی تھا زخم اتنا کاری تھا کہ اٹھ کر جا نہیں سکتا تھا، اتفاق کسی ضرورت سے ایک پٹھنہ کا ادھر گذر ہوا اس شخص نے آہٹ پاکر ضعیف آواز سے پکارا پٹھنا اس آواز سے ڈرا کہ مردہ کہاں بولنے لگا اس نے کہا

ڈرو نہیں میں زندہ ہو گیا ہوں چل نہیں سکتا ہوں تم ذرا دھکا دیدیتے نے کہا ہم نہیں آتے اس نے پھر کہا بھائی ذرا دھکا تو دو میری کمر میں ایک سیانی بندھی ہوئی ہے ایک ہزار روپیہ ہے میں مر جاؤں گا یہ صاف موجود ہے تم اسے کھول لے جاؤ تمہارے ہی کام آوے گا اب تو لالہ کے منہ میں پانی بھر آیا اس کی طرف بڑھے ڈرتے ڈرتے جب قریب پہنچے تو اس نے ٹانگ پر ایک تلوار رسید کی اور کہا کہ میاں روپیہ کہاں یہاں رات بھر اکیلے جی گھبراتے میں نے خیال کیا کہ کسی آدمی کو پاس رکھنا چاہیئے ویسے تو کون رہتا اس ترکیب سے تم کو پاس رکھوں گا بنیا گر پڑا اور بڑا ناخوش ہوا اور غصہ میں کہنے لگا کہ شیطان آپ چلے نہ اوروں کو چلنے دے تو آج کل بھی یہی حالت ہے کہ دین پر نہ آپ چلیں نہ اوروں کو چلنے دیں۔

دین اور معاش اگر کوئی بندۂ خدا تمام مصلحت پر خاک ڈال کر اس شعر کے مضمون کا عامل ہو بھی گیا ہے

مصلحت دیدم آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و ہمہ طرۂ یار سے گیرند

(یعنی بڑی مصلحت یہی ہے کہ سب کو چھوڑ کر بس ایک ہی کو سب دوست سے لیں) اور خدا کی راہ پر لگ گیا تو وہ ان کے زعم میں پاگل ہو گیا وہ ان کے نزدیک معاش سے محروم ہو گیا حالانکہ دنیا روگ باوجود کم ہنری کے بھی کھانے پہننے میں ان ہنرمند دنیا داروں سے اچھے پڑتے ہیں۔ ہمارے یہاں ایک بزرگ تھے انہوں نے ایک عجیب لطیفہ کہا تھا کہ علم دنیا تو جب تک خاص مقدار پر نہ ہو کام نہیں آتا مثلاً بی اے ایف اے ہو تو نوکری ملے یا اس سے گھٹیا ہو تو ٹرانسلیٹر ہو اور مڈل کا بالکل فیل درجہ ہے پھر اس مقدار تک پہنچنا موقوف خصوصاً آج کل کی عمریں تھوڑی ہوتی ہیں پھر یہ بھی احتمال ہے خدا جانے برابر

پاس ہوتے رہیں گے یا فیل ہوں گے مگر یہ اپنے فعل سے باز نہیں آتے خود نیک فعل ہو یا بد فعل سب اسی میں مبتلا ہیں اور فوری کو بزبان حال کہہ رہے ہیں۔ تا تو من می رسی من بخدا نمی رسم (جب تک تو میرے پاس پہنچتی ہے میں خدا کے پاس پہنچتا ہوں) یہ تو علم معاش کی حالت ہے اور علم دین وہ چیز ہے کہ اس کی کوئی مقدار بھی بیکار نہیں آخرت میں بھی دنیا میں بھی چنانچہ اس کے حاصل کرنے والے کے لیے کھانا پینا سب ہی کچھ مہیا ہو جاتا ہے علم دین اگرچہ معاش کے لیے ہے ہی نہیں لیکن اگر کسی کو اس سے معاش ہی حاصل کرنا ہو تو اس میں جو بالکل ادنیٰ درجہ کی مقدار ہے کہ اذان یاد کرے جو کہ پانچ منٹ میں یاد ہوتی ہے تو اس میں بھی تو روٹیوں کی کمی نہیں گو کانپور میں نہیں ملیں گی مگر کسی گاؤں میں چلا جاوے وہاں کسی مسجد میں اذان کہنا اور جھاڑو دینا شروع کر دے دو چار دن میں روٹیاں ضرور ہی مقرر ہو جاویں گی اور علم معاش میں اول تو اتنی وجہ کے لیے بھی کئی برس چاہئیں اور پھر بھی نوکری ملنا موہوم ہے۔

علاوہ اس کے ایک آفت اور ہے وہ یہ کہ ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مخاطب ہے ایمان بالتقدیر کا تو اب میں پوچھتا ہوں کہ آیا تقدیر کے مسئلہ پر ایمان ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو تجدید رشتے سے کا کرنا اسلام کی ضرورت سے کہ ایسا شخص خارج از اسلام ہے اور اگر ہے تو بھی ماننا پڑے گا کہ بی اے ایم اے پاس کرنے پر بھی قسمت سے زیادہ نہیں ملتا پھر کس خرافات میں مبتلا ہوتے ہو۔

اور اگر یہ کہا جاتا ہے کہ بیشک تقدیر پر ایمان ہے مگر تقدیر کے ساتھ تدبیر بھی تو شرط ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاں شرط ہونا مسلم مگر علت تو نہیں ہے

باقی شرط اور علت میں کیا فرق ہے سو فرق یہ ہے کہ علت پر تو معلول (علت) کیا گیا جس کا کوئی سبب نہ ہو، کا مرتب ہونا واجب ہے اور شرط پر مشروط (شرط) کیا گیا کا مرتب ہو، واجب نہیں ہاں مشروط کے لیے شرط کا ہونا واجب ہے تو اگر تدبیر علت ہوتی تو ہم ہر تدبیر کرنے والے کو ضرور کامیاب پاتے ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اپنی معمولی لیاقت سے جت چوکی رہا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ اس کے دونی لیاقت ہے مگر کیا اس سے آدھا بھی نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ علت نہیں اور معلول کا اس سے انفکاک نہ ہوا۔

اب میں ترقی کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ شرط بھی نہیں اگر شرط ہے تو مطلق نہیں ہے نہ کہ خاص فرد اور ہم اسے مثالیں اتنی فراوانی سے دیتے ہیں کہ کوئی بہانہ ہو لیکن اس کا ہم انکار نہیں کرتے کہ کسی بہانہ میں کمی بیشی کا کسی میں زیادہ ہونا ممکن ہے کسی بیشی زیادہ میں ہے باقی مقصود ممکن ہے کہ کم زراعت والا مقصود میں زیادہ کامیاب ہو اور زیادہ زراعت والا مقصود میں کم رہے۔ ایک نواب صاحب کی حکایت ہے کہ صبح دم تو گوشت کا قیمہ کھائے ناشتہ کے کیڑے میں پوٹل بنا کر چوسا کرتے تھے، انہوں نے ایک لڑکے کو بلایا کہ دوپہر کے وقت سایہ میں پہنچ کر یہ پوٹل پھینک دینا۔ وہ کیڑے میں سے کھولا اور ایک گٹھلی پیار کے ساتھ کھا پی کر وہیں بیٹ کر خرخرے لینے لگا نواب صاحب کہتے تھے کہ میں راضی ہوں کہ میری نوکری سے برخاست کر دی جائے تو دیکھئے کیسے زراعت شخص ان زراعت و مقصود سے بدلنے پر رضامند ہو رہا ہے اور اگر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں تو خیر خود ہی مبتلا رہو مگر دوسروں کو کیوں راہ مارتے ہو یہی غنیمت سمجھو کہ ہم تمہیں عربی پڑھنے کو نہیں کہتے آپ کو

عربی حوتوں کی سمجھ میں کا بڑا جوش ہے کہ یہ بھی انگریزی پڑھیں اور تعجب ہے کہ کیوں انگریزی نہیں پڑھتے اور اس کا سبب کم فہمی قرار دیتے ہیں میں کہتا ہوں آج کل عربی پڑھنا بڑی عالی ہمتی کی بات ہے کیوں کہ عربی کی آج کل سخت ناقدری ہے اور بظاہر کوئی دنیوی غرض بھی اس سے پوری نہیں ہو سکتی پھر بھی جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے عالی ہمت اور ولی ہیں کہ رضا اور قرب حق کے لیے وہ اپنی دنیا چھوڑے ہوتے اور ہر قسم کے طعن و تشنیع سننے کے لیے آمادہ ہیں تو ان کی قدر کرنا چاہیے نہ کہ تحقیر۔

ضرورت علماء

علاوہ اس کے میں ان حضرات مسلمین سے حیثیت اسلام سے پوچھتا ہوں کہ کیا علماء کا دوام کے لیے ہونا ضروری ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو اس کا قائل ہونا پڑے گا پھر اسلام کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بدون علماء کے اسلام قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ کوئی پیشہ بدون اس کے ماہرین کے چل نہیں سکتا یہ اور بات ہے کہ تھوڑی بہت معلومات دینی سب کو ہو جاتی ہیں اور اس سے وہ محدود وقت تک کچھ ضرورت رفع کر لیا کریں مگر اس سے اس مقدس ضرورت کا بھی بقا نہیں ہو سکتا بقا کسی شے کا ہمیشہ اس کے ماہرین سے ہوتا ہے تو ماہرین علماء کی ضرورت ٹھہری۔

پھر یہ ماہرین کیسے پیدا ہوں؟ سو تجربہ سے اس کی صرف یہی صورت ہے کہ مسلمانوں کی قوم پر واجب ہے کہ چندہ سے کچھ سرمایہ جمع کر کے علماء کی خدمت کر کے آئندہ نسل کو اسلام اچھی پڑھائیں اور برابر یہی سلسلہ جاری رکھیں سو عقلاً تو یہ بات واجب تھی کہ ساری قوم اس کی کفیل ہوتی مگر ایک طالب علم بیچارہ

یا دین آپ پر سے معاف کیا اور اپنے ہی اوپر معیت حق کے تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اس کا قدر کرتے بجائے اس کے اور رنج کرتے ہیں کہ عالم پڑھو گے تو کھاؤ گے کیا، کیا مسجد کے مینڈھے ہو گے ہاں صاحب دنیا کا کتا بننے سے اچھا ہے۔

ریاست رامپور میں ایک نے دوسرے کے بچہ کو انگریزی پڑھانے کی رائے دی اس نے کہا کہ قرآن شریف ختم ہو جاوے تو پڑھاؤں گا اور معلوم ہوا کہ دو سال میں نصف ہو چکا ہے نصف باقی ہے تو وہ صاحب کیا فرماتے ہیں کہ دو سال تو ضائع گئے اور دو سال کیوں ضائع کرتے ہو؟ یہ حالت رہ گئی ہے مسلمانوں کی یہ کیا، سلام ہے انا للہ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر کوئی تحصیل علوم دینیہ کی طرف توجہ نہ کرتا تو تمام قوم کا فرض تھا کہ خوشامد کر کے کچھ لوگ اس کے لیے تیار کرتے افسوس اب تو کیفیت یہ ہے کہ خود تو کیا تیار کرتے دوسروں کو تیار ہونے سے روکتے ہیں یہ سب علامات اس کی ہیں کہ آپ کو خدا سے تعلق نہیں رہا۔

خدا کو بندہ سے تعلق ہاں خدا کو بندہ سے تعلق ہے اپنے دلوں کو ٹٹول لو تمہیں خود معلوم ہو جاوے گا کہ خدا سے تعلق نہیں رہا۔ خدا کو آپ سے تعلق ہونے کی دلیل ایک تو ان کے انعامات ہی ہیں۔

دوسرے ایک جگہ ارشاد بھی ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ہم اس کی طرف شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں) اور خدا کا قرب یہی قرب علمی و قرب رحمت ہے اور اَنْتُمْ اَقْرَبُ اِلَيْنَ (تم ہماری طرف زیادہ قریب ہو) نہیں فرمایا۔ اگر کوئی کہے کہ قرب و بعد تو امور نسبیہ متکررہ

مشترکہ میں سے ہیں یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ انہیں ہم سے قرب ہو اور ہمیں ان سے بُعد ہو۔

جواب یہ ہے کہ قرب حسی بالمعنے اللغوی بیشک ایسا ہی ہے اور یہاں تو قرب بمعنے توجہ کے ہے سو خدا کا قرب الی العبد من حیث التوجہ قرب عبد الی اللہ من حیث خدا کا قرب بندہ کی طرف باعتبار توجہ کے بندہ کا قرب اللہ تعالیٰ کیطرف باعتبار توجہ کے التوجہ کو مستلزم نہیں بس وہ اشکال مرتفع ہو گیا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ تو ہم سے قریب ہیں یعنی متوجہ ہیں اور ہم ان سے بعید ہیں یعنی ہمیں انکی طرف توجہ نہیں۔ بالکل قلب موضوع ہے جو ان کو حق پہنچتا تھا ہم نے کر رکھا ہے جو ہمیں زیبا بلکہ ضروری فرض تھا وہ انہوں نے کر رکھا ہے اور اگر ہم میں سے کسی کو توجہ بھی ہے تب بھی اگر بے تعلقی نہیں تو کم تعلقی تو ضرور ہے پس مسلمانوں کی ساری خرابیوں کا حاصل یہ ہے اگر یہ دور ہو جاوے تو ہماری تمام حالتیں درست ہو جاویں اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کی عادت مسلمانوں کے لیے یہ جاری ہے کہ ان کی دنیا ان کے دین کے ساتھ وابستہ ہے۔

رُوحِ دنیا۔ شاید کسی کو شبہ ہو کہ دیندار مسلمانوں کے پاس دنیا کم دیکھتے ہیں اور غیر دیندار مسلمانوں کے پاس زیادہ تو سمجھ لو کہ دنیا مال و دولت کا نام نہیں روح دنیا کچھ اور ہی ہے اور وہی دنیا سے مقصود ہے۔ پس دنیا در حقیقت وہ ہے اور وہ راحت قلب ہے چنانچہ اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ بھی ہو اور جائداد بھی ہو ہر طرح کا سامانِ عشرت بھی مہیا ہو اور اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی معلوم ہو کہ آج کے چوتھے روز مجھے پھانسی دے دی جائے گی اب فرمائیے کہ کیا اسے اس دولت سے خوشی ہو گی؟ کیا اسے اس سامانِ عشرت سے لطف

میسر ہوگا ہمیں ایسے لذیذ کھانوں میں لطف آئے گا؟ کیا ایسے عالیشان کوٹھی میں رات
ملے گی؟ کیا خاک راحت ملے گی کیا خاک لطف و حظ آئے گا اس وقت دنیا
اس کی آنکھوں میں اندھیر ہوگی یہ سب کیوں محض اس لیے کہ اس کے
قلب کو راحت میسر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اصل و روح دنیا کی راحت ہے
محض مال و دولت سے کچھ نہیں ہوتا اور میں بقسم کہتا ہوں کہ حقیقی راحت بلا اللہ کو
میسر ہے اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ان کے پاس رہ کر دیکھ لیجئے جس پر آپ کو
رحم آرہا ہے کہ ہائے اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں جوتا ٹوٹا ہوا ہے اگر یہ
شخص دیندار ہے ... تو واللہ یہ شخص راحت میں ہے اور نافرمان میرا اس
کے مقابلہ میں مصیبت میں ہے اور واقعی خدا کے نافرمان کو کسی وقت چین نہیں ہے

معرفت و محبت اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ حوادث انسان
کے اختیار میں نہیں ہوتے ایک مقدمہ یہ ہوا دوسرا
مقدمہ یہ کہ زیادہ حوادث طبیعت کے خلاف ہوتے ہیں پس جب ناگوار خلاف
طبیعت امور پیش آتے رہیں گے تو چین کیوں کر میسر ہوگا روپیہ بہتے ہے مگر کیا
کریں کہ کہیں نیند نہ آنے کی شکایت ہے کہیں معدہ کمزور ہے عمدہ غذا نہیں کھا
سکتے کبھی زکام ہے کبھی پیچش ہے کبھی بخار ہے حالت غور کر کے دیکھئے تو
آرام سے بیٹھنا میسر نہیں ہوتا بیٹھے میں ہرائی کہ بھانجا بیمار ہے یا بیٹے کو بخار ہے غرض
زیادہ حوادث ایسے ہی ہوتے رہتے ہیں جو پریشان کرنے والے ہیں، تیسرا مقدمہ
یہ کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ واقعات رک جائیں یا خلاف طبع نہ رہیں، اگر اس کی تدبیر کی
کوئی صورت ہے تو صرف یہ ہے کہ مزاج کو ایسا کر لے کہ کوئی واقعہ خلاف مزاج
نہ ہے اور مزاج یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ سو وہ ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں میں اور تنگ و تاریک
حجروں میں ہو سکتا ہے وہ کیا چیز ہے جو ان حجروں میں بیٹھنے سے ملتی ہے وہ محبت و معرفت ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ کوئی شخص کسی کو پیچھے سے کیچڑ مارے تو گستاخ ہو گا۔ اتفاق سے یہی شخص کسی عورت پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے بھی ایسا ہی کیا جب تک اس کو دیکھا نہ تھا تغیر ہوا تھا مگر دیکھا تو محو۔ بس اس دھول پر نثار ہو جاوے گا کہ ایسی کہاں یہ وقت اور یہ زمان حال کہے گا ؎

ناخوش تو خوش بر سر جان من ۔۔۔ دل فدائے یار دل رنجان من

(تیری یہی محبوبانہ جانب سے جو اب پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دیوے دل سے قربان کرتا ہوں

بھلا اس کے ہاتھ سے تو بڑی بات ہے محبوب کے معاملہ میں جو تکلیف پیش آتی ہے وہ تک ناگوار نہیں ہوتی ایک شخص کو کسی کے عشق میں کسی درخت نے تو کوڑے مارے تماشے میں تو ہنستا رہا اور غیر کے کیکر کوڑے میں رو دیا لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ تماشے میں تو میرا محبوب بھی شریک تماشہ تھا اور غیر کے چابک میں وہ چلا گیا تھا ؎

بجرم عشق تو ہم میکشند غوغائیست ۔۔۔ تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں تکلیف اٹھا رہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں تو بھی کوٹھے پر آ بہت اچھا تماشا ہے)

یہ درخواست کہ تو نیز بر سر بام آ بس اسی واسطے ہے کہ غالی محبوب کے دیکھنے سے بھی تکلیف کی ناگواری جاتی رہتی ہے اسکی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کیلئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا کہ آپ قضا و قدر کے حکم پر صبر کیجئے کیونکہ آپ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں ؎

ہمینم بس کہ دانند ما ہر دیم ۔۔۔ کہ من نیستم رخ زیبا ن ادیم ۔

(مجھ کو یہی کافی ہے کہ میرا محبوب جانتا ہے کہ میں بھی اس کے عاشقوں میں ہوں) بس عشق اور معرفت اور کیا چاہیئے، محبت و معرفت عجیب چیز ہے جو واقعہ محبوب کیطرف سے پیش آئے وہ ناگوار ہی نہیں ہوتا ؎ از محبت تلخ شیرین شود (محبت سے تلخیاں بھی گوارا ہیں) غرض مزاج کو ایسا بنانا چاہیئے جو محبت و معرفت سے، اسکا خاصہ ہے کہ قلب کے اندر فرو رسید ہو جاتا ہے کہ جس سے جو محبوب کو ذرہ نظر آتی ہے وہ ذرہ ذرہ چیز میں یہ ایک محبت یک معرفت دونوں کی حقیقت لگ الگ ہے معرفت سے تو یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ جو کچھ

ہوتا ہے اُدھر سے موت سے اور محبت اسے خوشگوار بنا دیتی ہے معرفت کے باب میں شیخ فرماتے ہیں گلستان میں ؎

رحمت ان خلق دشمن و دوست کز دل ہر دو در تصرف اوست

(دوست کی مہربانی اور دشمن کی دشمنی کو خدا کی طرف سے سمجھو کہ دونوں کے دل پر اسی کا تصرف ہے)

وریں نوشتہ زنہ کہ پیشیدہ است کز بد ہمہ بیزار و عمل دلم نخست

(اس میں بھی ایک قسم کا شرک ہے کہ زید نے مجھ کو آزردہ کیا اور عمرو نے زخمی کیا) یعنی زید و عمرو کی طرف منسوب کرنا بھی ایک قسم کا شرک ہے جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو پوچھا گیا تمہارے رب نے تم سے کیا سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے رب سے عرض کیا کہ تو حید کیا ہے اس کے عرض کرنے میں کوئی دعویٰ نہیں پیش ہوا کہ اَنَا قُلْتُ لَہٗ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ وہ رات بھی یاد ہے جب کہا تھا کہ دودھ سے دردھ ہوگیا یا منہ لیکر دعوے توحید کا کرتے ہو دودھ کو پانی میں ٹھہر چکے ہو کانپ اٹھے عرض کیا الٰہی سوائے اعتراف خطا و قصور کے اور کچھ نہیں لایا بس اس جرح میں رہ گئے یہی توحید ہے جو معرفت کے کامل ہونے سے کامل ہو جاتی ہے پھر تو یہ حالت ہو جاتی ہے

موحد چہ پرسی ز ریزی ز کش چہ فرزد ہندی نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد ز کس ہمیں ست بنیاد توحید و بس

(موحد اور عارف کے قدموں پر خواہ زر بکھیر دو یا اس کے سر پر تلوار رکھو امید و خوف اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے)

وجہ یہ کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ لوگ کر رہے ہیں کوئی اور ہی ان سے کرا رہا ہے

میں نے ایک صندوق دیکھا ایک دیہاتی بڑھئی بنا کر رہا تھا اس کے ڈھکنے کے اوپر لکڑی کی پتلیاں تھیں صندوق کے اندر اس کی مشین تھی ایک تار سر چکی میں لگا ہوا تھا جب کوک دی جاتی تھی تو سب پتلیاں حرکت کرنے لگتی تھیں کوئی موسل سے کوٹتی تھی کوئی چھاج سے پھٹکتی تھی کوئی عورت چکی چلاتی تھی کوئی چرخہ کاتتی تھی یک آرچل رہا تھا غرض جتنی پتلیاں تھیں اتنی حرکتیں اور ایک کنجی سے ساری حرکتیں ہوتی تھیں، اسی طرح دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں ان کی حرکت خود بخود نہیں ہے کسی اور نے وہ حرکت دے رکھی ہے جب عارف کی نظر تیز ہو جاتی ہے تو اسی تحریک کے مشاہدہ کے سبب زید و عمرو پر نظر نہیں پڑتی۔

اثر معرفت و محبت یہی وجہ ہے کہ بجائے اس کے کہ کسی پر غیظ آوے وہ حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ دوسرا تصرف فرماوے۔ حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ تارک سلطنت ہیں ایک مرتبہ جہاز میں سوار ہوئے جہاز پر کسی امیر کے یہاں روزانہ نقلیں ہوا کرتی تھیں نقالوں نے ایک روز درخواست کی کہ اگر کوئی غریب آدمی میسر ہو جاوے تو اس سے دھوں دھپا کریں اور نقل کا لطف بڑھے تمام جہاز میں کسی اور پر تو دست اندازی کی جرأت نہ ہوئی مگر حضرت ابراہیم ادھم کو غریب سمجھ کر اس کام کے لیے منتخب کر کے لے گئے ؎

ہیں چنیں شیخے گدائے کو بکو عشق آمد لا ابالی فالتقوا

(ایسا فقیر صفت شیخ عشق میں بڑا لاابالی ہے پس ڈرتے ہی رہو۔) غرض انہیں مجلس میں لے گئے ان پر یہ مشاہدہ غالب ہے کہ یہ لوگ خود نہیں کھنچ رہے ہیں ان سے کوئی اور ہی کھنچوا رہا ہے ہم انہیں کے ہیں وہ جس حالت میں رکھیں راضی ہیں

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(زندہ کریں آپ کی عطا ہے قتل کریں آپ پر فدا ہوں دل آپ پر مبتلا ہو گیا ہے جو تصدق کریں آپ سے راضی ہوں)

جب کوئی بھول لگا رہا ہے کوئی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے یہ اس طرح خاموش کر گویا جس ہی نہیں جب دیر ہو گئی تو عادۃ اللہ ہے کہ

حلم حق با تو مواسا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند

(اللہ تعالیٰ کی بردباری تمہارے ساتھ مواسات یعنی رعایت کرتی ہے جب تمہاری گستاخیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو رسوا کرتے ہیں۔) ایک دفعہ غیرت باری کو جوش آیا ارشاد ہوا اے ابراہیم ان کی گستاخی حد سے بڑھ گئی کہو تو سب کو غرق کر دوں یہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ غرق کرنے کی جگہ ان کو آنکھیں ہی نہ دے دیجئے اور اس خرافات سے نکال ہی نہ لیجئے سبحان اللہ یہ ہے اتباع سنت۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب باری میں عرض کرتے ہیں اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر دے کہ یہ جانتے نہیں۔ مؤدو پیارہ نے ایک اخبار نامہ لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ الرسول خیر خواہ دشمناں (رسول دشمنوں کا بھی خیر خواہ ہے) تو واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیر خواہ دشمناں ہی ہیں بہر حال حضرت ابراہیم ادھم نے ان کا غرق ہونا گوارا نہ کیا تو یہ کیا بات ہے کیوں نہیں غیظ ہوتا یہ اثر معرفت کا ہے اسی پر شیخ شیرازی فرماتے ہیں

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئے چو بگذشت بر عارف جنگجوئے

گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جبکہ وہ لڑنے والے عارف پر گذرے اگر اس مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا)

عمر فاروق@من ارد

یعنی اگر کسی کو دوست کی معرفت ہوتی تو دشمن سے ڈرنے کی فرصت ہی نہ ہوتی اب معلوم ہوتا ہے کہ فرصت سے یہ لڑائی ایسے ہی زیبا ہے جیسے دوست کا مشغلہ نہ ہو ورنہ ؎

دیدہ ۔ دیدش نگشتے سیر ہیچ ہمچناں مژ فرت مستسقی ۔

(آنکھ اس محبوب کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتی جیسے جلندھ کا مریض نہر فرات کے پانی سے سیر نہیں ہوتا) کیا یہ تھوڑا کام ہے سے فرصت کہاں مل سکتی ہے غرض یہ نہ تو معرفت کا ہے کہ یہ حادث واحد حقیقی کے تصرف سے ظاہر ہوا ہے اور زید و عمرو واسطہ محض ہیں۔

اور محبت سے یہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی ناگواری اڑ جاتی ہے سو دونوں کی ضرورت ہے کیونکہ نری معرفت ہو اور محبت نہ ہو تو سب سے زیادہ دریائے ہلاکت میں ایسا عارف ہی ڈوبے گا مثلاً طاعون گیا تو عارف صاحب جانتے ہیں کہ خدا نے مارا طاعون نے نہیں مارا پس اگر محبت نہ ہونے کے سبب یہ واقعہ ناگوار ہو تو یہ عارف بجائے طاعون کے خدا کی شکایت کرے گا تو نری معرفت ہلاکت ہے یہ خدا کی رحمت ہے کہ بل اللہ کی صحبت میں دونوں باتیں میسر ہو جاتی ہیں تو صحبت کے بعد جبکہ معرفت و محبت دونوں دولتیں عطا ہو گئیں تو اب جو واقعہ پیش آئے گا معرفت کے سبب حق سے ناگواری نہ ہو گی اور محبت کے سبب خلق سے ناگواری نہ ہو گی چاہے کتنا ہی عظیم حادثہ ہو مگر یہ خوش ہیں کہ ؎

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

(جو کچھ دوست کی طرف سے پیش آئے وہ خیر ہی ہے) حقیقی آسائش اسے کہتے ہیں مصیبت سے اور لوگ گھبراتے ہیں اور یہ ہنستا ہے خوش ہوتا ہے

بھی درتو در موت چو کرتا مہ

عارفین کے نزدیک حقیقت موت

مصیبتوں کا مٹانا آسان ہے اور جس سے سب لوگ گھبراتے ہیں حتیٰ کہ

بعض سلاطین نے اپنے قلعہ میں خصوصی دروازہ کا نام رکھا تھا جس میں سے خاندان شاہی کے جنازوں کو نکالا جاتا تھا تو موت کا نام لینے سے گھبراتے تھے کسی لڑکی نے ایک بڑھیا کو کہا کہ مرتی ہی نہیں تو اس بڑھیا نے اپنی بک ساتھن سے جا کر بطور شکایت کہا کہ سنا تھی کہ فلاں مجھ کو یوں کہتی تھی کہ اے بڑھیا تو یوں ہو جا پھر وہ بڑھیا کیا کہتی ہے اے مذبیاں سنیو مت۔ کہنت۔ حق گر لذتیاں بہ تہ کسے سنیں گے تو وہ اس کی بھی سنیں گے ورنہ یہ کہاں سے سنیں گے تو موت سے بڑھیاں بھی گھبراتی ہیں غالباً مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ ایک بڑھیا کی لڑکی جس کا نام مہستی تھا بہت بیمار تھی جب اس کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو بڑھیا نے رو رو کے دعا کی کہ اے خدا مجھ کو مرنے دے اور اس کے بدلے مجھے موت دیدے ایک دن شام کے وقت اس کی لڑکی کسی امیر کے باورچی خانہ میں جا گھسی وہاں ایک پتیلہ میں مہ ڈال رہا تھا وہاں اسکی ایسی ہیبت سے وہ اپنے گھر گئی بڑھیا نے اس ہیبت سے کبھی اسکو دیکھا تھا سمجھی کہ میری دعا قبول ہوگئی اب یہ عزرائیل آگئے بس گھبرا کے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے اے موت یہ ہے اسے لے جا ؎

گفت اے موت من نہ مہستی ام پیر زن غریب مخنستی ام

کہا اے موت میں مہستی نہیں ہوں میں ایک غریب مخنثی بڑھیا ہوں!

غرض لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی دیکھ یہ ہے میں نہیں ہوں۔ موت کا نام آتے ہی بس بیٹی کی محبت فنا ہوگئی۔ یہیں کانپور میں ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ ایک لڑکے کو سرسام ہوگیا تدبیریں کی گئیں کچھ افاقہ نہ ہوا لوگ یہ سمجھے کہ مر گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہوش آگیا، ان سے کہا کہ یہ موت ہو گیا تو اب اس کے لیے تعویذ گنڈے کراتی پھرتی ہے کہ کسی طرح مرجاوے اگر کسی موقع پر مردہ اہل مجلس کو مخاطب کر کے السلام علیکم کہدے تو سب ڈر کے مارے بھاگ جاویں تو یہ موت جو کہ لوگوں کے نزدیک اتنی بڑی مصیبت ہے کہ اس اکثر ہے تمام مصائب کی مگر اس کی حقیقت ان عارفین مجبین کے نزدیک کیا ہے یہ ہے کہ اس کے شوق و تمنا میں عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آن روز کزیں منزل ویراں بروم — راحت جاں طلبم وز پے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے — تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

(وہ دن مبارک ہے جس روز میں اس دنیا سے خالی ہو کر چلی جاؤں راحت جاں طلب کروں اور محبوب کے لیے جاؤں میں نے نذر کی ہے کہ جس دن یہ غم تمام ہو جائے یعنی موت کا وقت آئے تو محبوب کے دربار تک خوشی و خرم اور غزل پڑھتا ہو جاؤں)

فقط خرم ہی نہیں منت بھی مانتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ موت کی حقیقت ہے کہ تمنا کرتے ہیں شاید کوئی کہے کہ یہ فرقت کی باتیں ہیں مرتے وقت یہ حالت ہے تو جانیں، اس وقت تو فانی یاد آتی ہو گی تو لیجئے ایک بزرگ عین حالت نزع میں مسرور ہو کر فرماتے تھے ؎

وقت آن آمد کہ من عریاں شوم — جسم بگذارم سبک سر جاں شوم

(اب وہ وقت آرہا ہے کہ میں عریاں ہوں جسم کو چھوڑ کر سبک سر جان بنوں)

خوش ہو رہے ہیں کہ الحمد للہ اس جیل خانہ سے چھوٹنے کا وقت آگیا بلکہ ان کی مسرت کی تو یہ کیفیت ہے کہ بعض بعض سے بطور خرق عادت خود بعد موت بھی مسرت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں یا قرائن سے مسرت بعد الموت کا پتہ لگتا ہے چنانچہ ایک بزرگ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کے ساتھ ساتھ یہ شعر پڑھتے چلیں۔

مخلصی آمدہ در کوے تو — ستیہ ندا از جہاں روئے تو
دست بنہ جانب دل ما — کز دل ما دست ندارد ہوے تو

(اے دل کے بارے میں تو مخلص دوست ہے میں تیرے ہاں کے صدقے میں کچھ عنایت کیجیے ہاتھ کو دل پر رکھ (تاکہ دل کو تسلی ہو) کہ دست (دل) پر قرار ہے، آخر میں بات سے دوسری نے ایک نکتہ پیدا کیا ہے یعنی محبوب کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں دعا کرتا ہوں کہ تجھ کو کسی کا چشم زخم نہ لگے تو اس کے جواب میں محبوب کی زبان سے شدت غم میں بے ساختہ نکلا

سرو سیمبر بعجز می روی — سخت بے مہری کہ بے تاہیروی
نے تماشاگاہ عالم روئے تو — تو کجا بہر تماشا میروی

(اے سرو سیمبر تو عجز میں جا رہا ہے میں سخت بے مہری کہ بغیر تیاری کے جا رہے ہیں اے محبوب تیرا رخ انور جہان کا تماشا گاہ ہے تو تماشا کے لیے کہاں جا رہا ہے)

تو اللہ سے لڑکپن میں سے آپ کا نکاح ادا ہو جیسے وجد میں ہوتا ہے۔ لوگوں نے انہیں بڑھنے سے روکا تو مرنے کے بعد بھی یہ عادت جاری ہے اس کی وجہ کیا ہے صرف یہ ہے کہ مرنے کے وقت کو وہ زمان وصال سمجھتے ہیں اس لیے اس کی تمنا کرتے ہیں، جیسے حافظ فرماتے ہیں ؎

چہ خوش وقتے و دلخرم روزگارے — کہ یارے برخوردار از وصل یارے

(کیا اچھا وقت اور کیا اچھا زمانہ ہے کہ اس میں کوئی محب اپنے محبوب کے وصال سے متمتع ہو) ایک بزرگ طاعون کو خطاب فرماتے ہیں خذ فی الیک (مجھ کو پکڑ لے) اس موقع پر مجھے عراقی کا شعر یاد آتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کرے۔)

پس موت کے سامنے ان کی یہ حالت سے موقت دہشت ہے

کمالِ نظرِ معرفت

خلاصہ یہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے اس کو دنیا میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی اور آخرت میں وعدۂ صادقہ ہے جنت کا اور اگر جنت بھی چند روز گناہوں کے سبب نہ ملے تب بھی آخرت کی تکلیف مؤمن کے لیے دنیا کی راحت سے افضل ہے کیونکہ اس تکلیف کے لحظہ کی ہر وقت یقینی امید اور یہاں کی راحت کے روز کا ہر وقت یقینی خوف اور مضامین کا از خصائص سے سمجھ میں آسکتا ہے ... یوں تو طوطی بھی بولتا ہے مگر جب بلبل ... بولتا ہے تو ... اور جب میسر ہوتا ہے بلبل ... صحبت میں یہ ... کہ لوگ کہتے ہیں اب اس شان کے بزرگ نہیں رہے تو ... یہ خیال بالکل غلط ہے ایسے بدگمان خدا اب بھی موجود ہیں لیکن ایک ... نظر نہیں آسکتے مگر کسی کی آنکھ آج ... ہو تو نظر ضعیف ہوگی ... کی چیزیں دکھائی دیں گی پھر ان کے بعد اور آگے نظر آئے گا تو ... سے مگر دل ... لیے نظر نہیں آتا کہ ضعیف ہے ... ہو تو نظر آوے وہ صرف بھی نہیں کی صحبت میں ہے کہ جس سے نظر آجاوے گا مگر مشکل تو یہ ہے کہ لوگ دیکھتے ہیں رسوم اور محققین کے یہاں سجے کپڑے ہوں گے نہ ایسی موٹی تسبیح ہوگی کہ سپاہی کا کام دے جیسا ایک صاحب کہتے تھے کہ تسبیح ایسی ہو کہ لاٹھی کا کام دے عرض ان کے یہاں نہ کوئی گنبد نہ مزار ہے نہ رسوم میں کہ نیاز ہو رہی ہے عرس ہو رہا ہے کچھ بھی نہیں بس ایک چیز ہے جو لیکے ران دیکھے خون دیکھے ہیں رائے کو جان ایک پڑھا اور ایک سی کر دیکھ ... کا یہ مذہب ہے ؎ خلیل آسا در ملک یقیں زن ... تراشے لا احب الآفلین زن

(ابراہیم علیہ السلام کی طرح یقین حاصل کر کے لا احب الآفلین (میں غروب ہو جانے والوں سے

ہوتے نہیں رکھتا کوئی صدا لگاؤ ان کے یہاں درتوں کی چیز ہوتی وہ خود بھی نہیں رہتے

ہے بحر میں تہی دست و بے گریستن کہ نا مقدروں سے ہو بھی جنگ مدد

تنگدستی کی حالت میں رونا یہ ہے کہ مقدروں جنگی میں نہیں رکھتا ہے۔

درد ہی بستی کیسے شاستے جبکہ ان پر محو کرنے والی تجلی ہو ہی ہے جس کی خاصیت ہی یہ ہے

چو سلطان عشق علو کرشد محل سر بکیوان بر افراشد

جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر ہوتی ہے سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں

گر آفتاب ست یک ذرہ نیست ور مفت دریاست کم قطرہ نیست

(اگر آفتاب ہے یک ذرہ نہیں اور سات دریا ہیں تو کم قطرہ نہیں ہے۔)

تو اگر صحیح شناخت ہو تو اللہ کے بندے ایسے ایسے نظر آویں گے کہ ان کی صحبت میں تمہاری نگاہ تیز ہو جاوے گی ان کی صحبت اختیار کرو تو کھل جائیں گی آنکھیں نظر آجائے گا کہ معرفت و محبت کیا چیز ہے اور یہ کہ حقیقی آسائش اہل معرفت و محبت ہی کو حاصل ہے انہیں کی شان میں ہے

میں تو گدایان عشق را کیں قوم شہان بے کمر خسرواں بے کلاہ

(میں تو گدایان عشق کو حقیر نہ سمجھو کیوں کہ یہ لوگ شاہان بے تخت و تاج ہیں۔)

اور یہ مرد اللہ ہے نری شاعری نہیں ہے یہ ان کی حالت ہے مشاہدہ کرلو ان کے اقوال و افعال میں واقعات کے وقت غور کرو کہ ان کی کیا کیفیت ہے ہر وقت ان کا مذہب یہ ہے

سوئے نومیدی مرو کامید ہاست سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(نا امیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے نا امید نہ ہو امیدیں رکھو۔)

دنیا و مرکا ایک ذرا سا بچہ بیمار ہو جاتا ہے تو تیماردار بدحواس ہو جاتے ہیں وہاں سب کے سب گرفتہ ہو جاتے ہیں تو بھی کچھ پروا نہیں۔

ایک غزوہ میں ایک بی بی کے شوہر اور بچے باپ سب کام آ گئے، کسی نے کہا کہ تمہارا باپ بھائی بچے سب مارے گئے تو وہ کہتی ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی سلامت ہیں تو ہاں کہنے لگی جب آپ سلامت ہیں تو مجھے کسی کے کام آنے کی کچھ پروا نہیں ہے

فان ابی ووالدتی وما ولدت فداء لعرض محمد منکم وقاء

(یعنی میرے ماں باپ کی اولاد محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہارے لیے تم سے وقایہ یعنی ڈھال ہے) مولانا فرماتے ہیں ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست تو بماں نے آنکہ جز تو پاک نیست

(ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہیے گزر گئے بلا سے عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خوبیوں سے پاک صاف اس کا رہنا کافی ہے) جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کو کس قدر قلق ہوا کہ ہم میں سے اگر کسی کو اس درجہ کا قلق ہو تو دیوانہ ہو جائے مگر خدا کے زندہ رہنے کے مضمون سے تسلی ہو گئی۔ جب آپ کی وفات ہوئی ہے تو حضرت عمرؓ مارے حیران میں فرما رہے تھے کہ اگر کوئی کہے گا کہ وفات ہو گئی تو قتل کر دوں گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہی تو ہیں اور آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر گئے پس اگر یہ جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟) تو حضرت عمرؓ کی تسلی ہو گئی اور فرمایا کہ میں اس قدر اس آیت کو بھولا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی نازل ہوئی ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی

مگر خدا زندہ ہے۔

مجھے صحابہ کی اس حالت پر ایک حکایت یاد آتی ہے کہ دو دوست ہیں ہر وقت بھی ہیں محبت ہی محبت ہے ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوست نے دوسرے سے کہا کہ مجھے جتنی حق تعالیٰ سے محبت ہے اتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں میں نے کہا کچھ پریشانی کی بات ہیں کہ تمہاری یہ حالت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہ ہے۔ تم بالکل متبع سنت ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت نہ تھی جتنی حد سے بھی بیشگفتہ ہو کر دعائیں دینے لگے۔ صحابہ کی بھی یہی کیفیت تھی تو حضرات اتنے بڑے واقعہ پر صحابہ کا صبر کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ حی لایموت تو سے سی سے انہیں غم مہلک نہیں ہوا رنج قاتل نہیں ہوا

خدا تعالیٰ نے اسباب مصیبت کا ایک معالجہ یہ بھی لکھا ہے یعنی جب کوئی حادثہ پیش آتے تو صبر و سکون کا علاج بتلاتے ہیں اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون (اور جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) دو تعلیمیں فرمائی ہیں ایک خواص کے لیے اور ایک عوام کے لیے انا للہ ہم خدا کے ہیں یہ خواص کے لئے ہے کہ جب اپنے کو خدا کا سمجھیں گے تو اس کے ہر تصرف کو خوشی سے گوارا کریں گے وانا الیہ راجعون اور ہر اسی کی طرف لوٹیں گے یہ دوسروں کے لیے ہے اس طرح سے کہ جب سب وہاں جائیں گے تو سب جمع ہو کر مل جاویں گے وہ شخص مفقود بھی مل جاوے گا جیسا اگر کسی کا کوئی عزیز حیدر آباد میں وزیر اعظم ہو جاوے تو تم آپا یہ چاہو گے کہ تمہارے پاس چلا آتے یا یہ چاہو گے کہ ہم بھی وہاں پہنچ جائیں بس یوں سمجھو کہ جو مرا وہ حیدر آباد پہنچا۔

بہارت حضرت ؒ کے پاس ایک بڈھا آیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے بیوی بہت

ہیں کہ جہاں جانب سے قندیل موجود ہے فرمایا کہ جہاں سے مرنے والے خدا کا شکر ادا کرتا ہے اس سلسلہ میں جملہ ہے جہاں وہ اعمال سے محروم پہنچ جاتے ہیں سے جانور جنہوں نے ان کے مقدس پیروں کو چاٹنے سے مرنے کی بھی شرارت کی ہے وہ دوزخ کرے پھر آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تو مسرور روایت کو ترجیح دی کہ اس کا فیصلہ اس وجہ سے ہوا کہ اس کے پیٹ سے روٹی کی بھی تو آئی تھی۔ اللہ کہ ہر مرد میں حقیقت پر نظر تھی اس لئے جب نظر وقت کا کام ہو جائے گی پھر پریشان ہو کر اس کی بہتری کے لئے تعلق کرے اور اسے تعلق کرے کے تعلق سے دوزخ جہاں کی تفصیلات دیکھیں ہیں افسوس ہے کہ اس کے حد بھی ہم کو فکر ہو

غلط دعویٰ پر رد

اور اگر تم کہو کہ تو نے تو ان کا ذکر نہیں کیا جن کے متعلق ہم نے ان ہی میں اسلم وغفار ومزینہ وجہینہ واشجع ومن کان من بنی عدی اور بنی دیل کے ایک غلط دعویٰ کا کہ جس کے متعلق روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں دعویٰ یہ تھا کہ ہم ہی جنت میں جائیں گے پہلے اس کو اس طرح رد فرمایا کہ تلک امانیہم یہ ان کی آرزوئیں ہیں کہ بخشے جائیں گے اور لوگ جنت میں نہیں جائیں گے لگے ارشاد ہوا ہے یعنی کیوں نہیں جائیں گے پھر اس کی دلیل قاعدہ کلیہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں من اسلم وجھہ للہ جو شخص سپرد کر دے اپنی وجہ یعنی ذات کو خداوند تعالیٰ کے لیے اس حال میں کہ وہ محسن ہو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے ان پر خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے یہ ترجمہ ہو۔

یہاں پر حق تعالیٰ نے اس عمل بھی کو اسلام سے تعبیر فرمایا اس کی تفصیل سمجھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ کیا چیز ہے سو سارے روشن خیال حضرات کے نزدیک اس کی حقیقت یہی سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں کچھ مامورات ہیں نہ منہیات ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کو کسی

[illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے [

قبول کیا میں نے تو فقط تجھے قبول کیا عدیؓ سے تا قبول کیا نہ مگر ہی قبول کی ۔ اس جھگڑا اس قدر بڑھا ۔ خدا سے عقد فیصلہ کرنے کے لیے جمع کئے گئے ان میں آپ بھی ہوں اب آپ بتائیے کہ کیا فیصلہ کریں گے کیا یہ فیصلہ کریں گے کہ رونی کپڑے سب سے دلائیں گے اور کہیں گے کہ اسے حق بیوی کا قرآن کریم اس کی تمام ضروریات کا قبول کر رہا ہے اس کے لیے کسی مستقل معاہدہ کی ضرورت نہیں ۔

اس کا اللہ ہی بھی ہیں آپ سمجھ کر کہیئے گا بس اسی مختصر سے تمام باتوں کو لے رہا ہے لہذا جب وضع خلاف شرع ہوئی تو یہ عزالا الا اللہ کا چھوٹا تو وہ بھی اسی طرح کے مثل ہیں ۔ یہ اسی نادان کے مثل ہے جو کہتا ہے کہ میں نے تو لا الہ الا اللہ پڑھا تھا یہ کہاں کا جھگڑا نکالا کہ وضع خلاف شرع نہ رکھو داڑھی مت منڈواؤ پائنچے مت لٹکاؤ مونچھیں مت بڑھاؤ نماز پڑھو روزہ رکھو

اب تمہارے ہی مجلس میں فیصلہ کرتا ہوں کہ یہ مثال مذکور کی طرح اس شخص کا نقطہ ۔ لا الہ الا اللہ کو کافی سمجھنا صحیح ہے زید بھی عقل سلیم ہوگی تو کون کہے گا کہ صحیح ہے یہ تو سنت کا مت نکال کر لا الہ الا اللہ کہہ لو بس کافی ہے بس یہ اسلام کی حقیقت بنا دی کسی سے کہتے ہیں کہ اسلام بہت وسیع ہے ۔

یہ تو امت جدیدہ کا مذاق تھا اب قدیم مذاق والوں کو لیجئے ان میں جو بڑے دیندار کہلاتے ہیں انہوں نے یہ کہا کہ نماز روزہ کرلو خود و قصور کا اعتقاد کرو بس اسلام اسی میں منحصر ہو گیا ہے معاملات ۔ جذبات ۔ اخلاق ۔ تہذیب ۔ معاشرت تمدن اس کو سمجھا کہ اسلام میں تو ہے نہیں پھر یا تو ان کو مطروح کر دیا اور اگر کسی نے ان کا اجتہاد کرنا چاہا تو بس غیر قوموں سے لینا شروع کر دیا افسوس ہے گھر کیا نہ تھا جو زید سے دریوزہ گری کی گئی ہماری آپ کی بس یہ مثال ہے ؎

یکے سبد پر ناں نزابر فرق سر ۔۔۔ تو ہمی جوئی لب ناں در پدر

ایک ٹوکرا روٹیوں کا سر پر ہے مگر بھیک مانگتے پھرتے ہیں کتنی روٹیاں ہیں کہ دوسروں کو بھی دے سکتے ہو آج جو متمدن قومیں ہیں ان کا حال ایسا ہی ہے کہ ہوتے سب اسلام سے سبھی ہے مگر مسلمان ایسے بے خبر ہیں کہ یا گھر چھوڑ کر پڑتے اور پھر جاتے ہیں اسی مثال مذکور کا تتمہ ہے ؎

تا جانوئی میاں جونے آب در عطش و زجوع گشتی خراب

گھٹنے تک پانی ہے مگر اس سے غافل ہیں اور پیاس کے مارے غل مچا رکھا ہے، اس بیان سے اسلام کی حقیقت سمجھنے والوں کی سو اس آیت میں حق تعالیٰ نے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اسلام کیا ہے اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا جس کا حاصل وہی تعلق مع اللہ حق ہے جو تمہید میں بیان کیا گیا ہے ہاں ایک غلطی زبان سے تخصیص کی حقیقت اسلام کے متعلق ہوئی ایک صاحب کہنے لگے کہ مسلمان ہونے کے لیے صرف توحید کافی ہے عقائد رسالت کی ضرورت نہیں، یہ ان کو عقیدہ ایک قسم کے ضلع سے نکلنے میں ہے کہ اگر توحید کا عقیدہ کافی بھی تسلیم کر لیا جاوے سب بھی وہ عقیدہ توحید کا مدرن اعتقاد رسالت متحقق نہیں ہوتا وجہ یہ کہ توحید کی حقیقت خدا کو ذات و صفات میں کامل سمجھنا ہے اور منجملہ صفات باری تعالیٰ صدق بھی ہے اگر کوئی (معاذ اللہ) صدق کو جھوٹا سمجھے تو وہ موحد انکار صفت کمال صدق کے توحید کا منکر ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو جس نے دل سے اس کا یقین نہ کیا اس نے خدا کو جھوٹا جانا تو وہ توحید کا بھی منکر ہوا جواب کے دوسرے دس بیس کی مہلت ہے اس کے بعد ان صاحب کی حالت ابھی ہو گئی الحمد للہ بات یہ ہے کہ ارنٹ جب تک پیاڑے سے نہ نکلے اپنے کو بہت بڑا سمجھتا ہے تو صل میں نہیں کوئی ان کے مذاق کا جواب دینے والا نہیں ملتا اس لیے ان کے دماغ میں

یہ بات تھی کہ میں بڑا ہوں گویا بڑے پیسے سے ٹھاٹھ کے ساتھ میں فرق ہے کہ وہ تو بڑے ہیں یہ خشت بڑے ہیں بلکہ یہ شخص کا قول ہے کہ آج کل کے بڑے بڑائی میں بڑے نہیں اخیر یہ تو لطیفے تھے

دینوی بڑائی کی خرابی ۔ اصل میں بڑائی بڑی خرابی ہے مگر افسوس آج کل کے محقق اس کی تعلیم دیتے ہیں خودداری جس کا نام ہے یہ بھی وہی بڑائی ہے افسوس یہ بھی شائع کر رہے ہیں جس کی جڑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاٹی ہے جانتے ہو خودداری کا بانی کون ہے شیطان ہے جس نے ستر ہزار برس تک عبادت کر کے جب اس کو ارشاد ہوا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم کو سجدہ کرو تو یہ قصہ ہوا کہ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا) سب نے تو سجدہ کر لیا اور یہ کہتا ہے میں نہیں کرتا اس واسطے کہ مجھے عنصر اعلیٰ یعنی آگ سے بنایا ہے اور آدم کو عنصر ادنیٰ یعنی خاک سے بنایا ہے غرض یہ اصول خودداری اسی نے ایجاد کیے ہیں جو اس کے وارثوں کو میراث میں پہنچتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے وارثوں میں یہ بات کہاں سے آتی ان کی یہ میراث ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ جو شخص اللہ کے لیے تواضع کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتے ہیں اپنے کو بلند نہیں سمجھتے اور نفی اگر کوئی بڑائی کرنے بھی لگے تو ہماری بڑائی کیا ہے ؎

ز خاک آفریدت خداوند پاک — پس اے بندۂ افتادگی کن چو خاک
ترا با چنیں تندی و سرکشی — نہ پندارم از خاکی یا آتشی

(اللہ تعالیٰ نے تجھ کو خاک سے پیدا کیا ہے پس اے بندہ خاکساری اختیار کر تجھ کو ایسی تندی و سرکشی کے ساتھ میں نہیں سمجھتا کہ تو خاکی ہے یا آتشی۔)

دنیا میں تین چیزیں ایسی ہیں جن پر کوئی پردہ نہیں رہ سکتا ہے ایک مال، دوسرے جمال تیسرے کمال۔ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کسی پر تو کیا بڑی کسی چھوٹی سی چیز کو ذرہ بھر بھی چھپا دیجئے ایک دن میں سارے کی بڑی چھپکلی پیدا کر کے کر چھوڑتا ہے۔ آپ رہا جمال تو بھلا کر سے بنا کر کہ دو ہفتہ میں جنرل بھوت کی شکل بنا دیتا ہے پھر کسی صورت سے آپ کی شرم آنے لگتی ہے۔ رہا کمال تو قدرت کی بات کا مدار ایک دماغ پر ہے دماغ پر کوئی آفت آجائے جیسے وہ بھی گیا یہ حشر ہے بڑائی کا۔ یہ بڑائی عقل کے بھی تو خلاف ہے یہ تو دنیا کی بڑائی تھی

دین کی بڑائی کی خرابی بعض کو دین کی بڑائی کا زعم ہو جاتا ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھا اور اجتہاد شروع کر دیا ترجمہ سے بدون حقیقت شناسی کے اجتہاد کرنا ایسا ہی ہے جیسا کسی شخص نے گلستان کا مقفیٰ ترجمہ دیکھ کر اختیار کیا تھا اس میں یہ شعر دیکھا تھا کہ ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی

(دوست وہ ہے جو پریشانی اور بد حالی میں دوست کی مدد کرے۔) ان کو ایک جگہ ان کے دوست پٹتے ہوئے مل گئے مگر وہ بھی کچھ کچھ ہاتھ پاؤں چلا رہے تھے آپ نے اس دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے بس خوب پٹے اس نے بعد میں پوچھا یہ کیا حرکت تھی؟ تو آپ فرماتے ہیں میں نے دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست؟ دست کا ترجمہ دیکھ لیا غنیمت ہے ورنہ دوست کے پاخانہ کا دست اٹھا کر لاتا ایسے ہی اجتہاد سے ان لوگوں نے دین کی گت بنائی ہے۔

ایک دوسرے مجتہد صاحب نے فخراً بیان کیا کہ جس روز پرچے تھے امتحان کے ہم نے تو نماز میں قصر کیا تھا کہ لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم۔ تم پر گناہ نہیں اگر تم نماز میں قصر کرو جب کہ تمہیں خوف ہو ہم کو جواب کے

سمجھ نہ سکے جاتے تھا بڑا خوف تھا اس لیے ہم نے قصر کیا ایک دوست وہاں موجود تھے انہوں نے پوچھا کہ کیوں صاحب جو معاہدہ مشروط ہو دو شرطوں کے ساتھ وہ کیا ایک شرط کے تحقق سے مکمل ہو جاتا ہے انہوں نے کہا ہیں انہوں نے کہا کہ آپ نے قرآن کی آیت پوری نہیں پڑھی لیس علیکم سے پہلے اذا ضربتم فی الارض بھی ہے کہ جب تم زمین میں سفر کرو۔ یہ خوف تھا مگر آپ نے سفر کرکے دیکھ لیا تھا۔ بس ہو چکا اجتہاد آپ نے نماز کھوئی اس کی قضا پڑھتے تھے بھلے مانس قرار غلطی کا کیا تو یہ عادت ہے مجتہدوں کی۔ ایک صاحب نے کہدیا کہ سود حرام ہی نہیں اور لا تاکلوا الربوا میں یہ لفظ ربو بکسر نہیں ہے بلکہ ربا بفتح را ہے جس کے معنی لوٹ مار کرنے کے ہیں چونکہ یہ کہتے ہیں جو مال لوٹ کر لیا جائے گا وہ حرام ہوگا ان مجتہد صاحب کو بھی خبر نہیں کہ کہاں ربا ہو رہوں فارسی سے مشتق ہے اور کہاں عربی قرآن اگر ایسے ہی مجتہدین ہوں گے تو پھر دین کا خدا حافظ ہے ؎

گر بہ میرد سگ و ریزد موش بادوں کنند　　ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

(یعنی گر بلوں کے ہاتھ میں حکومت آجائے تو ملک ویران ہو جائے گا) اگر ان کے قبضہ میں اسلام ہوتا تو خدا جانے یہ کیا گت بناتے مگر وہاں تو ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی کی حفاظت کرنے والے ہیں) خدا تعالیٰ نے خود حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور وقت عجب طرح حفاظت فرماتے ہے کہ ایسے سروسامانی کی حالت میں علماء تیار ہوتے ہیں کہ آج کوئی چیز علم دین کی طرف رغبت دلانے والی نہیں ہے یہ ادھر ہی کی حفاظت ہے کہ باوجود اس ناقدری کے پھر بھی اللہ کے نیک بندے اس طرف متوجہ ہوتے ہیں پس جب وہ خود محافظ ہیں تو پھر بھلا کون دین کو مٹا سکتا ہے ؎

چراغے کہ ایزد برفروزد　　ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

(جس چراغ کو حق تعالیٰ روشن کریں جو شخص اس پر پھونک مارے اس کی ڈاڑھی جل جائے) اگر کوئی کہے کہ ہمارے پاس ریش ہی نہیں تو ہم اس کے لیے کہیں گے کہ بہ نکس تف ریدریش سوزد (جو اس پر پھونک مارے اس کا چہرہ جھلس جاتا ہے) یہ خوبیاں ہیں اپنے کو دین میں بڑا سمجھنے کی۔ اور کس انداز میں چھپا ہوا کردار مقتضی ہے کہ مذہب سب روئے زمین کے لوگوں کا ایک ہو۔ یہ مختلف فرقے آریہ عیسائی شیعہ سنی کچھ نہ رہیں پھر وہ کونسا مذہب ہو سو اگر مذاہب موجودہ میں سے کوئی مذہب تجویز کیا جائے تب تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اس لیے تو سب مسلمان ہو سکتے ہیں۔ رہا دعویٰ عیسائی کیونکہ اس میں تو پھر اسی خلاف ہو گا پس اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تھوڑا تھوڑا رعایت تمام مذاہب کی رکھو اس طرح سے کہ اصل مذہب تو توحید کو قرار دو اور باقی سب مذاہب کے جو جو امور قرار دیئے گئے ہیں ایک لوں یا لعنت پر رہے دو دونوں سے خواص کو کر دو الریا ہوں تو اچھا ہے اس طرح سے سب مل جل کر رہ سکتے ہیں۔

میں کہتا ہوں گورنمنٹ کے قوانین میں کیوں دست اندازی نہیں کرتے بس یہ ہندیاں ہی کا قانون ہے سخت منتق بنانے کے لیے اور یہ قوانین کی حالت ہے جو ہندیاں میں وجود ہیں ان میں بعضوں کو یہ خبط ہوگیا کہ دو چار کتابوں کے ترجمے دیکھ کے عقلمند ہو گئے تصوف کے رسالے دیکھ لیے اور شیخ کامل بن گئے۔ طب کے رسالے دیکھ کر مطب کرنے لگے طبیب حاذق بن گئے اب شیخ کی طبیعت بھی عجائبات سے ہو گئیں مسلم کا ایک سحر پیدا کر لیا ہے جس غلط کا غلہ ہو وہی بات نہ ہو یا بعض جملے مزے چاہیے تھے۔ جیسے ایک سیاح کا قصہ سنا ہے کہ اس نے ایک بیمہ کو دودھ دیا تھا پولیس کمشنر بیمہ کی بیمہ تھی دودھ میں پانی کی شکایت تھی کسی طرح اچھا نہ ہوتا تھا سیاح صاحب نے انجام کے ماہر ہیں سے پتے

پاس سے بوٹی دی خدا کی شان زندہ بھی ہو گئی اب یہ گئے نام ملنگ کس نے پوچھا کہ بڑی بوٹی تھی جو تم نے دی تھی اس کی کیا خاصیت ہے اور کیا مزاج ہے اور اس کا کیا نفع ہے اور اگر نقصان کرے تو کیا تدارک ہے انہوں نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں اس نے کہا کیسی نامعلوم چیز سے تم نے ہمارا علاج کیوں کیا۔ اگر تم مر جاتے یا ہمارا مرض بڑھ جاتا تو کیا ہوتا اس کا چالان کر دیا مقدمہ چلا اور وہ جیل خانہ گئے اس لیے مجتہدوں کو بھی اگر ایسی سزا ملا کرے تو آنکھیں کھل جائیں۔ مولویوں کے قیاس یقیناً سے یہ باز نہیں رہ سکتے اگر مولوی کہیں بھی تو گائیاں کھائیں غرض اس بڑائی کی بدولت ان اجتہادات کی نوبت پہنچی اور ان اجتہادات کی بدولت ان لوگوں نے اسلام کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی بعض جو مدعی اجتہاد بھی نہیں انہوں نے اسلام کے احکام و ضوابط اور ان کا مقاصد و علوم کے ساتھ مزاحم ہونا دیکھ کر اس کی حقیقت کا عجیب عجیب مطلب نکالا چنانچہ ایک شخص مجھ سے کہتے تھے کہ اسلام کی تعلیم کا یہ خلاصہ ہے کہ نہ خوشی میں ہنسو نہ رنج میں روؤ تو یہ معنی اسلام کے سمجھے اور اس کو اسلام بڑا سخت اور جانکاہ نظر آنے لگا۔

حقیقت اسلام غرض افسوس اسلام کو ان میں سے کسی نے بھی نہ سمجھا سو سمجھو کہ اسلام تعلق مع اللہ کا نام ہے اور من اسلم سے یہی مقصود ہے پس اس حقیقت پر اگر مفصل نظر کرو تو اب معلوم ہوگا کہ اسلام کیسی حسین چیز ہے اسلام وہ چیز ہے کہ ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(سر سے پیر تک جس جگہ نظر کرتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوبیت کی ہے۔) اللہ کی قسم جس چیز سے وہ نہایت رحمت بخش اور مصالح کی رعایت کرنے والا مذہب ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اس کی تعریف کر سکوں ؎

قدر جشمن سیاہی رنگ کاغذ مزور دارد کہ حسن بے قصہ عشق سے دولتے می گنجد

(قدر توڑ سیاہی کر بھیک کاغذ کو جلا دے خاموش سے حسن بے عشق کا قصہ ہے دولت میں نہیں سما سکتی) کسی محقق کے پاس چند روز رہو اس وقت سمجھیں گے کہ اسلام کیا چیز ہے اسلام وہ مذہب ہے جس نے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی ہے کہ جب تین آدمی کسی مجلس میں بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ تیسرے کی دلشکنی ہوگی وہ سمجھے گا کہ اس نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے ہاں جب چار ہو جائیں تو کچھ حرج نہیں کہ وہ دونوں بھی سرگوشی کر سکتے ہیں اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شاید دوسرے سے کچھ رکھتا ہو اور لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا ہی حاضر ہوتے آواز دی آپ نے پوچھا من کون ہے انہوں نے کہا انا میں ہوں آپ نے فرمایا انا انا میں میں یہ بھی کوئی جواب ہوا کتنی معقول بات فرمائی ہل آواز سے آپ نے نہیں پہچانا اس لیے پوچھا کون ہے اس کے جواب میں میں ہوں کہہ غلطی ہے اس واسطے کہ اس سے مزید پتہ نہ معلوم ہو جو آواز پہلے معلوم ہوئی تھی وہی اب بھی معلوم ہوئی گر آواز سے پہچانتے تو پہلے ہی پہچان لیتے اور یہاں تک تعلیم فرما کر قانون بنا دیا جب کسی کے گھر جاؤ تو پہلے دروازہ پر اجازت لو کہ السلام علیکم فلاں حاضر ہو گیا ہے آواز دے پھر اجازت مانگو پھر کہو تیسری بار اجازت مانگو تین دفعہ کے بعد بھی اگر کوئی نہ آواز دے نہ جواب دے تو لوٹ جاؤ شکایت مت کرو برا مت مانو کتنی اچھی تعلیم قرآن نے باب اخلاق کا خلاصہ دیا ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

(وہ جگہ بہشت ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو کسی کو کسی سے تنگی ہو)

مطلب غنی کا یہ مطلب نہیں کہ ایک کو دوسرے سے ہمدردی نہ ہو بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے بد نہ ہو۔ اسباب بد کو نہایت اہتمام سے رفع کیا گیا ہے

اس کا نہایت تمام کیا ہے کہ کسی کو کسی سے تنگی نہ ہو اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے بھی دکھلایا حالانکہ آپ پر کسی عورت کو طلاق کرنے میں بھی دریغ نہ تھا مگر پھر بھی آپ نے معاملات میں غور کر کس قدر رکھا تھا کہ حضرت بریرہؓ پہلے ایک باندی تھیں حالت رق میں ان کا نکاح کر دیا گیا تھا اس کے بعد یہ آزاد کی گئیں تو ان کو شرعی یہ حق ہے کہ جو کوئی باندی آزاد ہو جائے تو اسے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے میں اختیار ہوتا ہے تو بریرہؓ نے آزاد ہوتے ہی اس شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا ان کے شوہر انہیں بہت چاہتے تھے انہیں ان کی جدائی ناگوار ہوئی بیچارے روتے پھرتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت دیکھ کر حضرت بریرہؓ سے فرمایا کہ تم مغیث کے ساتھ نکاح کر لو تو بریرہؓ نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم ہے یا سفارش آپ نے فرمایا نہیں سفارش ہے تو بریرہؓ کہتی ہیں میں نہیں قبول کرتی مطلب یہ کہ مجھے ان سے محبت نہیں ہے

ذرا بڑے بوڑھے لوگ عورتیں کہ مغفرت کا سودا ہے آج کسی پیر صاحب کسی مولوی صاحب سے بیعت کا ہی گٹھ جوڑ کر کے اپنے پیچھے لگا لیں تو خوش ہوں گے فلاں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ گئے کہاں کی مولویت کہاں کی پیری؟

آزادی کے غلط معنی

اب تو ہم میں یہ اتر آیا کہ دوسرے کو مجبور کرنا چاہتے ہیں ہمارے دل میں ایک مدعی آزادی کو دیکھ کر گدگدی ہوئی دونی تھی ہر ایک نے مارکہ دیئے سمجھ لیا اس نے کہ یہ نہیں چلے گی کہا چلا دیا اس نے کہا کیوں کر چلا دوں کہا جس طرح ہم نے چلا دی ہے ارے تو تو خاموش رہ تجھے اس واسطے تو نے چلانی وہ ہے تمہارے طرح کیسے چل سکتی ہے وہ ہی روٹی ہوا جو گیا ہوا تمہیں ہے کہ تہذیب ہے

تم معاملات میں جس کی حرص کرتے ہو وہ تو بے نہیں کرتے خواہ مخواہ کسی کو ایسے پر اس طرح علم رہیں۔ کیا یہی معنی میں آزادی کے کہ ہم پر کوئی کا پوچھ نہ پڑے اصل آزادی وہی ہے جو اسلام نے تعلیم فرمائی ہے جس کا حاصل ہے

ع بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

ان دعوت سے بڑھ کر ایک اور قصہ مسلم شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے شوربا پکایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی آپ نے فرمایا کہ بھی عائشہ بھی چلیں گی لوگوں نے کہا نہیں فقط آپ آپ نے فرمایا کہ پھر میں بھی نہیں چلتا انہوں نے کہا نہ سہی وہ چلے گئے دوبارہ پھر آئے پھر یہی گفتگو ہوئی پھر چلے گئے تیسری مرتبہ میں انہوں نے حضرت عائشہؓ کی بھی دعوت منظور کی سبحان اللہ کیا آزادی ہے غیبت سے نکلف کہہ دیا کہ نہیں اور جب وہ اس قدر آزاد تھے تو صدیق جو انہوں نے حضرت عائشہؓ کی دعوت بھی کر دی تو وہ اسوقت ان کی رائے بدل گئی تھی جبر کی کوئی بات نہ تھی اللہ اکبر۔ یہ ہے آزادی دیکھ کر کہ تو ہمارے ساتھ چل ورنہ میں حکیم معین الدین صاحب ان کے یہاں مولانا گنگوہی تشریف لائے اس روز ان کے گھر میں سناٹا تھا عرض کی میرے یہاں تو آج کچھ ہے نہیں اگر آپ فرمائیں تو کسی اور کی دعوت کی ترغیب دوں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں۔ تمہارے گھر کا قصد ہے تو میں بھی فاقہ کروں گا یہ ہیں متبع سنت وہ تھوڑا سا کہ دو چار اختلافی مسئلوں میں تشدد کر دیا بس متبع سنت ہو گئے مولانا کی برکت سے شام کے وقت ایک شخص آیا حکیم صاحب کو کچھ روپے نذر دے گیا اب کیا تھا مولانا نے فرمایا بگیڑ نہ کرنا حکیم صاحب نے عرض کیا واہ فاقہ کے بعد بھی بگیڑا نہ ہو تکلف کا کھانا تیار کرایا۔ حضرت! کیا بے آزار رنگ ہے گاڑھے کے کپڑے میں اس میں بھی راضی ہیں دوشالہ ہے تو اس میں بھی خوش ہیں اور اصل آزادی تو

اہل اللہ میں ہے مگر ریاداروں میں بھی پوری وضع میں بہ نسبت نئی وضع کے کچھ کسی قدر آزادی ہے جو حق چاہے یہ ہیں بچے آج کل اگر کوٹ پتلون فیشن کے خلاف لگی باندھیں تو وہ فیشن کے بالکل خلاف بخلاف پوری وضع کے کہ ع لگے زیبا دستگلے بالا ایک نہ بندا پر دو ایک نیچے) سب کہتا ہے پس آزادی تو یہ ہے اور یہ وہ تو جکڑبندی ہے خدا جانے اس کا نام آزادی کس نے رکھا ہے جب فیشن ہے تو آزادی کہاں وہ تو اچھی خاصی قید ہے۔

خود بینی و خود رائی۔ غرض اسلام کی حقیقت اور اس کی تعلیمات کو دیکھئے تو بھی اس کا حسن و جمال معلوم ہو اور جو لوگ اس سے کورے ہیں انہوں نے حقیقت ہی نہیں سمجھی سو اسلام کے معنی ہیں اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا اور جب سپردگی ٹھیری تو ایک ذرہ برابر جز میں بھی اگر خود رائی ہو گی تو سپردگی کہاں رہے گی۔ اب بالکل سمجھ میں آجائے گا کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہننا اسلام کے خلاف کیوں ہے اور ڈاڑھی کٹانا منڈانا اسلام کے خلاف کیوں ہے نہ پاجامہ کرتا ٹوپی کی خاص اوضاع اسلام کے خلاف کیوں ہے۔

اور اس سپردگی کی ایک مثال ہے کوئی مقدمہ ایک وکیل کے سپرد کر دیتے ہیں یا پنچ کے سپرد کر دیتے ہیں اس عارضی سپردگی کا یہ اثر ہے کہ پھر اس میں کوئی رائے نہیں دیتا خود وہ کہے مانتا ہے جو وہ کرے کرتا ہے اسی طرح خدا کے سپرد کرنے کے بعد بھی رائے زنی نہ کرنا چاہیے یہ ہے تفویض الی اللہ اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کہ بہ از ایں مذہب خود بینی و خود رائی

(عالم عاشقی میں اپنی فکر اور اپنی رائے کا عمل بے کار ہے اس طریق میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے)

اس زمانہ میں دونوں مرض عام ہیں عام طور سے اسلامی مسائل میں رائے دیتے ہیں کہ

ہمارے خیال میں یوں ہونا چاہیئے تھا مگر کیا چیز؟ تمہاری ایسی ہی مثال ہے کہ ایک کاغذ کا مل ہے جس میں سینکڑوں آدمی نوکر ہیں اس میں حوض بھی ہوتے ہیں اور حوض میں پانی بھی ہوتا ہے جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کے ایک قطرہ میں لاکھوں کیڑے ہوتے ہیں جو خوردبین سے نظر آتے ہیں ان کیڑوں میں سے ایک کیڑا آپ سے یہ کہے کہ میری رائے میں آپ اس کارخانے کے بجائے فلاں کارخانہ کو رکھ لیجئے آپ بہت ہنسیں گے کہ وہ کیڑا جو کہ پانی کے ایک قطرہ سے بھی لاکھوں حصہ چھوٹا ہے ہمیں رائے دیتا ہے اسے کیا حق ہونا چاہیئے جو اس کے لئے آپ کے کاغذ کے کارخانہ میں وقعت رکھتی ہے۔ وللہ خدا کے کارخانہ میں آپ کی رائے کا بھی اسی وجہ سے بلکہ اس سے بھی بدرجہا زیادہ ذلیل وخوار ہے وللہ بغاوت عظیمہ ہے کہ ہمارے خیال میں۔ ہمارا خیال ہی کیا چیز ہے شرم نہیں آتی کہ خدا کو رائے دیتے ہو حالانکہ تم خدا کے مقابلہ میں اتنے بھی نہیں جتنا تمہارے مقابلہ میں وہ کیڑا ہے، کیونکہ کمالات باری غیر متناہی ہیں اور تم متناہی اور وہ کیڑا بھی مثل تمہارے متناہی، تو رائے تمہاری کیا ہے؟

لطائف آیت، حاصل یہ کہ سپرد کر دینے کے بعد پھر رائے نہیں دی جایا کرتی جس طرح مقدمہ وکیل کے سپرد کر دینے کے بعد کوئی رائے نہیں دیتا اسی کو فرماتے ہیں اَسْلَمَ وَجْهَهٗ (جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا) باقی ذات کو وجہ سے کیوں تعبیر کیا۔

سو وجہ کہتے ہیں منہ کو عموماً مفسرین نے تو یہ لکھا ہے کہ یہاں تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے یعنی جزو بول کر کل مراد لیا ہے۔

اور وجہ تخصیص یہ کہ وجہ تمام اعضاء میں اشرف تھا جب اشرف کو سپرد کر دیا تو کل کو سپرد کر دیا مگر ایک اس سے زیادہ بات لطیف ہے وہ یہ کہ پہچان چہرے سے ہوتی ہے

تو گویا تشخص میں زیادہ دخل چہرہ کو ہے پس وجہ سے تعبیر کرنا ذوات مشخصہ کو خصوصیت ہر محل سے بہ تر پہچانے طالب علموں کے کام کی بات تھی۔

ایک بات تو مفہوم یا فہم لوگوں کے کام کی ہی سمجھ میں آ گئی کہ آج کل جو رائے دی جاتی ہے اس کی قوت دماغ کے اندر ہے اور وجہ کو دماغ سے خاص تعلق ہے گویا دونوں متلازم ہیں پس وجہ کو سپرد کرنا گویا دماغ کو سپرد کرنا ہے اور دماغ کے سپرد کرنے کے بعد جب دماغ ہی آپ کا رہا تو رائے اور خیال آپ کا کہاں سے آیا تو یہ تعبیر مشیہ ہے خود رائے کے قطع کر دینے کی طرف۔

اگر کوئی کہے کہ کیا دماغ سے کام لینا اسلام کے خلاف تو سب دماغ ہی کے متعلق ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر مقدمہ کسی پیشہ کے پیرو اور مقلد کو گواہوں کی شناخت کے واسطے کہے کہ کیا اس کو یہ حق دیتے ہو کہ ہمنے تو آپ کے سپرد کر دیا جس چیز کو سپرد کر دیا ہے اس میں اپنی رائے کا دخل مت دو باقی جتنے میں وہ خود دخل دینے کو کہے اس میں دخل دو سو اس طرح یہاں بھی دماغ سے اتنا کام لو جتنا حکم ہے۔

اور یہ تو جبھی تو جب ہیں کہ وجہ کو ظاہری وجہ پر رکھا جائے اور اگر وجہ کو وجہ باطن پر محمول کیا جائے تو یہاں پر وجہ کے معنے قلب کے ہوں گے جیسے اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ الخ (میں نے اپنے قلب کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے) میں کہا گیا ہے کہ یہاں وجہ سے مراد چہرہ نہیں ہے کیوں کہ اس کو خدا کی طرف کرنے کے کیا معنے بلکہ یہاں مراد قلب ہے کہ میں نے اپنے دل کا رخ قلب بنا خدا کی طرف جس نے مجھے پیدا کیا تو یہ اَسْلَمَ وَجْہَہٗ کا بطن اور باطن تھا خلاصہ مجموعہ تو جبھی کا یہ ہوا کہ اپنی ہر چیز کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اب سمجھئے کہ کبھی سپرد کرنا غرض کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی خوف سے اور کبھی

محبت سے منقطع کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی سے غرض کی وجہ سے سپرد کیا کہ کام خوب نکلیں گے تو یہ شرک خفی ہے کہ کام بنانے کے لیے طاعت کرتا ہے خدا کے لیے نہیں کرتا پس یہ تسلیم اس لیے کرو کہ اس کا حق ہے اس لیے ذھوا محبتی بھی فرمایا کہ سپرد کرنے میں اخلاص ہو یہی کوئی غرض وابستہ نہ ہو۔ چنانچہ سلام جب ہی مقبول ہے کہ اس میں ریا نہ ہو کیوں کہ یہ خلاف اخلاص ہے۔ اس تفسیر کے بعد معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام مطلوب کی یہی حقیقت ہے کہ خالص للہ کے موجاؤ آگے احسان کے متعلق بھی بہت مضمون تھا مگر اب وقت نہیں رہا انشاء اللہ کسی موقعہ پر مستقلاً بیان کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد یہ وعدہ ہے کہ فلہ اجرہ عند ربہ اس کہنے سے اس کا اجر ہے اس کے پروردگار کے نزدیک فلہ اجرہ پر کفایت نہیں کی بلکہ عند ربہ بھی بڑھایا اس میں اشارہ ہے کہ کوئی مزدور سے کہے کہ کام کرو ہم تمہیں کھانا کھلائیں گے دوسرا یہ کہے پاس بٹھا کر کھانا کھلائیں گے اور وہ مزدور عاشق بھی ہو تو کس قدر شوق سے کام کرے گا اور کھانے سے کس قدر مسرور ہو گا عند ربہ اس لیے بڑھایا ہے ؎

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ — جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ
ہر کجا دلبر بود خرم نشیں — فوق گردوں است نے قعر زمیں

(جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگرچہ کنواں ہی کیوں نہ ہو جس جگہ محبوب ہو خوش و خرم بیٹھ وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند تر ہے نہ پست زمین)

سبحان اللہ کیا قرآن کی بلاغت ہے بس یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد — برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

(اس کی عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں

کے دل وجان کو بہت تازہ رکھتی ہے، یعنی دو مذاق کے لوگ ہیں ایک تو روٹی کھوٹے جیسے ہم ہیں ان کو فلاں آجائے سے خوش کر دیا کہ گھر میں روٹیاں مل جائیں گی۔ ایک وہ ہیں جو دیدار کے مشتاق ہیں اس کے واسطے عندیہ فرمایا کہ دعوت ہوگی اور ہمارے پاس ہوگی اور یہ سب انعام ہوا انعام کا کمال یہ ہے کہ منفعت عطا ہو اور مضرت سے بچایا جاوے منفعت کا تو ذکر تو ہو چکا آگے مضرت سے بچانے کا وعدہ ہے کہ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ ان پر کوئی خوف نہیں کوئی قید نہیں لگائی کہ کیسا خوف نہیں گو بعض جگہ سے آخرت کی قید معلوم ہوتی ہے کہ آخرت میں کوئی خوف نہیں لیکن یہاں کا اطلاق گو بحالہ رکھا جاوے تو دنیا و آخرت دونوں کو عام ہے گا رہا یہ کہ دوسری آیات میں محاذف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خوف ہے سو محققین نے جواب دیا ہے کہ لَاخَوْفٌ عليهم فرمایا لَاخوف بهم یا لهم نہیں فرمایا یعنی ان پر خوف کی چیز واقع نہ ہوگی گو خود وہ خوف کیا کریں اس کے بعد ارشاد ہے وَلَاهُمْ يَحْزَنُونَ اور نہ وہ غمگین ہوں گے خوف آئندہ کا اندیشہ ہے اور حزن واقعۂ ماضیہ کے متعلق ہوتا ہے۔

تو حاصل یہ ہوا کہ نہ تو مستقبل میں کسی مضرت کا احتمال ہے نہ کسی ماضی کی فوت سے ان پر حزن ہے کہ ہائے یہ نہ ہوا، ہائے وہ نہ ہوا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ خلاصہ یہ کہ ہر قسم کی مضرتوں سے محفوظ ہوں گے، یہ اسلام پر انعام ہوا۔

اے صاحبو! اس تقریر سے اسلام کی حقیقت یا بلفظ دیگر تعلق مع اللہ کے برکات ظاہر ہو گئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسے نہ اختیار کریں یہ بہت بڑی دولت ہے، بتلائیے تو مجھے کوئی دولت اس کے مقابلہ میں ایسی بتلائیے جو اس سے بڑھ کر ہو تاکہ میں بھی آئندہ اسی کی ترغیب دیا کروں اللہ اگر ایسی کوئی دولت نہیں تو آپ بھی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کیجئے ورنہ حجت تمام ہو چکی اب آپ کے پاس قیامت میں کوئی جواب نہیں ہے اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں توفیق عمل کی عطا فرمائے۔ آمین فقط

الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام

کے بارے میں

مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا ضروری ہے

یہ وعظ ۶ شوال المکرم ۱۳۴۵ھ بروز شنبہ بوقت صبح مسجد خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون میں ۳ گھنٹے ۴۵ منٹ تک ہوا۔
شرکائے وعظ کی تعداد تقریباً پچاس تھی
مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قلمبند فرمایا

اس وقت میں کیا چیز ہے جو مجھے پریشانی و مایوسی کے
تاریک غار میں جانے سے روکتی ہے اور جو مجھے پریشان
ہونے سے پریشانی و مایوسی کے بجائے ——— اور بھی
پریشانی کا خانہ ہی ہے ———

تو میں یہی بات بیان کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے علماء میں کام کرتے
اور محنت سے روکتی ہے اور پریشانی سے وقت بہت بندھاتے
اور وہ کوئی بات نہیں بلکہ وہ ہی ہے جس کا ذکر قرآن میں بھی تقریباً
ہے کہ جس مقصد میں خدا سے دعا کی کامیابی کا ذکر نعمت بڑی ہے

عبد ربنا شتی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ
من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا
ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا
محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا
اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم یایھا الذین
امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون واعتصموا بحبل اللہ
جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذلک
یبین اللہ لکم اٰیتہ لعلکم تھتدون

صدق اللہ العظیم

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنا چاہیے اور تمہیں موت نہ آئے
مگر اس حالت پر کہ تم مسلمان ہو اور مضبوطی سے پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سب کو مل کر اور تم
متفرق نہ ہو اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو تم پر جو تم آپس میں دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی سو تم اللہ تعالیٰ کے
انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے سو
اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام
بیان فرماتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔

ہے، تاکہ پھر ویسے قصے رونما نہ ہوں اور دیگر آفات سے بھی محفوظ رہیں۔

قصہ یہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے پہلے آپ کے دو خاندانوں میں جن کا نام اوس و خزرج ہے، سخت عداوت تھی۔ جب مدینہ کے مسلمان ہو گئے تو یہ عداوت اتحاد سے اور وہ بغض و نفرت دوستی اور محبت سے مبدل ہو گئی اور جب سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے، اس وقت تو یہ اتحاد اور بھی زیادہ مستحکم ہو گیا اور یہ قادیہود کو بہت ناگوار گذرا۔ اور ایک یہودی نے جو اوس و خزرج دونوں قبیلوں کے آدمیوں کو ایک جلسہ میں باہم شیر و شکر دیکھا تو حسد سے جل مرا اور اس نے ایک شخص کو اس کام پر مقرر کیا کہ اوس و خزرج میں جو وقائع و حروب ہوئے ہیں اور ان کے متعلق ہر قبیلے کے شعراء نے اشعار کہے ہیں، وہ اشعار انصار کی مجلسوں میں پڑھ دے چنانچہ اس میں وہ کسی قدر کامیاب ہو گیا کہ اشعار کا پڑھنا تھا۔ فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی و آپس میں تو تو میں میں ہونے لگی یہاں تک کہ لڑائی کا موقعہ اور وقت بھی مقرر ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اطلاع ہوئی آپ ایک پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا ابھی میں تمہارے اندر زندہ موجود ہوں، پھر مسلمان ہو جانے اور باہم متفق و متحد ہو جانے کے بعد یہ واہیات حرکت؟ کیا تم اسلام کے بعد پھر اسی حالت کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو؟

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے سب کو تنبہ ہوا اور سمجھے کہ یہ شیطانی حرکت تھی اور ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی جس سے حاسدین کی کوشش اکارت گئی وَاَمَرَ دَابِرَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ان لوگوں نے ان کیساتھ بُرائی کرنا چاہا تھا، سو ہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام کر دیا۔ کیونکہ اب پہلے سے بھی زیادہ اتحاد ہو گیا اور جس پر معلوم ہو گیا کہ مسلمانیت کی بنا پر باہم قتال و جدال عملی کفر ہے۔ اس لئے ہمیشہ کے واسطے اس کا دروازہ بند ہو گیا۔

---

۱ جنگ صفین جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں جنگ ہوئی۔ اس کا منشا

جس سے دشمنوں کی تدبیریں ہوگئیں، اور صحابہ میں پہلے سے بھی زیادہ محبت و الفت تام ہوگئی۔ مضلین کو بھی بعض دفعہ دھوکہ ہوجاتا ہے کہ وہ ایک کام کرتے ہیں حق کو پہنچانے کے لئے اور اس کا انجام خیر ہوتا ہے، بلکہ بعض دفعہ شیطان کو بھی جو مضلین ہے، دھوکہ ہوجاتا ہے کہ وہ بندہ سے ایک معصیت کرانا چاہتا ہے تاکہ خدا تعالیٰ سے اس کو بعد ہوجائے، مگر اس کو پہلے سے بھی زیادہ قرب بڑھ جاتا ہے۔ بعض دفعہ تو اس طرح کہ وہ گناہ کا ارادہ کرکے پھر خدا کے خوف سے رک جاتا ہے اور بعض دفعہ گناہ کا ارتکاب بھی ہوجاتا ہے مگر اس کے بعد ندامت اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ بندہ روتے روتے ہلاکت کے قریب ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بیچارہ نیاز پسند ہے وہ اس کو پہلے سے بھی زیادہ قرب بنا لیتے ہیں پھر یہ شخص آئندہ کو اس گناہ کے وہ دروازے بالکل بند کردیتا ہے جن کی وجہ سے شیطان کے دھوکہ میں آیا تھا۔ غرض شیاطین الانس والجن دونوں کو بعض دفعہ دھوکہ ہوجاتا ہے جیسا کہ اس یہودی کو ہوا جس نے اس دعوت میں نفاق و شقاق ڈالنا چاہا تھا۔ اگر اسے یہ معلوم ہوجاتا کہ میری سعی کا یہ نتیجہ ہوگا، تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوشش کو صرف اسی وقت میں ناکام نہیں کیا بلکہ آئندہ کا بھی انتظام فرمادیا اور جدال وقتال کے دروازے بالکل بند کردیئے۔

کفرِ عملی چنانچہ اس سے پہلے جو آیات ہیں ان میں اول تو اہلِ کتاب پر ملامت ہے۔ جنہوں نے یہ کارروائی کی تھی اور یہ ملامت بڑی بلاغت سے کی گئی ہے

فائدہ حاشیہ: رحمہ جماعت معاندت نہ تھی مدنی حاشیہ: بعض دین تھا۔ ایک دین دوسرے دین کے خلاف عمل کرتا ہے، کہنا تھا کہ ہمارے دین پر چلنے کے لئے حضرت محمد ﷺ کا ماننا ضروری ہے۔ ہم میں ایک فریق ایسا غلطی پر تھا کہ اپنے اجبار میں ہر ایک حق پر تھا اور خطا اجتہادی معصیت نہیں مدنی ہر بھی جگہ ذمہ ہے ۱۲ جامع

کہ اس فعل پر ملامت کرنے سے پہلے ان کو کفر پر ملامت کی گئی۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ چاہیے تو یہ تھا کہ تم خود بھی مسلمان ہو جاتے، نہ یہ کہ اللہ دوسروں کے گمراہ کرنے کی فکر میں لگ رہے ہو۔ پھر مسلمانوں کو خطاب اور نہائش ہے کہ اہل کتاب کو تمہارا اتحاد و اتفاق، جو ذریعہ ہے دین و دنیا کی ترقی کا سخت ناگوار ہے وہ تم کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ اور اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو ایمان کے بعد کافر بنا دیں گے اور دشمنوں کے فریب میں آکر اپنا نقصان کرنا اور ان کا دل خوش کرنا سخت جہالت و حماقت ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۔ اور بھلا تم کیسے کفر کر سکتے ہو حالانکہ اسباب مانع عن الکفر اکفر سے روکنے والے اسباب پورے طور پر جمع ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور پھر تم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں اور یہ دونوں قوی ذرائع ہیں ایمان پر قائم رہنے کے۔ پس تم کو چاہیے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق ایمان پر اور ایمان کی باتوں پر قائم رہو۔ اور یاد رکھو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے۔ یعنی اس کی طاعت کرتا اور اس کے مخالف کی طاعت نہیں کرتا ہے۔ تو ایسا شخص ضرور راہ راست کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں کفر سے مراد معنی عام ہیں۔ جو کفر اعتقادی و عملی دونوں کو شامل ہے اور قتال و جدال کفر عملی ہے۔ کیونکہ فعل قریب کفر ہے۔ اس سے نا اتفاقی پیدا ہوتی ہے جو گناہ بھی ہے اور قوت و ترقی کی زائل کرنے والی بھی۔ پھر ان بکھیڑوں میں پڑ کر دین حق سے بعد ہو جاتا ہے۔ نا اتفاقی میں ہر شخص دوسرے کو زک دینے کے لئے ہر ممکن سے ممکن تدبیر کو کام میں لاتا ہے۔ خواہ جائز ہو یا ناجائز۔ انسانیت سے قریب ہو یا بعید

اسی واسطے حدیث میں فساد ذات البین کو عالقہ فرمایا ہے کہ یہ مونڈنے والی چیز ہے۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر بھی خود ہی فرمائی لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ بَلْ تَحْلِقُ

ہیں یہ نہیں ہوتا کہ کافروں کو مومن کہتے ہے بلکہ دین کو مومن کہتے اور ظاہر ہے کہ جب مسلمان دین سے بعد ہوگا تو کفر سے قریب ہوگا، اور قاعدہ عقلیہ سے تقریب میں شتی یا خاصیۃ کو جس سے قریب ہوتی ہے حکم سے چکا ہے اسی وجہ سے فقہاء نے قتل و تقلید (بیٹھنے) کی طرف قریب تر کرتا ہے اور اقرب الی بقیاء (ہونے) کے قریب کو قاعدہ ہے کہ فتح کلمۃ غالب کو نقش و غالب نقصہ چاندی غالب و فضہ (چاندی) ہے۔ اس قاعدہ سے مسلمان قریب من الکفر قریب کفر کے کو کفر کہنا اور اس کے مرتکب کو کافر کہنا صحیح ہے۔

صاحبو، قرآن محاورات میں نازل ہوا ہے اور محاورات میں اس کی نظیر موجود ہے کہ جو شخص جس قوم کے اعمال کرتا ہے، اس پر اسی قوم کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کہنہ حرکت کرنے والے کو کہتے ہیں کہ وہ تو چمار ہے۔ یعنی چماروں کی سی حرکت کرتا ہے۔ اس سے یہ شخص نہیں کہتا ہے کہ تم نے چمڑے کے پیشہ اختیار کیا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شخص کہ شیخ و سید تھا تو شیخ و سید نہیں رہا بلکہ صرف یہ ہے کہ یہ کام جو موجب گرفت ہیں ہے۔ اسی طرح یہاں یہ مراد ہے کہ قتل و جدل کرنے والا عمل کافر ہے گرفت میں مرتکب ہے۔ پس جیسا کہ چماروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقی چمار جس کی ذات ہی چمار ہو ایک عملی چمار جو چماروں جیسے کام کرے۔ اسی طرح کافروں کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی کافر جو عقیدۃً کفر کے مرتکب ہیں دوسرے عملی کافر جو کافروں جیسے کام کرتے ہیں۔

یہ تقسیم محاورات کے بالکل موافق ہے۔ کوئی دقیق بات نہیں۔ مگر خوارج و معتزلہ کی عقل ماری گئی کہ انہوں نے اس محاورہ کو نہیں سمجھا اور محاورہ کے موافق مستعمل لفظ میں تدقیق کرنے لگے۔ کفر کو حقیقی معنی پر محمول کر کے یہ سمجھ لیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔ درآنحالیکہ یہ کفر کا دریا خارج عن ایمان ہے۔ جب ان لوگوں نے قرآن کے معانی کو بدلنا شروع کیا تو اہل حق کو جواب دینے کی ضرورت

ضرورت علم کلام

ہوئی۔ اگر خوارج و معتزلہ کی عقل ماری گئی کہ انہوں نے اس محاورہ کو

ہوئی اور انہوں نے سب بیان ... تحقیق کی، صحابہ کرام کی ضرورت نہ تھی یہ وہ سب
کے سب محاورات سے جاننے والے اور ... کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے ...
باہم بے تکلف ملا ہوتے تھے۔ اس لئے کہ ایسے مسائل میں تفصیل ضرورت نہ تھی
اور جب تفصیل ضرورت تھی اس کے ساتھ ہوتی تھی ... اس وقت علم کلام کی تدوین کی
ضرورت نہ ہوئی تھی۔ ... علم کلام کی ... زمانہ میں تو لوگوں کی تدوین کی ضرورت نہ تھی
... کا ... تھا ... تھا ... کلام ... تھا ... اس سے بحث نہ تھی ... اس
کو نہ ہے اور جب ... اس صورت میں علیہ السلام کو ضرورت ہے بھاگنے و ... ہوئے
... فضائل ... تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم و ... کو ... آپ کو نماز پڑھتے
ہوئے دیکھا تھا ... کی ... پڑھتے ہوئے جیسے آپ پڑھتے تھے ... ان ... کو ... کی
حاجت نہ تھی ... ہیں ... ہے ... جب ... ہوتا ... وہ ... کا ... پینا
ہے وہ ... تحقیق ... ہے ... ہے ... ہے ... مگر جب ... کی
... پینا ... ہو ... تحقیق ... ہے ... تو ... حد ... وغیرہ ... تحقیق
بھی بیان کرنا پڑا اور اس کو ... بھی کرنا پڑا ... پر ... نہ ... کرنے تو ... کا
کرنا بھی نہ ہے۔ وہ جزو اعظم ... سے ... بھی ... مقصود ... کسی درجہ میں تو
کافی ہے ... ہو ... ہوئے ... نہ ہوا۔ تو ... حضرات صحابہ ... کے طریقہ ... پر
... عبادات کو ... کرتے تو ... تحقیق فرض ... ہیات ... شروط ... کی
ضرورت ... تھی ... سب ... مذہب ... پر ... تو ... شروع نہ کرتے تو
تکلیف کو ... کہ ... تم نہ کرتے ... تحقیق کی ضرورت نہ ہوں ... ہیں ... مگر ... ہے
یہ کفر حقیقی ... ان کو ... ہوں ... کی ... بیان کرنا پڑتی ... تکلیف کو بھی ... کی ضرورت
جب ... ہوں جب کہ ... بدعت ... تکلیف ... کرے۔

اور یہ یقینی ہے کہ اگر علماء قرن ... سنت ... پر ... تو ... سے نفع

بدقیقات سے احتراز

میں تشکیک ہیں کہ شیطین سے جو پھر حقیقت تک آتی کی وہ ایک ضروری کاروائی جس پر مخالفین
بل مدعیت دعوی کی تبلیغ سے ان کو بھلا دیا کہ کس نوع سے حفظ بات ہوئے
نے ان کی پھلڑیں جن کے چھڑنے پر وہ کھو بیٹھے اور ایسی کیات کی تما بہت تلقین
ہے دلیل مخالفین کا یہ طلب ہے نہیں ہے مسلمانوں وقت پر ہیں
سے تقدیمان نہ پاہیے بلد
ورس کی فہم میں سدستی نہ ہو
میں سے کار لیا جائے اور خواب
چاہیے خصوصاً علوم تو ہیں
سے سمجھا جائے یہ
مشکل وہاں سے
یہ سے میں
سے ورنہ سے
تعرض کرے تو
بعد بہ نسبت فلسفیات کے تصوف کی تفصیل
مگر سی تبرا تھا کہ تصوف
علوم اشیفیہ کی تحقیق نہ ہو جو واقع میں
ذاں ہوں سے اس لئے وہ
فلسفہ علم حکمت کو کہتے ہیں جو قرآن
قیقہ زندہ سے سنا کرتا ہوں کہ
سے کبھی کسی وقت شبہات کا

علوم کشفیہ کا مقام

نظر آئے مگر علوم نہ مقبول اور صحیح یہ مقبولات بھی ہیں سے معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے معلوم نا مقبولوں میں ملا مشکل ہماری ہے یہ بر سبیل کی بات کو نا مقبول کیسے کہیں ہمارا مذہب نہیں ، سو فرمائیے کیوں ہوئے ہیں کہ اس نکاح کا ثواب کچھ نہیں گیا مگر یہ مسئلہ سمجھ میں آجائے کے بعد اس دوسرے سوال کا سمجھ لینا کہ کیا چاہیئے کہ مرد کو تو اس قید نہ ہو ہے کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کا مشغل دنیا سے وہ دل کو بھی پھیر کے رکھ دیتا ہے اور خود بھی نکل جاتا ہے ، بھلا یہ تعلق کو نکاح بھی کر لینے کی مستحق ہے تو اس کو یہ تو مناسب نہیں کہ اس کے طور سے قطع کر کے بازار میں کسی جگہ کو نکاح کرے جہاں بازاری عورتوں کا مجمع رہتا ہے ۔

صاحبو ! بہتر تو یہی ہے کہ [illegible] عورت نظر ہی نہ پڑے اور نہ کبھی تو یہی [illegible] مشق رہی رہ جائے گی تم ہزار نگاہ نیچی کر چاہو کہ وہ پھر پر تو نظر [illegible] کر بھی لی تو بہت بار نظر سے [illegible] دفعہ دل پر ایسا تیر لگتا ہے کہ پھر نہیں نکلتا ، پھر یوں کہو گے ؎

درد سینہ من زخم ہے تا [illegible] تو نے چہ عجب تیر بے کماں زدہ

تو نے میرے سینہ میں بے تا [illegible] زخم مارا ہے ، حیرت ہے کہ کیا عجیب تیر بلا کمان کے مارا ہے ۔

اس لئے اہل تجربہ کا قول ہے [illegible] راست رو اگرچہ دور ست ، سیدھے راستہ پر چلو اگرچہ دیر ہو ۔)

اس قول پر اہل اقلیدس کو شبہ ہوتا ہے کہ خط مستقیم تو وہ ہے جو قریب خطوط اور صلین النقطتین (دو نقطوں کے درمیان خطوط میں ان سب سے چھوٹے خط کو خط مستقیم کہتے ہیں ، ہونے کے اقرب الطرق (راستوں میں قریب تر) ہوگا ۔ وہ دور کیونکر ہو سکتا ہے ؟ اسی خیال کا نتیجہ ہے کہ عوام تو حدیقات پر حمل کرنے لگے ۔ محاورہ میں راہ راست کہتے

ہیں رہے ہیں کو مطلب یہ ہے کہ جس راستہ میں خطرہ نہ ہو اس کو اختیار کرو اگرچہ وہ دور ہی کیوں نہ ہو۔ اب رہا شبہ نہیں پر عدم شبہ کا معاملہ ہر گز نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ خطرہ سے خالی نہیں۔ جیسا کہ اس معاملہ کا معاملہ ہے کہ وہ بے خطر ہیں۔ اور میں نے وہ قول کشف صحیح کے ماخذ میں نہیں ہے نہ قصہ نہیں دیکھا بلکہ بالقصہ طرے گذرگیا اور آفت گئی او کہیں حاشیہ یا شرح میں اس کا اصل بھی نہ تھا ہیں حد ہے شکر ہے کہ باوجود کسی تفحص کی عدم واقفیت کے اشکال حل ہوا

وہ حل یہ ہے کہ ہم نے ماسلف سب کشف صحیح نہیں ہیں سے ماخوذ ہوا ہے کہ اس باوجود اس عن التلبیس سے جب شرعیہ کے لازم نہیں ہیں کیونکہ ہیں نظائر وجود ہیں جاتا باوجود اس عن التلبیس کے شرعیات سے ثابت ہیں اس کی مثال ہے جیسے اصابہ وحی وغیرہ کہ یہ ثابت ماخوذ عن التلبیس ہے جس کی بنا درست ہے اس کا بعد طور ملطی نہیں ہوتا نظر دین وہ ثابت ماخوذ نہیں۔ ان کے مقتضاء پر عقاد واجب ہے نہ اس کے خلاف کا اتباع جائز ہے۔ ہاں ہو جاتا سوچ سے چھوٹا ہوتا ہے مگر اس پر اعتقاد نہ ہونا ممکن ہے اور اس پر بڑا ہو اور ہو ہوتا ہو۔ ہاں وہ مواقع مستثنیٰ ہیں جن میں شریعت نے اصابہ حجت مانا ہے۔ جیسے آیت ہاں وغیرہ میں نظیہ کا دیں ہیں آتا کہ بادل سا چھٹا اور شعاع کی تمہت رفع ہو گئیں ہیں وہ پتہ اور حق تعالیٰ کا بار بار شکر ادا کیا اور وہ صاف پہاڑ سا ہٹا ہوا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں ہم پر گر پڑے تو چھٹ جائے۔ بس حضرت ہیں نصد پڑکر بغیر کلفہ یہ اعتمادی نہیں۔ بلکہ سلامتی اسی میں ہے کہ نظرت کے پاس ہی نہ جاؤ ؎

ہرگز بلندی کوں نہ فقر بوا کہ زیر ست

حال پدر چا وانزام مکتاب دارم

اکندی رنگ کے ہرگز قریب مت جاؤ کہ زیر ہے ام مکتاب حال پدر کی یاد رکھا ہوں وہ تو شیخ اکبر تھے۔ مگر کہیں تم ان کے طور کشفیہ کو دیکھ کر شیخ اکبر نہ ہو جاؤ جیسے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہ شاہ کے متعلق ہیں ہوتے۔ جب ہم ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آپ ہر کو نصیحت فرماتے تھے اور ہم بھی آپ کے ارشادات کو لکھتے تھے اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے بہت کچھ لکھا۔

آپ کے دربار میں بڑے بڑے اہل وقت حاضر ہوتے تھے اور بہت سے غریب لوگ بھی آتے تھے کافر مسلمان آتے تھے جو پہلی مرتبہ سب نے مل کر اس کو بہت بڑا بزرگ بنا دیا۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی نسبت آپ جانتے تھے کہ ان کا دل دنیا کی محبت سے پر ہے اور آپ ان سے فرماتے تھے کہ آپ یہاں سے جائیں اور اس جماعت کا دل نہ دکھائیں۔ کیونکہ ان کے واسطے آپ کی ضرورت سے زیادہ اس کا مکدر ہونا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھتے تھے ان کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ان کو اپنی طرح سے بزرگوں کے دستر خوان سے کھانا دیتے تھے۔ چند آدمی دیکھے جن میں سے بعض سے آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ بعض کو آپ کا دسترخوان کھانے سے منع فرماتے تھے۔ ان کو دھوکہ نہ دیں۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب اس بات پر ناراض ہوئے تھے کہ ان کو منع کیا تھا اور یہ حکایات لکھی ہیں۔ ابوالفضل نے اکبر کے ایک مکتوب میں ان سب خرافات سے بیزاری ظاہر کی ہے جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ پس خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ ہم نے نہ کہا کہ صاحب کشف صحیح کرامت نہیں ہوتی اور نہ ہر شخص کشف شرط ہے۔ نہ خود صاحب کشف پر نہ دوسرا۔ جیسے میں نے بھی ہمارے خواجہ کو آفتاب سے چھپتے دیکھا ہے مگر ہر شخص یہ بصارت نہیں رکھتا۔ اس پر اعتماد رکھنا اور جب وہ کسی کے خلاف کا اعتقاد حرام۔ بہرحال میں اپنے دوستوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ شیخ اکبر کی تصانیف کا سرسری مطالعہ نہ کریں۔ نہ معلوم کس چکر میں پڑ جائیں۔ تمہارے لئے شیخ اکبر کے شیخ اصغر کی پیچاری بات ہیں تجربہ کے بعد کہتا ہوں

یہ اور مشہور تعلیم ہے کہ متعزلہ، اشعریہ اور حنفیہ تجربہ کار سے دریافت کرو حکیم سے مت پوچھو۔

یاد رکھو کہ علوم شبلیہ و تصوف سے کچھ تعلق نہیں ہے

علوم تشبیہ اور تصوف: چونکہ بعض صوفیہ اہل کشف تھے اور انہوں نے اپنی کشفیات کو تقریر و تحریر ظاہر کیا جس سے ناقص عقل گمراہ ہونے لگے۔ اس لئے حقیقین صوفیہ نے ان کی حقیقت ظاہر کر کے اشکالات کو رفع کرنا چاہا۔ اس نے علوم تشبیہ تصوف سمجھے جانے لگے۔ اور یہ حضرات اہل کشف اپنے علوم کو ظاہر نہ کرتے تو محققین کو ان سے بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وہ اصل مقصود ہی کی تحقیق میں رہتے۔ یعنی سلوک معاملہ تفصیل میں تقرب حق کا مدار معاملہ پر ہے نہ کہ علوم کشفیہ پر۔ جو کچھ کہا اب یہاں سے کچھ میں آگیا ہوگا کہ متکلمین پر جو بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے علوم قرآن کو چھوڑ کر خواہ مخواہ دقیق سے کام لیا یہ ان کی کوتاہ نظری ہے کیونکہ متکلمین نے ضرورت سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے جب کہ لوگ خود تدقیق کرنے لگے اور شبہات میں پڑ گئے تھے۔ اگر لوگ شبہات میں نہ پڑتے تو ان کو ضرورت نہ تھی۔ پس تم بھی شبہات میں نہ پڑو اور سنہ اصلیہ پر ہو تو والی اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔

علماء کی احتیاط امام ابوالحسن اشعریؒ کی حکایت ایک سقہ سے سنی ہے کہ ایک عام ان سے ملنے گئے مگر چونکہ صورت سے ناآشنا تھے اسلئے خود آپ ہی سے پوچھا کہ شیخ ابوالحسن اشعری کون سے ہیں؟ فرمایا میرے ساتھ دربار شاہی میں چلو، وہاں بتلاؤں گا۔ چنانچہ دونوں دربار شاہی میں پہنچے۔ وہاں ہر قسم کے علماء مجتمع تھے محدث بھی، فقیہ بھی، فلاسفہ بھی، متکلمین بھی، معتزلہ بھی، اور اہل سنت بھی۔ امام ابوالحسن اشعریؒ کے پہنچنے کے بعد ایک شخص نے ذات و صفات کے کسی مسئلہ میں گفتگو شروع کی۔ اس کے بعد دوسرے علماء نے اس سے متعلق اپنی اپنی تحقیقات بیان کیں۔ معتزلہ نے اہل سنت کے مسلک پر اعتراضات

کیے۔ اہل سنت نے ان کو جواب دیا۔ یہ سب کو سن کر خاموش بیٹھے رہے۔ جب سب علماء کی باتیں ہو چکیں تو یہ شیخ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد سب باتوں کا جواب دیا۔ ان کی تقریر سن کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ پھر یہ شیخ نے کہا کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی تحقیق کرنی ہو تو ہماری کتابیں دیکھ لیں۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی تحقیق کرنی ہو تو ہماری کتابیں دیکھ لیں۔

یہ شیخ کل علماء سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ ان سے جو سوال کرتے تھے اس کا جواب دیتے تھے۔ جب کسی مسئلہ میں بحث کرنے لگتے تھے تو فوراً حل کر دیتے تھے۔ حاضرین ان کی باتوں کو سن کر کہتے تھے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں اور یہ کہ یہ شیخ بڑے عالم ہیں۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے سب کو معلوم ہے۔

ریاحات کے بیان سے معلوم ہوا کہ شیخ کی یہ تحقیق ہے کہ ہر شخص اپنے علم کے موافق بات کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے شیخ کی تعریف کرتے ہوئے

فہم کا نہیں۔

کہا تم نہیں سمجھ سکتے وہ میں ہے شخص سے خطاب نہیں کرتا تم ان کی باتوں کو کر سکتے
مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتا تم ان کو خطاب نہ کرو اگر میں ان کے سامنے تقریر کروں گا تم بھی
اس پر ہنسو گے اس سے تم یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ تم نہیں سمجھ سکتے وہ یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان کے
کے پاس تمہارے سوالوں کے جوابات ہیں۔

میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ صاحب سکول کے معلم تھے جس کی وجہ یہ ہے
کہ ایک صاحب نے مقدمہ کو عقلی طور پر ثابت کیا تھا کہ کسی نے ڈکا تو نہیں، غلطی ہوئی ظاہر سے
کھلا ہوا ہے تھا۔ انگریزی میں تو ایسے ہو جاتے ہیں دوسرے یہ ہے کہ اصلیت
اعتراض کا اور بھی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ انگریزی جو ان کو تعلیم دی گئی ہے اس نے
سے بے نیاز ہیں یعنی علاقہ جو ان کے کانوں سے ہیرے پن جاتے ہیں کہ ہم سے دور
قریب ہیں اس پر دلوں یہ ہے کہ ہم بات کرتے ہیں ورنہ ہمارے علماء بڑے خوش خلقی سے
کہ ان لوگوں کے ہر سوال کا جواب دی تقریر سے گئے ہیں اور کامیاب ہیں ان کے سامنے
کرنے لگتے ہیں یہ خوش خلقی نہیں بلکہ ان کا اپنا ہے۔ تم تو سوال کا پیٹ جانتے
کیونکہ تمہارے پاس مسترد دلیل موجود ہے یہ وہ سوال دیتا ہے کہ اس کا جواب
کی تقریر جو ہو سکے سامنے کرنا ہے۔ یہ وہ سوال ہے جو ان کے پاس نہیں ہے
علاقہ ان کے پاس ہیں ہیں ان کو وہاں جواب دینا ہے قرآن و حدیث کی ہے
کا اور جو اس جواب کو نہ مانے اس کو سمجھ نہ کا ہے

ہر کہ بقرآن و خبر اقرار نیست ہست جوش و دولت او را ہیچ ہے

جس شخص سے قرآن و حدیث سے دلیل چھوٹ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دو

بحث و تسلی یہ ہیں قسم بتا ہیں کہ اطمینان و تسلی ان سے ہوتی ہے کہ ہیں اللہ و رسول
سے سند یہ اسلام کے حکم دیتے ہیں مانا ہوں اسلام کے دیئے ہوئے
پوری تسلی نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑے معقول و فلسفی ہیں متکلم بھی بڑے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کا خلاصہ [illegible]

حاصل نہ ہو سکے [illegible]

[illegible] کا [illegible] سے [illegible] کا [illegible] کیا ہے کہ یہ شیخ [illegible] رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے گئے تھے، شیخ نے بیعت کیا اور ذکر و شغل بتایا مگر کہا کہ ابھی ہم سے یہ کام نہیں ہوگا، یہ شغل میں مصروف ہوئے تو [illegible] کے بعد یہ محسوس ہوا کہ [illegible] سے دل [illegible] ہو گیا [illegible] شیخ سے [illegible] کا [illegible] فلسفے [illegible] سے [illegible] کی [illegible] سے [illegible] کی [illegible] سے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] کے

سے تمام رومال کو تر کر دیا۔ جب شیخ کی آنکھ کھلی تو انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی توجہ کا اثر تھا جو اس قدر بارش ہوئی۔ آپ جس وقت سے مبتلا تھے، اس پر دو مہینے کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس دوران میں کبھی تیاس نہ کیا کہ آپ کی صحت کی امید بھی ہو سکتی ہے۔ اس وقت شیخ وضو کر رہے تھے۔ ہمارے کی پریشانی دیکھ کر شیخ مسکرائے اور فرمایا اس وقت ایک بہت بڑے کام کا موقع ہے۔ ایک خادم حضرت کو دیکر کہا کہ حضرت چرچ آپ دستگیری فرمائیے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چھڑی ہاتھ میں لی اور ہمارے کی طرف چلے۔ حالانکہ وہ بہت دور اور خاصے پر تھے مگر شیخ کی کرامت کی برکت سے وہ جلد ہمارے کے نزدیک پہنچ گئے۔ جب شیخ نے ہمارے سے یہ کیفیت بیان کی تو کہنے لگے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور میں خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ سے یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ مسجد میں دعا کریں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بیمار ہیں اور صحت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ کے پاس جاؤ۔ جیسے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پڑھتے ہی شیخ کی آنکھ کھل گئی اور دیکھا تو غائب ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بشارت ہے کہ ہمارے کی بیماری دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا

(پیر کا ہاتھ توجہ غائبوں سے کوتاہ نہیں ہے اس کا سوئے اللہ کے دوست کے قبضہ میں نہاں ہے)

اس میں علم غیب کا دعویٰ نہیں ہے کہ پیروں کو (معاذ اللہ) مریدوں کا حال ہمیشہ معلوم ہوجاتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ حضرات مقبولان جن سے توجہ سے وابستہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو محروم نہیں رکھنا چاہتے۔ جس کے طرق مختلف ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے کہ بعض وقت اللہ تعالیٰ ان مشائخ کو کشف کے ذریعے سے اطلاع دے دیتے ہیں اور ان کو حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی امداد کرو اور کبھی شیخ کو اطلاع بھی نہیں ہوتی، کوئی لطیفہ غیبی شیخ کی نصرت میں امداد کر جاتا ہے۔ بس اصل یہ ہے کہ گر بندہ بندہ کی طرف سے وارد ہے تو لطف بھی انہی کی طرف سے درماں بھی ہے ؎

درد ز یار ست و درماں نیز ہم　　دل فدائے دوست و جان نیز ہم

ہماری دوست کی طرف سے درد علاج بھی اس پر میرا دل فدا ہے اور جان بھی۔

ہمارے بھی وہی بیتے ہیں نسخہ بھی وہی چلتے ہیں یہ سردست کا مشاہدہ ہے کہ اس طریق میں جال بھی ہیں اور ان کے کاٹنے کی قینچیاں بھی ہیں۔ اسی کو مولانا نہایت جوش سے فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دام و دد نا ست نہ صد　　ما چو مرغان حریص و بے خرد

دمبدم پابستہ دام تو ایم　　گرچہ شہباز و سیمرغے شویم

گر رہانی ہر دمے مارا ز بند　　سوئے دامے می رویم از بے نیاز

(اے خدا سینکڑوں جال اور دانہ ہیں ہم پرند کی طرح حریص و بے خرد ہیں ہر دم آپ کے جال کے پابستہ ہیں اگرچہ شہباز اور سیمرغ کیوں نہ ہوں ایک جال سے آپ ہم کو رہائی دیتے ہیں ہم دوسرے جال میں پھنس جاتے ہیں)

ایک جال سے نکلتے ہیں دوسرے میں پھنستے ہیں پھر حق تعالیٰ نے اس کے

کاٹنے کو بھی تیز رکھتی ہے۔ بس یہی قصہ ہے کہ ہر وقت کا مرنا اور ہر وقت کا جینا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را — ہر زمان از غیب جان دیگر ست

خنجر تسلیم کے کشتوں کو ہر زمانہ میں ایک اور جان عطا ہوتی ہے

چنانچہ امام رازیؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بصیرت دی کہ شیطان نے ان کو پریشان کرنا تو اس کے بس تھا دوا بھی نازل کی کہ شیخ کو کشف ہو گیا۔ شیخ نے خادم کو اس حال پر مطلع کیا اس نے امام کی سفارش کی کہ دستگیری فرمایئے شیخ کو جوش ہوا کیونکہ وہ ماذون من اللہ تھے اور انہوں نے دعا بھی توجہ کی جس سے امام رازی کے قلب سے وساوس و خطرات رفع ہو گئے اور ہمیشہ کی عافیت بھی کی کہ وہ حرب تعلیم کیا جس نے شیطان کے جال کو تار تار کر کے توڑ دیا۔ اسی لئے تو حدیث میں ہے فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ یہاں فقیہ سے مراد عارف ہے جو مکائد شیطان سے واقف ہو، جزئیات فقہ کا حافظ مراد نہیں۔ کیونکہ جزئیات فقہ تو امام رازیؒ کو شیخ مجم الدین کبریٰؒ سے زیادہ یاد تھے۔ مگر دیکھ لیجئے کہ شیطان کے جال کو کس نے توڑا۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ امر و حکم اور بحث سے تسلی حاصل نہیں ہو سکتی، ورنہ ان سے شیطان جاگتا ہے۔ تسلی کسی سے ہوتی ہے کہ خدا کا حکم یوں ہی ہے بس ہم بدلیل کے مانتے ہیں امر و حکم کے یا علوم کشفیہ کے جو بے نہ ہو وہ خطرت سے خالی نہیں۔ بس طریق تصوف سے اتنا حصہ لے کہ خدمت و احسان حاصل کرو جس کو نسبت کہتے ہیں بس اس سے زیادہ اور کچھ نہ لو۔ صوفیہ کی تحقیقات و کشفیات کا مطالعہ یہ سانپ ہیں ان سے دور رہو ؎

نکتہ ہا چوں تیغ پولاد ست تیز — چوں ندیدی تو سپر زو پس گریز

پیش ایں الماس بے سپر مایست — کز برندش تیغ را نبود حیا

تصوف کی باریکیاں فولادی تلوار سے بھی زیادہ تیز ہیں جب تمہارے پاس ڈھال نہیں ہے واپس آؤ۔ اس تلوار کے سامنے بغیر ڈھال نہ آؤ۔ اس نے تلوار کو کاٹنے سے

حیا نہیں آتی

اور یہ جو میں نے کہا کہ علم اور کتاب سے تسلی نہیں ہوتی تو طمانیت کسی سے ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اس کی تائید اس قصہ سے ہوتی ہی ہے جو بھی بیان کیا گیا ہے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کا علاج یہ بتلایا ہے کہ وسوسہ کے وقت امنت باللہ کہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دلائل معلوم نہ تھے یقیناً معلوم تھے مگر دلائل میں غور کرنے کی تعلیم اسی لئے نہیں فرمائی کہ یہ سلسلہ غیر متناہی ہے۔ اس سلسلہ میں شبہات پر شبہات نکلتے چلے آئیں گے۔

اس سے وہ بوڑھی عورت جو ہر روز ہر ہر بات سے پوچھتی ہے مگر افسوس اس کی

جواب جاہلاں قدر نہیں کی جاتی کیونکہ بوڑھی بہ نسبت جوان کے زیادہ تجربہ کار اور سہل الحصول ہے اور فائدہ ہے ؎

ہر کہ دراں حلقہ بیش ریش تر است کو بہ سے حلقے بقرص نان دہد

(جو شخص کسی چیز کو زیادہ دیتا ہے وہ زیادہ نفع بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بچہ بادام قیمتی ہوتی کو روٹی کے عوض دیدیتا ہے)

لوگ ایسے ایسے جوہروں کی قدر نہیں کرتے

میں کل ہی ڈاک سے ایک پان فروش کا خط آیا تھا جس میں کسی قسم کا سوال تھا۔ میں نے اس کا مختصر جواب دیا تو وہ لکھتے ہیں کہ مختصر جواب سے تسلی نہیں ہوتی۔ چونکہ وہ پان فروش ہے اور پان کا نرخ تو اس نے پانوں کی طرح جواب کے لئے بھی ترکی بازی سمجھی۔

مگر یہ ایسا قیاس ہے جیسا شیخ سعدیؒ کی باندی نے قیاس کیا تھا کہ نیک شخص شیخ سے ملنے آیا۔ باندی دروازہ پر نہ پہنچنے گئی اور کچھ دیر تک اس سے باتیں کر کے واپس آئی تو شیخ نے پوچھا کون تھا؟ کہا عبد اللہ۔ میں معجم سے۔ شیخ نے فرمایا عبد اللہ کیا ہے؟ کہا

اس کی علت یہی کہ کھوہ میں نقطہ یعنی پیسے کم ہیں بجائے عبد اللہ کے بندہ کہہ پوچھ وہ یہ کہتا تھا کہ کچھ نہیں یہ معمولی بات تھی میں نے خود ہی جواب دیا وہ یہ پوچھتا تھا کہ استنجے کا ڈھیلا کب ہوتا ہے۔ کتنا دھویا جائے؟ میں نے کہا کتنا دھویا جائے کہ کھل جائیں چوں چوں ہو جائے۔ جیسے برتن کو رگڑتے ہیں تو وہ چوں چوں کرتے ہیں اس نے موضع استنجا کو برتن پر قیاس کیا، ایسے ہی اس بیوقوف نے جواب سوال کو پانی پر قیاس کیا کہ جب بھی تر ہونا چاہیئے حالانکہ یہ قیاس غلط ہے۔ جواب کے لئے تری کی ضرورت نہیں۔ بعض دفعہ خشکی کی بھی ضرورت ہوتی ہے بلکہ بعض دفعہ ضرب بغیر ضرب لگنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ضرب بغیر ضرب میں ایسی برکت ہے کہ اس سے بہت جلد تر مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ؎

لَوْعَظُ يَنْفَعُ لَوْ يُعْبَدُ حِكْمَةٍ ۔۔۔ اَلسَّيْفُ يُعْبَدُ وَعَلَى لَقْمٍ

نصیحت گر علم و حکمت کے ساتھ موثر نہیں ہوتی ہے جو تلوار مردوں پر پڑتی نصیحت گروں میں سب سے بلیغ نصیحت کرتی ہے

اور کئی مرتبہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے چار کتابیں نازل فرمائی ہیں چار تو مشہور ہیں توراۃ و زبور و انجیل و قرآن و یہ پانچویں کتاب بھی آسمان ہی سے نازل ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے جب چاروں کتابوں سے کسی کی اصلاح نہ ہو تو اس کے لئے پانچویں کتاب کی ضرورت ہے وہ حدید ہے یعنی تعلد اور جوتا۔

ایک شخص وساوس میں مبتلا تھے اور میں ان کا علاج کرتا تھا ایک دن وہ کہنے لگے کہ اب تو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ عیسائی ہو جاؤں میں نے اس کے جواب

میں زور سے ایک رسول رسید کیا وہ بیچارہ تو جاں بحق ہوا بھی میت ہو جا! اسلام کو ایسے ناپاکوں کی ضرورت نہیں۔ اس رسول کی ایسی برکت ہوئی کہ دس برس سے زیادہ زمانہ ہو گیا تمام ان دیف دوستشہادت بھی نہ ہوئے۔

اسی طرح ایک ذکر میں آیا تھا کہ وہ ذکریں ٹھوکر کھاتے تھے میں نے اس کا یہ علاج کیا کہ اپنے پاس بٹھلا کر ان سے ذکر کرایا اور جب بھاگنے لگے تو ہاتھ پکڑ کر بٹھلا دیا اور دو دھپ رسید کئے۔ پھر ٹھوکر کھانے کو یہ جوش نہ آیا خیر یہ طرز عمل تو سب کے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہماری صورت نہیں بن سکتی تو ہو سکتا ہے کہ جاہلوں کو منہ نہ لگایا جائے۔ ان کے ذہنی سوالات کا خشک جواب دیا جائے۔ اس سے بھی ان کا دماغ درست ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ایک بار میں بہار پور گیا تو وہاں ایک صاحب بہشتی زیور بغل میں دبائے ہوئے آئے، اور ایک مسئلہ دکھا کر مجھ سے کہنے لگے کہ یہ مسئلہ دیکھ لیجئے میں نے کہا کہ میری تو ساری کتاب بار بار کی دیکھی ہوئی ہے۔ مجھے آپ کیا دکھلاتے ہیں؟ کہنے لگے یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا یا اس کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی؟ اگر مطلب سمجھ میں نہیں آیا تو میں اس سے زیادہ آسان عبارت میں بیان کرنے پر قادر نہیں میرے نزدیک بہشتی زیور نہایت آسان اردو میں ہے۔ کہنے لگے کہ مطلب تو سمجھ لیا دلیل سمجھ میں نہیں آئی میں نے کہا کہ کیا اس مسئلہ کے سوا بہشتی زیور کے تمام مسائل کی دلیلیں آپ نے سمجھ لی ہیں؟ یا اور بھی کچھ ایسے مسائل ہیں جن کی دلیلیں معلوم نہیں ہوئیں؟ اور اگر سب کی دلیلیں معلوم ہو چکی ہیں تو مجھے سوال کی اجازت دیجئے کہ میں کسی مسئلہ کی دلیل آپ سے دریافت کروں؟ کہنے لگے کہ نہیں اور بھی بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی دلیل مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا پھر اس کو بھی اسی فہرست میں داخل کر لیجئے اسی کی دلیل جاننے کی کیا

ضرورت ہے۔ بس اب ان کی سنطق ختم ہوئی اور کتاب بغل میں دبا کر رخصت ہو گئے بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے تین روز سے حضرت علامہ کے مکان پر کو ٹنگ کر رکھی تھا اور وہ حضرت خوش خلقی سے اس کو دلیل سمجھ رہے تھے لیکن میں نے چار منٹ میں اس کو لاجواب کر کے اٹھا دیا۔

ان کے جانے کے بعد ایک صاحب جنٹلمین تشریف لائے وضع قطع اور تہذیب وغیرہ ہی کے لہجے میں فرمانے لگے کہ بعض جہلاء اس مسئلہ پر طعن کرتے ہیں جس سے ہمارا دل دکھتا ہے کہ ہمارے سامنے ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہا جائے کیا مناسب ہے کہ بہشتی زیور کے اس مسئلہ کے متعلق جو مخالفین کا اعتراض ہے اس کے جواب کے لئے ایک جلسہ منعقد کر کے حق کو واضح کر دیا جائے۔ میں نے کہا آپ کی خیر خواہی میں شک نہیں مگر یہ بتلائیے دنیا میں ایک جماعت یعنی دشمنان خدا تعالیٰ کی اور ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ایک جماعت صحابہ کی اور مجتہدین کو برا بھلا کہتی ہے اور یقیناً سب سے بھی آپ کا دل مجروح ہوتا ہے آپ نے اس کا کیا انتظام کیا ہے؟ ہر کام ترتیب سے کیا ہوتا ہے آپ پہلے ان جماعتوں کا انتظام کر لیجئے اخیر میں ایسے جماعت کا بھی انتظام کر دوں گا جو بہشتی زیور پر طعن کرتے ہیں بس اس کا کچھ جواب نہ تھا میں کہتا ہوں کہ جاہلوں کا جواب علمی جوابوں سے نہیں ہو سکتا میں ان کے لئے تو یا پانچویں کتاب ہو یہ کہ ان کو جواب مت دو بلکہ دھتکار دو۔ حشتک جواب تو دو جیسا میں نے سہارنپور میں دیا تھا۔

ہاں اگر کوئی استفادہ کی غرض سے سوال کرے اور اس میں استفادہ کی قابلیت بھی ہو تو اس کے لئے ہم ہر وقت علمی جواب دینے کو تیار ہیں اور اگر استفادہ مطلوب نہ ہو یا اس میں اس تحقیق کی استعداد نہ ہو تو اس کو علمی جواب ہرگز نہ دو کیونکہ اس سے اس کی اصلاح نہ ہوگی بلکہ اور زیادہ ہلاک ہوگا اور شبہات کا سلسلہ بڑھتا چلا جائیگا دیکھو اگر ایک

پوچھا آدمی آئے وہ یہ کہے کہ میرے سر پر دس کا روپیہ ٹھوکا دو تبلائیے ہم ہونا روپیہ کا بوجھ اس کو ٹھوکا دیں یقیناً اس کا تو کچھ نکل جائیگا۔

جیسے ایک شخص کا قصہ ہے وہ رات کو بستر پر پیشاب کر رہا تھا بیوی نے ملامت کی کہ یہ کیا حرکت ہے کہ بڑی عمر کا آدمی ہو کر رات کو بستر پر موتتا ہے کہنے لگا سب تدبیں رات کو یہ روز شیطان خواب میں کہتا ہے کہ چلو میرے ساتھ باغیچہ میں ساتھ ہو لیتا ہوں راستہ میں پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت میں اپنے نزدیک قدمچہ پر بیٹھ کر پیشاب کرتا ہوں اور وہ جنت نکل جاتا ہے۔ بیوی بھی اس کی بے وقوف تھی کہنے لگی کہ جب شیطان جو جنات کا بادشاہ ہے تمہارا ایسا دوست ہے تو اس سے یوں کہنا کہ تم غریب آدمی ہیں کہیں سے بہت سا روپیہ ہم کو دلا دے۔ بڑے نے کہا آج کی رات یہ ضرور ہوں گا چنانچہ رات کو خواب میں شیطان آیا اور اس نے بیوی کی فرمائش اس سے ظاہر کی۔ شیطان نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے دونوں چلے اور خزانہ میں لے جا کر شیطان نے اس کے اوپر روپیہ لانا شروع کیا تھا کہ جہاں کا گوہ نکل گیا صبح کو آنکھ کھلی تو خزانہ تو غائب البتہ بستر پر پیشاب کے ساتھ گوہ کا ڈھیر موجود تھا۔

بیوی نے کہا کیا واہیات ہے؟ اس نے سارا قصہ کہا وہ کہنے لگی کہ میں ایسے خزانہ سے باز آئی تم پیشاب ہی کر لیا کرو تو اچھا ہو۔ تحمل سے زیادہ کی پر بوجھ ہونے کا ایسا ہی نتیجہ ہے کہ اس کو حاصل تو کچھ نہ ہوگا ہاں ہلاکت میں پڑ جائے گا۔ اس لئے ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مناظرہ سے بہت نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی تم سے کسی مسئلہ میں بحث کرے تو تم بحث بھی کرو جلد سب رطب و یابس اس کے سامنے رکھ کر خود الگ ہو جاؤ اور کہہ دو کہ تم اس میں حق و باطل کو خود ہی انتخاب کر لو جیسے ایک شخص سے کسی نے مذاق سے کہا تھا کہ یہ جو تمہاری ڈاڑھی میں سفید سفید بال ہیں ان کو رنگ کر دو۔ حجام نے استرہ سے ساری ڈاڑھی جدا کر کے اس کے سامنے رکھ دی کہ مجھ کو اتنی فرصت نہیں آپ خود سفید و سیاہ کو الگ کر لیجئے۔

مولانا رومیؒ نے مثنوی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص بانسری بجا رہا تھا کہ رفتہ

ہوتی تو اس نے بانسری منہ سے لگا دی اور بجانی شروع کر دی۔ اگر تو مجھ سے اچھا بجاتا ہے تو ہی بجا۔ حکایت تو فتش ہے مگر مولانا نے اس سے نتیجہ بہت عمدہ نکالا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب تم کو میرے مضمون بیان سے ہوا و ہوس کی بو محسوس ہونے لگے تو تم چپ ہو جاؤ۔ کیونکہ میرا دم گھٹ جاتا ہے۔ بعض اعتراض جو ہوتے ہیں مولانا نے اس جگہ بڑی لاجواب سے تشبیہ دی ہے۔ واقعی بعض شبہات کیونکہ بڑی اپنی حرافات سے عالم کو مشغول کرتا ہے مگر ان کل طلبہ میں یہ عرض کر دیا ہے کہ وہ ہر شخص کے جواب لینے کو تیار ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کچھ کام نہیں کر سکتے۔ ذرا ذرا سی بات میں بحث کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ میں ریل میں سوار تھا۔ جہاز میں تصویر کے مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی وہاں ایک پڑھا لکھا ہندو بھی بیٹھا ہوا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور کہا میں بھی پوچھ سکتا ہوں (یہ ان کل عادہ ہو گیا ہے کہ وقوع سے صیغہ مکالمہ میں سوال کرتے ہیں) میں نے کہا آئیے جناب پوچھئے۔ انہوں نے کہا کہ جناب سے جناب مارتا ہوں یہ مسئلہ وہ مسلمان جناب نہیں کرتے (کہنے لگا کہ اسلام میں تصویر کیوں حرام ہے) اگر یہ سوال کسی نے مولوی سے کیا جاتا تو وہ گھنٹہ تک اس سے بحث کرتے رہتے۔ اس رمال کو نہیں پاتا میں نے جواب دیا کہ مسئلہ فروع میں سے ہے اور فروع سے اصول مقدم ہیں آپ کو ابھی تک ہمارے اصول ہی مسلم نہیں اس لئے فروع کے سوال کا آپ کو حق نہیں پہنچتا۔ کہنے لگا تو سچ ہے کہ مجھے اس سوال کا حق نہیں مگر میں نے چاہا تھا کہ سفر میں علمی گفتگو سے مشغول ہو جاتا میں نے کہا کہ نہ ہی مسائل کو مشغلہ بنانا آپ کو مبارک ہو ہمارا مذہب ایسا نہیں کہ ہم اس کو مشغلہ بنائیں۔ بس اب وہ خاموش تھا دیا اپنے اس جواب پر سخت شرمندہ تھا۔

اسی طرح ایک بار ایک ہندو میرے ساتھ ریل میں مجھ سے پوچھا کہ اگر کوئی مسلمان ایک نیک کام کرے اور وہی کام کافر بھی کرے تو دونوں کا اجر برابر ہوگا یا کم زیادہ۔ میں نے کہا افسوس ہے آپ مجھ سے ایسا سوال کر رہے ہیں جس کا جواب خود آپ کے ذہن میں موجود ہے کہنے لگا

یہ کیوں ہے؟ میں نے کہا اس نے کہ اس جواب کے مقدمات سب آپ کے ذہن میں ہیں
بنے کہا یہ کیونکر معلوم ہوا؟ میں نے کہا ابھی آپ اقرار کیے لیتے ہیں۔ سنیئے جناب من جانے
کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کو حق اور دوسرے مذاہب کو باطل سمجھتا ہے ایک مقدمہ تو یہ
ہے دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ مذہب حق والا مثل مطیع سلطنت کے ہے اور مذہب باطل والا مثل
باغی سلطنت کے ہے۔ اور قیاعدہ یہ ہے کہ بغاوت ایسا جرم ہے جو اس کے تمام کمالات
کو بیکار اور شتے کر دیتا ہے چنانچہ ہر سی جامع الکمالات بھی کوئی ہو جب سی ہونے لئے کوئی عاقل
یہ شبہ نہیں کرتا کہ اس کے کمالات کو مانع سزا نہیں سمجھتا اور یہ سب مقدمات بدیہی ہیں
جو آپ کو پہلے سے معلوم ہیں اب ان سب کو ملا کر لیجئے آپ کے سوال کا جواب خود مل آئے گا اور
ان مقدمات کو جان کر مجھ سے سوال کرنے کا مطلب جز اس کے اور کیا ہے کہ میرے منہ سے
اپنی نسبت کافر کا لفظ سننا چاہتے ہیں تو وہ آریا اس تقریر پر فریفتہ ہو کر کہنے لگا کہ واقعی میری
نیت یہی تھی کہ آپ مجھے کافر کہیں کیونکہ ایسے منہ سے کافر کا لفظ سننا بھی موجب لذت ہے
میں نے کہا یہ آپ کی لیاقت ہے لیکن میری اسلامی تہذیب مجھے اس سے منع کرتی ہے کہ میں
بلا ضرورت کسی کا دل دکھاؤں۔ ریل میں سفر کرتے ہوئے اتفاقاً یا اتفاق ہوا ہے کہ ہم لوگ کہیں
میں مسائل شریعت کی تحقیق میں گفتگو کرتے تو لقمان کو فوت سنتے اور ان پر اثر ہوتا تھا کیونکہ حق
میں ایک خاص کشش ہے جو باطل میں کبھی نہیں ہوتی۔

چنانچہ ایک دفعہ ہم لوگ باتیں کر رہے تھے تو چند ہندو آپس میں کہنے لگے کہ ان کی
باتوں کی طرف دل کھنچتا ہے دوسرے نے کہا یہ سچے ہونے کی علامت ہے ایک دفعہ ہم باتیں
کر رہے تھے جب اسٹیشن آیا اور اترنے لگے تو ایک ہندو نے حاضرین سے کہا کہ کیا نور بخش
صاحب سالانور یہ اپنے ساتھ لے چلے۔ تو صاحبو! آپ بحث و مباحثہ نہ کریں۔ آپس میں
مسلمانوں ہی سے اسلام کی تعلیم پر گفتگو کرتے ہیں اسی کا کفار پر اثر ہوگا بحث کا اثر نہیں ہوتا
کیونکہ اس میں مخالف ضد پر آجاتا ہے اور سچے طالب تحقیق آج کل کہاں ہیں؟ یہ سب گفتگو

اس پر تھی کہ اس خبر حق تعالیٰ نے قتل و قتال کو کفر دان سے خبر فرمایا ہے وہیں نے کہا تھا کہ یہ مستقل محاورت کے موافق ہے حقیقت پر محمول نہیں۔ خوارج و معتزلہ کی جہالت ہے کہ بنوں نے محاورت و مذاق پر محمول کرنا شروع کر دیا اس نے متکلمین کو علم کلام مدون کرنے کی ضرورت ہوئی اس پر یہ تقریر طویل ہوئی وہیں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ آج کل جو متکلم بولوں میں یعنی مسلمانوں میں اتفاقی ہے دیکھ لیا جائے کہ یہ کیسی سخت حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرقہ ناجیہ فرمایا ہے چند جملہ صحابہ کو سنکر چونکے اور نئی غلطی پر متنبہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے ان کو دستور عمل تو یا خیر جو ہو چکا ہو چکا گذشتہ و گذشتہ ہوا آئندہ کا سدباب کر دیا کہ پھر اس معصیت کا خطرہ نہ رہے۔ چنانچہ ان لفظوں اور اسلام پر ہدایت کا دیئے پھر متنبہ کر دیا کہ اللہ کا رہے ہو ارشاد ہے وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا الآیہ یہ بڑا انعام ہے اس کو یاد رکھو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم فضل کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ جس میں نعمت اتفاق کے یاد کرنے کا حکم ہے کہ اس نعمت کو دائم کی برکات یاد کرو اور ہوا نہ ہو کہ تمہاری پہلے یہ حالت تھی اور اس کا نتیجہ ایسا وخیم تھا اور اتفاق کے بعد کیا حالت ہو گئی اور اس کا انہم نفیس نتیجہ ہے۔

تسہیل تمہید عمل شاید بعض لوگوں کو اس وقت یہ خیال ہوا ہوگا کہ میں آج اتفاق و تحاد کا مضمون بیان کروں گا کیونکہ بظاہر یہاں یہی مضمون مذکور ہے لیکن مجھے دوسری بات بیان کرنا ہے جو اتفاق و تحاد کی بھی جڑ ہے اور وہ ایسی بات ہے جو راستے سے رہنماؤں کو پیش آتی ہے اور ان کے ضرورت کی ہے کیونکہ مسلمانوں میں دو قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جنہوں نے دین کا

ف یہ تفسیر اس سے لی گئی کہ بعض جاہلوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ لفظ ہم کی تفسیر ہندو مسلمان سے کی ہے اس لئے کہا ہے کہ وہ ہندو دوست ہے اور مسلمان دشمن جامع

کام شروع کی تھا دوسرے وہ جو کام شروع کر چکے ہیں اور مستقل ہیں۔ پہلی حالت کا علاج تو
یہ ہے کہ ان کاموں میں لگا دیا جائے جو ابھی شروع کرنے ہیں اور جن سے ابھی فراغت
ہے تو یہ خیال بیکار ہے کہ ابھی تو بہت وقت ہے ابھی تو مضمون یاد ہے ابھی تو
سنا دیا ہے چنانچہ معلوم ہو جائیگا کہ اس وقت کا طلب کس قدر سے بہت کم لوگوں کے ہوگا
ہوگا۔ اب میں مقصود دوسرا شروع کرتا ہوں جو ان شاء اللہ تعالیٰ مختصر ہی بیان کروں گا کیونکہ اس کو
وہ بات ہی مختصر ہے دوسرے اس وقت کچھ حقیقت ہی مفصل ہے جن بزرگوں کی وجہ سے یہ
بیان ہوا ہے ان کی درخواست تو کل کے متعلق تھی مگر اصل حقیقت وہ مفصل تھی کیونکہ کل
رات کہ ہوتے نے بے وقت آنکھ کھل گئی جس سے نیند جاتی رہی اور پھر نیند آئی جب کچھ
نیند آئی تو اس نے یہ بتلایا کہ [illegible] تب پھر نیند آئی
بھی نہیں آج بھی طبیعت پر قدرے [illegible] سے مثل جب میں نے مختصر ہی بیان
کروں گا حضرات صحابہ نے بھی [illegible] سے بہت سے مقامات کا سوال کیا تو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو [illegible] فرمایا تھا مقامات بتلادی
چنانچہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت شدید بہت زیادہ ہوتے ہیں
مجھے ایک مختصر بات بتلا دیجئے جس کو پکڑ کر بستر پر اس بیماری میں پڑا رہوں تو صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قل امنت باللہ ثم استقم یعنی کہدیا میں نے اللہ پر ایمان اس پر استقامت کر
صحابی نے اس سوال سے یہ ارادہ تھا کہ دین میں اختصار ہو جائے یہی بات بتلا
دی جائے جس سے سب مسائل مستنبط ہو جائیں ہو سکتا ہے جو بات صلی اللہ علیہ وسلم
نے دیا ہے سب مسائل کیلئے مستنبط ہوں گے یا بعد سوچنے ہو جو اس سے کیونکر مستنبط
ہو اگر کھینچ تان کر کے نکالا بھی گیا تو وہ استنباط نہ ہوگا بلکہ چسپاں ہوگا جیسے آج کل ایک فرقہ
قرآنیہ نکلا ہے جو حدیث کو نہیں مانتا پہلے ایک فرقہ غیر مقلدین نکلا تھا جس نے فقہ کو اڑا دیا
تھا اب یہ فرقہ نکلا ہے جس نے حدیث کو بھی اڑا دیا۔ اندیشہ ہے کوئی کم بخت ایمان سے

جو قرآن ہی سے معلوم ہوئے۔ پہلے میں ایک ہی بات کہتا ہوں وہ قرآن کی بھی نفی کرتا ہے۔ قائلہ اللہ حسین (۱۲)

آپ کا یہ عجائب ہے۔ ایک فتنہ بنے نہیں پاتا دوسرا کھڑا ہو جاتا ہے ؎

وَاَسْئَلَةٌ مِنْهَا مَخْرَجٌ مِنْ مَخْرَجٍ

ایک فتنہ دبا تو دوسرا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے،

سوال فرقہ کے بانی سے کسی نے پوچھا، آپ حدیث کی نفی کرتے ہیں اور سارے مسائل قرآن ہی سے مستنبط کرتے ہیں تو بتلائیے کہ عدد رکعات نماز کی دلیل قرآن میں کہاں ہے تو وہ کہنے لگے کہ اس کا جواب تو دو کا عدد جماعت تو پڑھتے کہ مسئلہ تو حل ہوگا اور عمل پہلے ہی سے شروع کر دیا اگر عمل قرآن پر مبنی تھا تو اس میں سوچ کیوں ہوئی اور قرآن پر مبنی نہ تھا تو کس پر مبنی تھا۔ اگر حدیث و فقہ پر مبنی تھا تو اس نے عمل جماعت اور بار بار قرآن سے سارے مسائل دن رات تشریف لانے اور دعوی کیا کہ میں قرآن سے رکعت صلوٰۃ کا ثبوت دوں گا سنیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیام رساں بنایا ہے جن میں کسی کے دو بازو ہیں کسی کے تین کسی کے چار پس یہی ہیں نمازوں کی رکعات کا عدد مختلف ہے بھلا کوئی پوچھے کہ یہاں تو فرشتوں کی بازوؤں کا ذکر ہے اس کو رکعت صلوٰۃ سے کیا تعلق ہے اور اگر محض عدد کا ذکر ہی استنباط کے لئے کافی ہے تو پھر ایک رکعت کی بھی گنجائش چاہیئے یونکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں ایک کا ذکر ہے یہ تو وہی مثل ہوئی کہ کسی طالب علم سے کسی نے کہا تھا کہ دو اور دو کے کتنے ہوتے ہیں وہ جواب دیتا ہے کہ چار روٹیاں تو جیسے دو اور دو میں دلالت روٹیوں پر ہے ایسے ہی مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ کی دلالت رکعات پر ہوگی اس کو آیات بالقرآن نہیں کہہ سکتے بات تو وہ ہے جو خود مفید مطلوب ہو بدون فی ضمیمہ کے۔ اگر حدیث سے پانچ وقت کی نمازیں اور ان کی رکعتیں کی شمار معلوم نہ ہوتی تو کوئی شخص مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ سے رکعات نماز کچھ

سکتا ہے ہرگز نہیں تو اس طرح اُمت بالبتہ ثم استقیموا تدریجی ہدایت ہے اور اس پر مستقیم رہنے سے سب مسائل مستنبط ہو جائیں تو اس کا تو جھگڑا نہیں اور قرینہ مقام خود مسائل کے ہونے کا ہرگز کافی نہیں اور نہ خصوصی نہ علیہ وسلم کا یہ منشا ہے کہ امت بالبتہ ثم استقیموا ایمان لائے اللہ پر پھر اس پر مستقیم رہو جو مسائل سے مستنبط ہوں گے سب پر عمل کرو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب کیا مطلب ہے تو اس نے نہایت موقعہ سے کہا وہ فرمایا ہے کہ ایسا نہ کرو تو اس پر عمل یوں ہوا ہوگا جو قدم عمل میں کام آئے اور سب کو سمیٹ لے علیہ صوفیہ رحمہم اللہ اسی قاعدہ کو بتلاتے ہیں جو تمام اخلاق رذیلہ غضب وحرص وکبر وغیرہ میں کام کرتا ہے اور تنہا سب کے علاج کو کافی ہوتا ہے کہ ہر مرض کا جدا جدا علاج کیا جائے تو بڑی مدت چاہیئے اب انہوں نے ایسی بات بتلائی جس کے رجوع سے یک دم سارے مرض اور معاصی کی جڑ اکھڑ جائے کیونکہ جو شخص وقت اس بات کو پیش نظر رکھے کہ حق تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں وہ نہ تکبر کر سکے نہ غفلت برت سکے نہ گناہ صغیرہ کر سکے نہ کبیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابی نے یہی بات دریافت کرنا چاہی تھی جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا قل امنت باللہ ثم استقم کہ نہ تو اس پر اپنے لانے کا استحضار رکھو اور اس کے بعد ہر عمل میں استقامت کا لحاظ کرو کہ نہ تسویف ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ہر وقت اس کا استحضار رکھے گا کہ میں خدا پر ایمان لا چکا ہوں تو وہ احکام کو فوراً سے بالائے طاق اور کسی حکم میں چون وچرا نہ کرے گا پس تو تسہیل عمل کا طریق تھا اس کے بعد تکمیل عمل کا طریق بتلایا کہ استقامت کا ہو یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے دونوں میں تمام طریق کو سمیٹ دیا جس میں تسہیل عمل بھی ہے و تکمیل بھی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقربات کا ادا کرنا اور نبوی بھی سنت ہے کسی نے مجھے طریق میں اس کا بہت خیال رکھا ہے یہی تقربات نوافل جلنے جو سب باتوں پر حاوی ہو۔

چنانچہ بیت دفعہ میں نے خلق رذیلہ کا علاج دو لفظوں میں تجویز کیا تھا تامل وتحمل کو کام میں لانے کے کہ غصہ آنے کے وقت تامل کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کام

ہوشیار ہو جاؤ۔ یہ اچھا تھا کہ پڑھا پے میں بھی قرآن خوب یاد تھا۔ اپنا پہ یہ دلچسپ
ان کے بڑے بھائی یاد ہے جب شروع شروع میں شبینہ زیادہ سے زیادہ تین پارے
سنتے تھے تو شبینہ شروع ہوتی تھی چنانچہ سب مل کر ان کے پاس گئے اور
کہا کہ ہم سب شبینہ کا قصد کیا ہے آپ ہماری مدد کریں گے لڑکے نے ایک لفظ بھی
نہیں بولا۔ ان کے بھائی نے کہا کہ بھائی جان سے تو بہت دنیا سے ڈرتا نہیں سنا جو پوچھا وہ تھا
سب کھول کھول کر بتا دیا۔ مجھے معاف کرو۔ کہا کہ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ہم تو تمہارے دوست
ہیں ڈرو نہیں۔ کہا کہ میں تو ڈرتا ہوں کہ میرے ذمہ کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے بڑی مشکل
ہو جائے جس میں متشابہات زیادہ ہیں ان کے لئے تو بڑا کئی دن تک حافظ بنے دل میں خوش
ہوتے تھے کہ بڑے بڑے خوب رسوائی ہوگی یقیناً خوب غوطے کھائیں گے مگر جب رات
کو دل دماغ سے پڑھنے کی باری آئی تو حافظ نے بتایا کہ ایک جگہ بھی تو نہ اٹکا
اس وقت سب کو معلوم ہوا کہ ان کو قرآن یاد ہے۔ بھولے نہیں سوئے ہوئے ہیں
کہیں جن کو باوجود خدام مزدلفہ کے بھی ایسا یاد رہے اور مرغام حالت یہی ہے کہ قرآن
بدون دائمی مزاولت کے یاد نہیں رہتا۔ اسی قیاس پر ایک اور تقریب بتاتا ہوں کہ اسی
طرح اس طریق میں بھی طلب کی تجدید ہمت عمر بھر کا روک ہے کسی وقت غفلت کی جائے

نہیں ؎

یک چشم زون غافل ازاں شاہ مباش
شاید کہ نگاہت کند آگاہ مباش

ایک پلک مارنے کی مقدار بھی محبوب حقیقی سے غافل مت ہو شاید کہ تم
پر لطف کی نگاہ کریں وہ تم آگاہ نہ ہو

؎ اندریں راہ می تراش دمی خرش — بندے آخر بے کار و بار مباش
تا دمے خر بے خدا نہ شود — رستگار ہا تو صاحب سر نہ شود

اتر و چاہیے طریق وصول الی اللہ میں ہمیشہ وظیفہ بن کر رہو دمی

وقت تک یاد خدا بھی دل سے محو ہو جائے گی کیونکہ آخری وقت تک کوئی گھڑی ایسی تو ہوگی جس میں عنایت الٰہی کی ہمراہی رفیق نہ بن جائے گی

لذت پریشانی اور ایک لطف صحبت ہے کہ کسی وقت سالک غافل ہو بھی جائے تو حضرت حق غافل نہیں ہونے دیتے۔ یک سپاہی سپاہ مسلط کر دیتا ہے جو اس کو پڑھ کر دیتا ہے بے فکر نہیں ہونے دیتا۔ اس سپاہی کا حلیہ یہ ہیں نہیں رستگی نہیں سننے دیتے بے چین نہ ہو جائیں جو لوگ آرام میں ہیں ان کو ہوس سے بے چین کیا تو وہ سپاہی کر کہتا ہے کہ ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر آنے والا ہے اس سے غافل ہو کر کہاں جا رہا ہے۔ بس یہاں غفلت ہوئی اور یہ دن پیش نظر ہو جاتا ہے اس سے سالک غافل نہیں رہ سکتا کبھی نہ کبھی جلال منکشف ہوتی ہے وہ دل کو تڑپ دیتی ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑی چین میں ہیں ان کو کچھ فکر نہیں ہے شک دنیا کی تو ان کو فکر نہیں مگر دنیا کی فکر نہ ہونے کا مشاہدہ فکری نہیں بلکہ یہی عظیم الشان فکر ہے جس نے عصائے موسوی کی طرح سب فکروں کو نگل لیا ہے واللہ جو فکر ان کو ہے اگر تم کو ہو جائے تو رات کا سونا بھول جاؤ ؎

اے ترخت بپ نشستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرت کہ شمشیر بلا بر سر خورند

(تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلواریں چل رہی ہیں)

سعدی علیہ الرحمۃ نے اس کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے ؎

خوشا وقتا شوریدگان خفتہ خوش — کہ خویش بینند در سر خوش
گدایان از بادشاہی بخور — بایندش اندر گدائی صبور

محاسن اسلام

[illegible]

اس نے غمزے پریشان لوگوں کا یہ حال دیکھ کر غور کیا تو
اس پر مرتے ہیں ویسے فقیر بادشاہ سے نفرت کرتے ہیں
کی امید پر فقیری میں قناعت کرنے والے ہر دم اس کا تعریف پڑھتے ہیں
جب اس کی رضا کی کڑواہٹ کھاتے ہیں تو شکر کھاتے ہیں

اس کے بعد سے نئے نئے جذبے تازہ ہوتے رہتے ہیں جو کسی وقت اس کو نفس
نہیں ہونے دیتے وہ سب تقویٰ ہی کی فرع ہیں جس کا یہ حکم ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا
اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اس کے بیان کرنے سے
دو ڈرنے کا حق ہے اسلام سے کسی حالت میں مت دو جس وقت
کی مضمون کو دوسرے محل سے بیان کرنا چاہا ہے کیونکہ تقویٰ کا مضمون بہت وسیع
و عورت کی ہے مختصر بات بتلا دی جائے جس سے تمام احکام سمجھ آجائیں اور
تمام حالات پر حق صادق ہو جائیں ہم یہ بیان نہیں کرتا اس مضمون سے بعد آپ پریشانی
نہیں ہوگی بلکہ یہ بات ہوں سے پریشانی ہوئی دیدہ دل سے آپ اس پریشانی کے بعد
بہت فیصلہ کا بیان سطور ذیل میں کریں گے۔ اس پریشانی سے شروع ہوئے سے تو امید ہی قطع
نہیں ہوتی بلکہ آپ پریشانی ہی سے پیدا ہوتے ہیں یہ تو جنت ہی ہیں پہنچکر ختم ہوگی
اور اس سے زیادہ نہ دیکھیں گے۔ [illegible]

اور جس وقت وہ نظارہ شقوں سے تو جنت میں بھی پریشانی ختم نہیں
ہوتی پہنچنے میں شوق کا ہوں ہے تو جنت میں لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا
قصور کو سکے لیکن [illegible] جنتوں میں ایک جنت ایسی ہے جس
میں حضور نے محبت اور رضا کے ہر پردہ کو پردہ دیدار رکھا

یہ رباعی صحیح نہیں درشکفتہ نہیں مگر مرحوم صاحب کشف
نے جو دلیل بیان کی ہے کہ دل سے مجھے بھی بہت دور ہے شبہ ہوا وہ یہ کہ حسن مجازی
حقیقت بے نہایت ہے اور عشق عاشق و محب سے لاتقف عند حد بے نہایت
پھر حسین یوسف مرحوم کیوں کر یہ کہا ہے ؎

بحسنش عاشقے دروند سعدی را سخن پایاں
بسے دشنہ بتشنہ بسمل و ہر جاں باقی

نہ اس سے حسن کی تمنا نہ سعدی تک کلام دنیا نہ بسے
جندر دیا سے جاتا ہے اور دیا باقی رہ جاتا ہے۔ ہی طرح محبوب
کا بیان باقی رہ جاتا

اور یہ کیفیت ہے ؎

[illegible]
چمن بہار و نوروز [illegible]
[illegible]
چمن تنگی دل کا گلہ رہتا ہے۔

دیکھ عشق ہوتا ہے ؎

؎ قلت ویجتمل ان یکون الکشف صحیحا ولکنہ ای صاحب الکشف
حصل فی قلبہ ان ھذہ البعثۃ لا راحۃ لھو ولا سرور ولا مطرب ولکن
یکون لھو ولا راحۃ ولا سرور ولا مطرب ولا مغنی ولا مغنیۃ فلھم
ان یکونوا کذلک ولا یلتفتوا ھل ھناک ذوق او لا وھب ان
روایۃ اظھار البھجۃ واھذا ذھب الادب لھو فی غیر ھذا الحین وعلاوۃ سیدہ

جنتی زیادہ تیرے چہرہ پر نظر ڈالتا تیرے چہرے پر حسن زیادہ
معلوم ہوتا ہے۔

پھر ان رسائل میں سے بہت روز تک فقیر نے کسی وسیلے کتاب
کی تلاش نہ کی۔ اور دن کشفیات اور سر کے پیچھے نہ پڑو یہ
دن ہیں پھر خدا تعالیٰ کا خوب سمجھ میں آگیا وہ یہ کہ یہاں کا شوق نہ
ہے۔ ہمارے اندر وصال حق کی جتنی استعداد پیدا کی ہے ہمارے
ہے اس استعداد کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ یہاں ہم حق تعالیٰ کا
سے بعض افراد میں استعداد سے زیادہ وہ تقاضا کرتے ہیں۔ ہمارا حق بھی
اور جنت میں تمام افراد کی استعداد کا تقاضا بھی پورا کر دیا جائے گا پھر چین ہوگا
کا اور اس سے حق کا محدود ہونا لازم نہیں آتا بلکہ استعداد طالب کا متناہی ہونا لازم
آتا ہے اور عشق نے استعداد طالب کو بھی غیر متناہی بنا دیا۔ تعدد عدد صد کہہ کیا
اس نے شکاں پیش آیا۔

دنیا اس دھوکہ کا یہ ہوا کہ دنیا میں عاشق کا شوق لا تقف عند
حدی ہے اس سے وہ یہ سمجھا کہ عشق کی نفسہ لا تقف عند حد ہے حالانکہ یہ نہیں عند
کی نفسہ محدود و متناہی ہے دنیا میں اس لئے لا تقف عند حد ہے کہ یہاں اس کی
استعداد کے تمام افراد کا تقاضا پورا نہیں کیا گیا اور جنت میں ہر فرد کی استعداد کا
تقاضا پورا ہو جائیگا جس سے سکون کامل ہو جائے گا اور یہ میں کسی طبعی قاعدہ پر مبنی کر
کے نہیں کہتا بلکہ نص کی بناء پر کہتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ الَّذِیْ اَحَلَّنَا
دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ
(اور کہیں گے کہ تمام کا تمام لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا بے شک ہمارا

قلزم حسن سے ہے ایک کفِ خاکستر
حسن ہے قصۂ عشق اور ہے دفتر کی بحث

اگر تو ذوقِ شناسائی بقدرِ کاسۂ چشم رکھتا ہے تو حسن کا قصہ جو دفتر میں نہیں سما سکتا۔

اور ایک شاعر کہتا ہے ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق
رود ہر کس بخود ایں راہ چوں تاک

عشق کا راستہ وہ ہے جو ہرگز قطع نہیں ہوتا جس طرح انگور کی بیل جتنا زیادہ قطع کرو اور بڑھتی ہے اسی طرح یہ راستہ ہے

اور مولانا فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہر چہ بر شے می رسی بر شے مایست

اے برادر بے نہایت درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو بلکہ آگے بڑھتے رہو

اور گو عشق بھی حسن کی طرح متناہی ہے مگر چونکہ اس کا مبدا حسن ازلی ہے اور وہ بے غایت ہے اس لئے عشق بھی مختلف منزلوں سے گزر ہوتا ہوا پھر اس بے نہایت حسن کے عاشق کے مجازی کو تو وصالِ محبوب سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے محبوب کا حسن متناہی ہے وصال کے بعد ہی بھر اس سے متمتع ہو گئے اور سیر ہو گیا اور جس کے محبوب کا حسن بے غایت ہو اس سے تو جتنا متمتع ہوگا اور بڑھے گا اور جو حسن کا ظاہر ہوگا جیسے ایک شاعر کہتا ہے ؎

بَرِیْدٌ وَجْهُهٗ حُسْنٌ اِذَا مَا رِدْتُّهٗ نَظَرَا

[illegible] جنت میں بھی پریشانی ہی تو پھر عشق دے سکیں گے [illegible]
صاحب کشف کی نظر سے یہ مقدمہ سمجھ آیا۔ دنیا میں عشق [illegible] سے
رہا۔ [illegible] عاشق کے جذبہ کو [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible]
اس مقدمہ پر مقدمہ کی [illegible] بزرگوں کی برکت ہے جیسے کسی مزدور کے
گھر لڑکا پیدا ہوتا ہے تو دادی ہو [illegible] بیٹا ہی دادا کا باپ ہے ہاں
جنت میں تو جبین ہوگا مگر دنیا میں [illegible] یہاں صاحب حکمت ہیں یہ ان کی لفظی
ہے بھلا عشق و جبین ؟

عاشقی چیست بُریدہ جاں بودن — دست بدست ز رہے دامن جاناں بودن
موئے رفتن نظرے کردن و درویش بدن — کاہ کافر شدن و کاہ مسلماں بودن

عاشق یعنی محبوب کا بندہ بن جانا دوسرے محبوب کے قبضہ
میں لے دنیا و جبین بنا محبوب کی طرف نظر کرنا اور اس کے
چہرہ اور کردار میں بھی فنا ہونا اور کبھی باقی ہونا

کافر شدن سے پریشان نہ ہو نا یہ صوفیوں کی اصطلاح ہے نہ
سے یہاں فانی فکا فرو صاحب لقا کو سمجھا سکتے ہیں اور ایسی وحشت ناک اصطلاحیں
نہوں نے کیا یاں کھانے کو متبرک ہیں مگر قرآن کا کسی وقت نہیں کیونکہ قرآن میں بھی
تو ہے۔ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ سو جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو۔

اور ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا
كَفَرْنَا بِكُمْ ہم تمہارے منکر ہیں۔ اب تا فرقہ ہے کہ قرآن میں جو بھی مذکور ہے اس
سے وحشت نہیں ہوتی اور صوفیہ کو صریحی نہیں آتی ان کی بات سے لوگ متوحش ہوتے ہیں

مگر حقیقت واضح ہو جانے کے بعد غلط سے متوحش نہ ہونا چاہیے کسی مصلحت کے موافق

حضرت خسرو فرماتے ہیں ؎

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یہ سب صفات ایک ہی ہستی سے پائی جاتی ہیں اور ہر ایک میں اس دعویٰ کا ثبوت ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تفویض پر بحث [illegible]

[illegible]

[illegible]

[

ہوتی ہیں تو جب اسلام مقید نہ ہوئے وہاں بھی مقیدی مردے جیسے عادت میں علم سے فضائل بھی مقید نہ ہوں جان کہ علم مصدر ہے جس کے لیے قید و ثبوت خود ثبوت معلوم ہو مضاف یہ اس لیے فقط کے طلاق سے یہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ یہ فضائل مطلق علم کے ہیں بلکہ یقینی بات ہے کہ علم سے علم دین مراد ہے جس میں اسلام سے اسلام دینہ مراد ہے یعنی تفویض کی وہ چیز ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمالات و فضائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

پس ان آیات میں اصل مقصود لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اجزاء اسلام کی حالت میں جان مت دو ہے اور اتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈرو وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اللہ کے انعام کو یاد کرو وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو مضبوط پکڑو یہ سب اسی کے مقدمے ہیں۔ کہ جس سے اس بیان کا مدعا مقدم علی الاسلام (الاسلام سے بالا) انعام تجویز کیا ہے جس میں اصل مقصود کے ساتھ ان کے دوسرے متعلقات پر بھی دلالت ہے جیسے مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کا بیع میں نے یہ تھا، قب از شعف محمد اسحاق جس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شعف سے روشن ہوئے ہیں مگر اس میں لطیفہ یہ بھی ہے کہ اس مصرع میں راوی محمد اسحاق صاحب نے اپنا اور اپنے والد کا نام بھی لیا ہے کیونکہ ان کے والد کا نام شعف اللہ یا شعف الٰہی تھا اور ان کا محمد قب سے تھا اس مناسبت کے نام میں علاوہ بھی ہے اور مقام بھی ہے اور نعمت پر تمام دوست سے جس سے وہ تمام متعلقات مجھ دیئے ہیں اس آیت میں تین کے لیے ہیں پہلے اس جملہ اتقوا اللہ حق تقاتہ (تو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) فرمایا گیا ہے جس میں تقویٰ کی قدر تفصیل ہے پھر ولا تموتن الا وانتم مسلمون (اور تم اسلام کے سوا کسی حالت میں جان مت دو) میں مجملاً تفویض کا ذکر ہے اس کے بعد پھر تفصیل ہے واعتصموا

مُعَلِّمُ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اللہ کے سلسلہ و سلسلہ بڑھ و سلسلہ کے انعام کو یاد کرو۔ یہ اس لئے کہ تقویٰ کی حقیقت یہی ہے کہ اس کا درجہ شروع میں بھی ہو درمیان میں بھی ہو تو یہاں وہ قریب سے جڑتا ہے۔ پھر جس سے جس کا تعلق ہے اس سے خاص طور سے حاصل کرنا ہے۔ اب میں مقصود کو عرض کرتا ہوں۔

حق تقاتہ وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ سے حق تقاتہ اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے، تو ہرگز مسلمان کے سوا کسی حال پر جان نہ دینا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تقوی اللہ حق تقاتہ اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے تو مشکل ہے۔ خدا کی شان کے حق تقویٰ کس سے ہو سکتا ہے تو آیت میں تخفیف کر دیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حق تقاتہ سے مراد غایۃ ما یقدر علیہ (جس قدر اس پر قدرت ہو سکے جتنا کر سکتے ہو) تقویٰ ہو۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے اور یہی حق تقاتہ کی حقیقت ہے کہ دوسری جگہ اس مضمون کو دوسرے سہل عنوان سے بیان فرمایا ہو کہ ہم سے پوری طاعت کے موافق بھی تو نہیں ہوتا تو فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو جس میں جائے قدرت کے استطاعت کا لفظ وارد ہے وہ استطاعت کہتے ہیں قدرۃ میسرۃ قدرت مہیا کو۔ بعض صحابہ نے دوسری آیت کو پہلے کے لئے ناسخ فرمایا ہے اس سے بعض طبیعت خوش ہوئے ہوں گے کہ اتقوا اللہ حق تقاتہ (اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے) منسوخ ہو گیا۔ چلو چھٹی ہوئی۔ مسلوخ تو وہ ہو جس میں نسخ کی قابلیت بھی ہو۔ جب یہ ہمیشہ بھی کہیں منسوخ ہو رہے ہیں اور اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) میں اسی شان کا امر ہے

جیسے اسنوان [illegible] بیان [illegible] سے سوء [illegible] کا مقتضی
[illegible] تقوی [illegible] مقتضائے [illegible] میں [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] سے ہر مقام پر وہ پریشانی تو بھی لذیذ ہوتی ہے مزہ ہوتا ہے
سوے جیسی نہیں بلکہ چونکہ بھرے جاب نہیں جس کی لذت ابھی جاتی ہے چونکہ
کھانے کے عادی ہیں چنانچہ عارفین کو بھی مرغن غذا سے لذت ملتی ہے اور
جنت کے بارے میں قرآن کریم نے بھی لذت کا ہے اور وہاں کہتے ہیں کہ

ناخوش تو خوش کردی در جان من — ز ہر کہ در کاسۂ جان من

محبوب کی جانب سے جو بھی تکلیف کو وہ بھی طبیعت کے خلاف ہو
ناخوش ہی ہوتی ہے مگر وہ میری جان پر خوش ہو کر بھیجا ہے۔
میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان
کرتا ہوں۔

پس یہ مت سمجھنا کہ تفویض کے بعد پریشانیاں یا پریشان کن
واقعات پیش نہ آئیں گے بلکہ یہ ضرور ہے کہ پہلے وہ امور تھے اب خوشگوار ہو جائیں
گے جیسے مزیدار کھانے والے دسترخوان بھر کر کباب خوشگوار و لذیذ ہوتے ہیں کہ روٹی بھی
جاتا ہے اور کھایا بھی جاتا ہے یہاں ایک اشکال طالب علمی درمیان میں دل میں
آتا ہے وہ یہ کہ اصول قاعدہ ہے کہ سردینی کا تعلق امور اختیاریہ سے ہوتا ہے اور یہاں موت
پر بھی دلالت ہے جو غیر اختیاری ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ کلام محاورہ کے موافق ہے محاورہ
میں بھی کہا جاتا ہے کہ بے وفا نے جان مت دیا اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ عمر بھر
وفادار رہنا اور اسی پر جان نکل جائے پس یہاں بھی گو ظاہر میں موت پر نہی وارد ہے
مگر موت سے منع کرنا مراد نہیں بلکہ بے وفائی سے منع کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح
آیت میں دوام اسلام کا امر مقصود ہے جس کو محاورہ کے موافق اس مضمون سے بیان
کیا گیا ہے تقدیر یہ ہے وَاَدِمُّوْا عَلَى الْاِسْلَامِ حَتّٰى لَا تَمُوْتُوْا اِلَّا وَاَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ (دوام کرو اسلام پر اور تم اسلام کے سوا اور کسی حالت میں جان نہ

دنیا،

ب یہاں سے یہ دھوکہ کی غلطی ظاہر ہوگئی جس نے اس آیت سے موت نفس ثابت کیا ہے جو صوفیہ کی اصطلاح ہے اور مستدل میں یہی ہے کہ یہاں موت پر نہی وارد ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہاں وہ موت مراد نہیں جو غیر اختیاری ہے بلکہ اختیاری موت مراد ہے تو اس سے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (مرجاؤ تم مرنے سے پہلے) کا مسئلہ ثابت ہوا تو سمجھ لو کہ یہ مستدل صحیح نہیں ہوا نہ یہاں موت پر نہی وارد ہی نہیں جیسا ابھی بیان کیا گیا ہے بلکہ وہ مسئلہ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا تھا یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِذَا اَصْبَحْتَ وَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَکَ بِالْمَسَاءِ وَاِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَکَ بِالصَّبَاحِ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِکَ لِمَرَضِکَ وَمِنْ حَیَاتِکَ لِمَوْتِکَ۔ بہرحال یہاں مراد وہ موت اختیاری ہے جس پر مداومت کرنے سے آدمی کو لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ حاصل ہو اس کے علاوہ اور کسی حالت میں جان سے جانے کی دھوکے میں پڑ کر اس سے ظاہر کیا کہ وَاَنْتُمْ عَلَی الْاِسْلَامِ (اسلام پر مداومت کرو) کو اس پر شاق پڑنے والی مصیبت سے متعلق کرنا حکم اول کو حکم ثانی پر محمول کرنا ہے اور ہم نے اس میں کوتاہی ہوئی ہے تو اس عنوان میں ان کی تلافی کرلی گئی۔ موت کے وقت بھی تفویض کامل ہو جائے تو کافی ہے۔ عوام تو اس کو سمجھ بے نہ ہوسکے کہ سب مرتے ہوئے تفویض کلی حاصل کریں گے۔ ہے اس کے ساتھ یہ مقدر بھی تو ہے کہ مرتے وقت تفویض کلی عادۃً اسی کو حاصل ہوتی ہے جو زندگی بھر اسی میں مشغول رہا ہو۔ ورنہ موت کا وقت تو سخت نازک ہے۔ وہ تحصیل نسبت والے مقامات و تکمیل تفویض کا وقت تھوڑا ہی ہے کہ اسی وقت کا شروع کردار اسی وقت حاصل بھی کرلو دنیوں خلاف عادت حق تعالیٰ جو چاہیں کردیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام و آدم علیہ السلام و حوا علیہا السلام کو بدون ماں باپ کے بنا دیا، ورنہ

عادت یہی ہے کہ بدون مرد و عورت کے مباشرت کے نہیں پیدا ہوتا اسی طرح عارف بھی بدون مرد و عورت کے مباشرت کے نہیں پیدا ہوتے ہیں جو رمز و اشارات حاصل ہوتے ہیں جو رمز و اشارات حاصل ہوتے ہیں جو رمز و اشارات حاصل ہوتے ہیں

عوام کی بے فکری

پس عورتوں سے نفرت کرنے کی بجائے ہے اور یہ شیطانی نفس کا دھوکہ ہے کہ ہر وقت یہی پٹی پڑھاتا رہتا ہے کہ اللہ کی یاد بہت ہے۔ ذرا دنیا کے لطف اٹھا لو پھر خدا کی طرف توجہ کریں گے۔ غرض تفویض وہ چیز ہے کہ سرکار میں اس کی ضرورت ہے خود دنیا کا نظام دین کا کام ہاتھ تو ان سے بند ہیں کام لیتے ہیں دل دنیا جدا ہیں اس سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً کسی پر مقدمہ ہے وکیل صاحب کو کر دیا صاحب ہاں سے تو کسی وقت سے مقدمہ کے پیروی کرنے والا اور وکیل ہو اس پر وکیل ہی ہوگا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیوقوف ہوگا کیونکہ تفویض سے نہیں یہ بھی اسی کا حکم ہے جس کا حق وہ تفویض ہے پس یہ تدبیر بھی کرنا سرپنچ کی طرف سے کوئی نتیجہ تجویز نہ کریگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیگا کہ جو تمہاری رضا ہے میں اس پر راضی ہوں۔ دنیا دار بھی خیر یہی کرتا ہے مگر وہ اول اپنی تدبیر پر نظر کرتا ہے اور اپنی طرف سے نتیجہ کی ایک شق متعین کر لیتا ہے کہ نتیجہ یوں ہونا چاہیے پھر جب ایسا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ تقدیر میں یوں ہی تھا میں خدا کی مرضی پر راضی ہوں۔

تفویض معتبر

اسی طرح ایک فریق اس کی مثال مدرسہ ہے جس کے چلانے کیلئے تدبیر کی بے شک ضرورت ہے مگر صاحب تفویض تو تائید ہی سے تفویض کرتا ہے اور تدبیر جو کرتا ہے محض سنت و طاعت سمجھ کر کرتا ہے اس کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ تدبیر ضرور کامیاب ہی ہو بلکہ وہ کامیابی اور ناکامی کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے کوشش کرتا ہے۔ اگر کامیابی ہوگئی تو اور ناکامی ہوئی تو وہ ہر حال میں خوش ہے اور جو شخص اس ارادہ سے تدبیر کرتا ہے کہ مجھے کامیابی ہی ہو اور جس طرح میں چاہتا

اب کرنت عن ہو جانے تو یہ نعمت حق سے کہ سے گھبرتے ہیں
ہوس سے پیدا ہوتا ہے۔ فقر کی لذت اور لذت حاصل نہ ہو جب بھی راضی رہو
صحابہ مقاموں فرماتے ہیں۔ درد چیت۔ ہیں پیٹ کھاؤ درد پیدا کریں تو پیار کرو
اس کی لذت حاصل ہو تو اس وقت سمجھو شاید کہ اس مقام پر حضرت ابراہیم بن ادھم
رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت سے شبہ ہو کہ ایک دفعہ کی عبادت۔ نہ ہو کی اس کا نافع
نہ ہوا دل صاف ہو جانے کا زیادہ مقام ہیا تو اس وقت سیدی شیخ کی عبادت بھی
قضا ہو گئی سب فرد وہ سخت پریشان ہوئے ہم ہو کے بزرگ تم نے اپنی تدبیر کو دیکھ
لیا اب تفویض کرو

سَفَرٌ وَ سَمَنٌ وَ سَفَرٌ وَ سَمَنٌ جب تک ہیں سفر و جب
ٹھائیں ٹوٹ جاؤ ۔

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ سَفَرٌ وَ سَمَنٌ کہ میں نے تفویض
کر دی اور راحت پائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تو نے راحت کے لئے تفویض
اختیار کی تھی جواب یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس میں تو تعریف نہ راحت
کا ذکر ہے مقصد استراحت پر کوئی نقد و نہیں مگر اس حکایت سے جاہل لوگ
خوش ہونے ہوں گے کہ بڑا مزہ آیا۔ اب سے کوئی کام نہ کریں گے۔ تمام تدبیریں
کیا کریں گے بلکہ تفویض کریں گے اس کا جواب یہ ہے بہت اچھا پھر اللہ تعالیٰ تم کو سزا
دیں گے اس وقت بھی تفویض کرنا۔

جیسے مثنوی میں بیمار کی حکایت مولانا نے لکھی ہے۔ وہ طبیب کا قائل
نہ تھا۔ ایک دن دوسرے شخص کے باغ میں جا کر انگور توڑ توڑ کے کھانے لگا مالک باغ نے جو
دیکھا تو اس نے دھکا دیا کہ تو کیا کرتا ہے۔ میرے انگور کیوں کھاتا ہے۔ بیمار نے کہا
بھی خدا کی درخت بھی خدا کا۔ تو بھی خدا ہے میں بھی خدا تو منع کرنے والا کون ہے۔ وہ

[illegible]

معنی تفویض

[illegible]

جیسے ایک حکیم کا نقشہ ہے کہ اس نے ایک بڑا کارخانہ بنایا اور اس کے [illegible] اپنے اپنے کام پر مقرر کر دیئے۔ حکیم نے ہر ایک کو اس کے کام کے [illegible] دیئے۔ [illegible] کو [illegible] کو [illegible] کو

[illegible]

شدید قسم کے [illegible] ہو تو [illegible]
[illegible] ہوجائے تو [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہو جائے [illegible] ہو [illegible]
[illegible] ہو [illegible] ہو [illegible]
[illegible] ہو جائے۔

[illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہو [illegible] ہو [illegible]
[illegible] ہو [illegible] ہو [illegible]
[illegible] ہو [illegible] ہو

[illegible] وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ [illegible] سے اس قدر ترسے ہوئے تھے کہ ان کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف نہیں نکلتا تھا۔ اس لئے وہ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ مسلمان کسی وقت بھی ان پر حملہ کر کے ان کی حکومت کا تختہ الٹ سکتے ہیں۔ اس لئے وہ ہر وقت مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی وجہ سے مسلمان ہر میدان میں پیچھے رہ گئے اور ان کی حکومتیں ایک ایک کر کے ختم ہوتی چلی گئیں۔

اب ہم ان اسباب کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے مسلمان آج دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

سب سے پہلا سبب تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے فرائض کو چھوڑ دیا ہے۔ فرائض کو چھوڑنے کی وجہ سے ان پر ذلت و رسوائی کا عذاب مسلط ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی پیدائش کا ایک مقصد بنایا ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہر انسان کے ذمہ کچھ فرائض عائد کئے ہیں۔ جو شخص ان فرائض کو پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی عزت و کامیابی عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی اس کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ جو شخص ان فرائض کو پورا نہیں کرتا وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ذمہ جو فرائض عائد کئے ہیں ان میں سب سے پہلا فرض اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد مقدس دین کی تبلیغ کا فریضہ ہے۔ اس کے بعد والدین کی خدمت، اولاد کی تربیت، بیوی کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، یتیموں کے حقوق، مسکینوں کے حقوق، مسافروں کے حقوق، غلاموں کے حقوق، جانوروں کے حقوق، ماحول کے حقوق، غرض ہر ہر چیز کے حقوق ہیں جن کو ادا کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک حق کو بھی ادا نہ کیا جائے تو یہ بھی خلاف شریعت ہے۔ اللہ کی طرف سے نہ صرف عذاب بلکہ رحمت بلکہ نعمتوں کا وعدہ ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر کام کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر کام چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دنیا کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دین کو اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت اس کی عبادت میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت اس کی یاد میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت اس کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت اس کی تکبیر و تہلیل میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

الاسلام الحقیقی

سے موسوم بہ وعظ

حقیقی اسلام

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مظفر نگر میں برسرِ مقصل مکان شیخ ولایت علی صاحب سوداگر ۴۵ منٹ تک کھڑے ہو کر بعد میں کرسی پر بیٹھ کر ۱۰ شوال المکرم ۱۳۴۰ھ مطابق ۸ جون ۱۹۲۲ء شب جمعرات کو ارشاد فرمایا ـــــ جو دس بجکر ۲ منٹ سے رات ایک بجے تک جاری رہا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۵۰۰ پانچ سو تھی اور کچھ مستورات بھی تھیں۔ حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری نے اسے قلمبند فرمایا۔

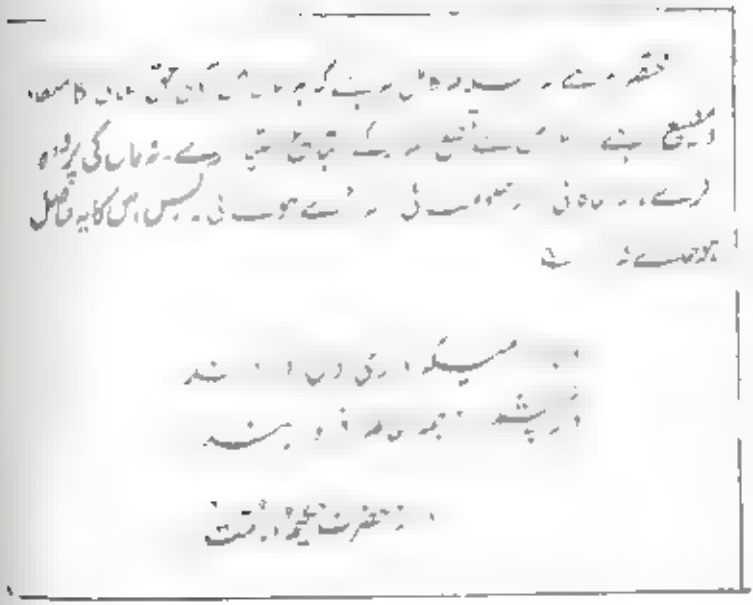

خطبہ الحاجۃ وجود بندہ اس ستش بیچیو بندہ بچیں۔ جس قل صوفیہ
نبی الحمای وحق للہ ان عاصم ۲ شریف ۔ وبدلیں امت ۔ ۔ ۔ مسیح ۔

حکم اظہار مشرب

[illegible] اس بات پر حق تعالیٰ نے [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کو [illegible] اس واسطے امر کا صیغہ [illegible] جس سے آپ کو [illegible] جو آپ نے اس حکم کی تعمیل [illegible] خصوصاً [illegible] سے عرض ہے کہ ہم کو بھی اس کا امتثال کریں کیونکہ رسول [illegible] سے ناقص ہی ہوتا ہے [illegible] جس کے قول و فعل [illegible] جائے یہ رحمت ہے [illegible] کی [illegible] اور [illegible] کی کتاب بھی [illegible] درس کر خود نوٹ بھی [illegible] تعلیم میں [illegible] تعلق کا یہ طریقہ ہے کہ [illegible] کسی کام کا [illegible] دوسری [illegible] ایک [illegible] کرا دیتے [illegible] تو [illegible] کیپروں سے [illegible] لکھوانے کے [illegible] تعلیم نہایت مکمل [illegible] کرو [illegible] کلام [illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے

یہاں میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ میں اس پر مفصل بحث کروں اصطلاح میں منافق کا اطلاق ہوتا ہے وہ یہ کہ زبان سے تو کہے کہ میں مسلمان ہوں لیکن دل میں یقین نہ رکھتا ہو چونکہ ان کے دل میں ایمان نہیں ہوتا اسلئے ان کا اسلام بھی حقیقی نہیں ہوتا ہے کیونکہ اسلام حقیقتہً قلب میں ہوتا ہے اور اس کے قلب میں اسلام نہیں تو اسلام کی صفت اس میں بالکل موجود نہیں حالانکہ وہ زبانی اسلام کی دعویٰ کرتا ہے اور جس میں اسلام نہیں ہے تو کافر ہوا تو گویا اس میں کفر حلول کرتا ہے کہ صفت کا اور وہ صفت اس میں بالکل موجود نہیں ہے تو دعویٰ اس کا غلط ہے اس لیے فرمایا ہے واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون

اور ان منافقین کا دعویٰ جھوٹا ہونا اس سے نہیں ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ان کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ہوتا تھا کہ یا تو کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئے یا زبان سے بھی اسلام کا دعویٰ نہ کرتے اور مسلمانوں میں نہ موجود رہتے قتل کئے جاتے ہوگا تو اس وقت ایسا نہ کرتے جس کی وجہ سے مسلمان ان کو قتل کرتے تو وہ اپنے سے زبان سے کہہ دیتے تھے اور ہر مسلمان میں تو وہ بھی مسلمان سمجھے جاتے تھے نہ کہ حقیقت میں کیونکہ زبان کا اسلام کسی درجہ میں اسلام نہیں ہے کیونکہ اسلام تو در اصل قلب کا فعل ہے زبانی اسلام کو جو اسلام کہا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ زبان قلب کا عنوان ہے جب ایک شخص زبان سے کہہ رہا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس کا کوئی مکذب نہیں تو اسکو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے اور گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے بعض کا منافق ہونا معلوم ہو جاتا تھا مگر یہ حکم تھا کہ ان کے ساتھ بھی اہل اسلام کا سا معاملہ کیا جاوے اس بنا پر اس وقت میں جتنے مقربین موتی و منافق و کافر و ارتداد کسی کے کسی کے قلب کا فعلی طور پر حال معلوم نہیں ہو سکتا اس لیے یہ درجہ نہ رہا کہ کسی کو دل سے کسی کا کافر ہونا معلوم ہو جاوے مگر اس کے ساتھ معاملہ کافر جیسا نہ کیا جاوے کیونکہ وحی نہ ہونے کے

سب کے کسی کاموں سے کافر ہونا معلوم ہو سکتا اس لیے اب تین درجے نہیں رہے دو ہی درجے رہ گئے۔ مسلم یا کافر اور حضور کے زمانہ میں جو تین درجے تھے وہ بھی محض ظاہری احکام کے لحاظ سے تھے کہ ظاہر میں منافقین کے احکام مثل مسلمانوں کے تھے باقی حقیقت کے اعتبار سے تو منافقین کا کوئی تیسرا درجہ نہیں درجے درحقیقت دو ہی ہیں کفار اور مؤمنین۔ اور منافقین درحقیقت کفار ہی میں داخل ہیں اسی واسطے میں نے کہا تھا کہ منافقین بھی کفار ہی ہیں یہ گروہ اب نہیں ہے صرف اسی زمانہ میں تھا اور ان کے واسطے یہ حکم تھا کہ ان سے ساتھ معاملہ بالکل مسلمانوں کا سا کرو غازیں شریک ہوں تو ہونے دو مسجدیں آئیں تو آنے دو غرض سب طرح ظاہری برتاؤ مسلمانوں کا سا رکھو لیکن حق تعالیٰ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا تھا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے یہ لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں مگر یہ مومن نہیں ہیں اس آیت میں تو تمام کے ساتھ اطلاع دی گئی ہے اور تعیین کے ساتھ بھی اطلاع کر دی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ وحی ایک بڑا عام تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راز کے اعلان عام کی اجازت نہیں دی تھی کیوں کہ اس میں بہت مصلحتیں تھیں مثلاً یہ کہ اگر ان کے کفر کو تعیین کے ساتھ ظاہر کر دیا جاتا تو شاید کوئی ان کو قتل کر دیتا اور ان کے ساتھ معاملہ کفار کا سا کیا جاتا اور قتل و قتال کی جو خبریں دور دور بھی پہنچتی ہیں تو سب جگہ یہ شہرت ہو جاتی کہ وہاں تو مسلمانوں کو بھی قتل کیا جاتا ہے تو پھر نئی مسلمان ہونے کیوں آتا۔ نیز حضور کے اخلاق پر دھبہ آتا کہ اپنوں کو بھی قتل کرتے ہیں اس وجہ سے ان کے ساتھ معاملہ کفار کا نہیں کیا گیا یہی وجہ ہے کہ بعض وقت کسی منافق کے منہ سے کوئی بات ایسی نکل بھی گئی جس سے اس کا مافی الضمیر ظاہر ہو گیا اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضورؐ سے اجازت مانگی کہ دعنی اضرب عنقہ یعنی اجازت دیجئے کہ میں اس گردن مار دوں تو حضورؐ نے اس کی اجازت نہیں دی وہ مصلحت یہی ہے کہ اگر اجازت دی جاتی تو خبر یہی مشہور ہو جاتی کہ ایک مسلمان کو مار دیا گیا اس وجہ سے منافقین کے ساتھ کفار کا سا برتاؤ نہیں کیا گیا اور حضورؐ کو بھی

اطلاع عام کی اجازت نہ تھی یوں حضورؐ نے بعض خاص لوگوں کو مطلع فرما بھی دیا تھا، اور نام بنام بتلا دیا تھا، چنانچہ حضرت حذیفہؓ کو ان کے نام سے تو نہیں مگر صاحب سر یعنی حضورؐ کے رازدار کہلاتے تھے۔ ان کو حضورؐ نے بتلا دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص کا خاتمہ کفر پر ہوگا یہ لوگ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں مگر دل میں ان کے اسلام نہیں ہے۔ جس طرح حضورؐ نے عام طور سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا اسی طرح حضرت حذیفہؓ نے بھی اس کو ظاہر نہیں رکھا اور کسی پر ظاہر نہیں کیا اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے وہ باتیں معلوم ہیں کہ اگر میں زبان سے نکالوں تو لقطع هذا ابلعقوم یعنی میرا گلا کاٹ دیا جائے مطلب یہ ہے کہ ایسوں کی حالت مجھے معلوم ہے جن کی نسبت کسی کو بھی خوش گمانی نہیں ہو سکتی اگر میں زبان سے نکال بیٹھوں تو لوگ میرے ہی دشمن ہو جائیں اور میرا گلا کاٹ دیں۔

خشیتِ صحابہؓ

صحابہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ اور کیا بات معلوم ہے جس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب کوئی جنازہ آتا تو یہ دیکھ لیتے کہ اس کے ساتھ حضرت حذیفہؓ بھی ہیں یا نہیں اگر حضرت حذیفہؓ نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ بھی اس کی نماز میں شریک نہ ہوتے اس خیال سے کہ حضرت حذیفہؓ کا بدول حذیفہؓ شریک نہ ہونا خاص نہ علت نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی شاید ان ہی میں سے ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہونیوالا نہ تھا اور حضرت عمرؓ کی خشیت دیکھئے کہ باوجودیکہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان کا تقویٰ طہارت علم سب کو معلوم ہے مگر خوف کی یہ حالت تھی کہ کبھی کبھی حضرت حذیفہؓ سے پوچھتے کہ سچ بتانا کہ میرا نام تو اس میں نہیں ہو گیا جنکی نسبت منافق ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی خشیت تھی ورنہ یہ تھوڑا ہی تھا کہ حضرت عمرؓ کو حدیث کے سچا ہونے میں کچھ شک تھا حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلام میں دس آدمیوں کو نام بنام جنت کی بشارت دی تھی ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے تو حدیث نبویؐ میں یہ بشارت سننے کے بعد ان کو اپنے ایمان پر کوئی شک تھوڑا ہی ہو سکتا ہے پھر اس سوال کی وجہ کیا تھی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کی

عظمت و قدرت مکشف ہوتی ہے وہ یہ تو کہ بعض جگہ مشروط وعدہ خلافی نہیں ہو سکتی ایک ذرے سے بھی حقیر حاکم کے یہاں بھی ایسا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ حکم الحاکمین کے یہاں کہ جہاں کسی قسم کی روک ٹوک کی مجبوری ہے نہیں پھر وہاں وعدہ خلافی ہو تو کیوں ہو مگر عظمت و قدرت پر نظر ہونے سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اگر وہ وعدہ پورا نہ کریں تو کسی کا کیا چارہ ہے وعدہ کرنے سے قدرت سلب نہیں ہو گئی ہیں جیسا کہ وعدہ پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اسی طرح قدرت کو کوئی رکاوٹ نہیں ہے تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے یہ خیال اُن کی جان کو گھلا دیتا ہے اور اُس وقت جو تمام بھی خشیت کے اس پر ظاہر ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ حضرت عمرؓ جیسے کامل الایمان ہیں۔ سب جانتے ہیں کیا ان کو حدیث کی بشارت میں کچھ شک ہو سکتا ہے ہرگز نہیں مگر یہی بات ہے کہ جس وقت خشیت کا غلبہ ہوتا ہے اور قدرت پر نظر ہوتی ہے تو بشارت کا خیال بھی نہیں رہتا۔

اب ہاں تو اس کو سمجھ گئے ہوں گے مگر اہل قال کی سمجھ میں نہ آیا ہوگا کیونکہ ابھی طلب ملا تشکان کہہ جاتی ہیں اور قاعدہ یہ مضمون منطبق نہیں ہوا۔ پیچھے میں ان کو بھی سمجھائے دیتا ہوں سمجھ لیجئے کہ یہ بات مسلم ہے کہ حق تعالیٰ کے وعدہ میں خلاف نہیں ہو سکتا۔ رہے دو قسم کے ہیں مقید و مطلق یعنی ایک تو وہ وعدہ ہوتا ہے جس میں کسی قید کے کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم یوں کریں گے تو اس وقت اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ وہ کام ویسا ہی ہوگا اور مقید کے یہ معنی ہیں کہ مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ یہ شخص اگر عمل کرے گا تو اس کو جنت میں لیجائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ قید پائی جائے گی یعنی وہ عمل کرے گا تو جنت اس کو ضرور ملیگی ورنہ نہیں۔

یہاں تک مضمون بالکل تو مدشورہ پر منطبق ہے مگر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وعدہ مقیدہ کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس میں قید ظاہر بھی کر دی گئی ہو اور ایک وہ جس میں قید ظاہر نہ کی گئی ہو جبکہ حق تعالیٰ نے اپنے علم میں بھی ہو غرض بعض مقید بصورت اطلاق ہوتا ہے تو اب حضرت عمرؓ کے خوف کی وجہ یہ تھی کہ مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ تم جنت میں جاؤ گے لیکن ممکن ہے کہ یہ

وعدہ کسی قید کے ساتھ مقید ہو اور اس قید کی رعایت نہ کی گئی ہو تو بعد حق تعالیٰ نے اپنے علم میں رکھی ہو اور ممکن ہے کہ مجھ میں اس قید کا وجود نہ ہو تو اس صورت میں باوجود وعدے کے بھی خلف ہو سکتا ہے جیسے باوجود قید [illegible]

باوجود وعدہ کے خوف [illegible]

اسی واسطے یہ حدیث [illegible] ترجمہ ہے کہ اللہ جن باتوں کا آپ سے [illegible] وعدہ لیتے ہے وہ کو دیتا اور ہر کو قیامت کے دن رسوا نہ کرے [illegible] کا وعدہ کیا گیا ہے خلف تو ہو ہی نہیں سکتا پھر اس کے لئے [illegible] ہونے پر ایمان نہیں [illegible] ترجمہ ہے۔

اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ جس قید کے ساتھ وعدے کیے گئے ہیں ممکن ہے کہ وہ قید ہو میں نہ پائی جائے، [illegible] ہو سکتا ہے کہ ہم کو ایسی حالت ایسی میسر ہو جاوے کہ ہم اس وعدہ کے مصداق بن جاویں [illegible] لے آویں گا اور عمل صالح کرے گا تو ضرور جنت ملے گی [illegible] ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اتفاق کر لیجئے ہم ہیں اس وقت ہم میں سے اور عمل صالح بھی اور اس وقت ہم اس وعدہ کے مصداق میں نہیں ہو سکتے ہیں [illegible] ہے اور اس وعدہ کے مصداق [illegible] سے تو وعدہ بھی سچا رہا اور موجود ہمارے [illegible] کا وقوع میں آنا بھی ممکن ہے کیونکہ وہ حقیقۃً موجود نہیں تھا اسی واسطے سوال کیا جاتا ہے۔ اب اس آیت پر وہ سکتا ہے کہ [illegible] کا وعدہ ہے اس کا سوال کیوں کیا جاتا ہے حاصل جواب کا یہ ہو کہ سوال اس بات کا کیا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے [illegible] کو پیدا کر دیں اور باقی رکھیں جس کے ساتھ وہ وعدہ مقید ہے تو [illegible] کا حاصل یہ ہو کہ ہم کو ان لوگوں میں سے کر دیجئے جو اس وعدہ کے مصداق ہیں۔ غرض وعدہ سچا ہے لیکن کبھی وقوع میں وہ وعدہ مقید ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ قید ہم کو بتلا بھی دی جاتے

یہ بات اس قدر خوف کی ہے کہ جس کے کان میں ایک دفعہ پڑ گئی ہو اس کو کبھی چین نہیں آسکتا یہ تقریر ہل قال کے فہم کی لائق بھی ہو گئی باقی حل حال کی تو وہی حالت ہے جو پہلے عرض کی گئی کہ گران کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہو کہ میں اس وعدے کا مصداق ہوں تب بھی چین نہیں آتا کیونکہ یہ بات ہی ایسی ہولناک ہے کہ جس وقت اس کی طرف خیال چلا جاوے تو اور سب خیالات کو محو کر دیتی ہے تو قتل وعدہ کا زائل نہیں ہوتا بلکہ اس کا استحضار رہنا اس کی ایسی مثال ہے کہ شیر خونخوار چیز ہے فرض کیجئے کہ وہ ایک بہت مضبوط لوہے کے کٹہرے میں بند ہو اور اس حالت میں ایک شخص اس کے سامنے کھڑا ہو اور وہ شیر کٹہرے کے اندر سے اس پر آنکھیں لگائے اور حملہ کرے تو اس شخص کی حالت کیا ہوگی کیا وہ اطمینان سے کھڑا رہے گا ہرگز نہیں رنگ زرد پڑ جائے گا اور کانپنے لگے گا اور دل دھک دھک کرنے لگیگا حالانکہ ظاہر میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ معلوم ہے کہ شیر کٹہرے سے باہر نہیں آسکتا اور اس کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا پھر یہ حالت اس کی کیوں ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ٹہرے ہوئے ہیبت ناک چیز کا سامنا ہے۔ ہیبت سے وہ سے تمام خیالات اس وقت محو ہو جاتے ہیں اور یہ یاد نہیں رہتا کہ میرے اور شیر کے درمیان کٹہرا حائل ہے یہی حالت ہے حق تعالیٰ کی عظمت اور قہر کی کہ جس کے سامنے وہ ہوتا ہے اس کے وسوسے خیالات بالکل محو ہو جاتے ہیں یہ وجہ ہے حضرت عمرؓ کے ڈرنے کی حالانکہ اطمینان تھا کہ میں عشرہ مبشرہ میں سے ہوں مگر قہر خداوندی ایسی ہولناک اور ہیبت ناک چیز ہے کہ جس وقت اس کا خیال آتا تھا تو اور تمام خیالات مٹ جاتے تھے جس وقت حضرت عمرؓ پر اس کا انکشاف ہوتا تو ڈرتے اور حضرت حذیفہؓ سے پوچھتے تھے کہ بہر نام تو حضورؐ نے منافقین میں نہیں لیا وہ اطمینان دلاتے تو تسلی ہو جاتی پھر کبھی خشیت کا غلبہ ہوتا پھر اسی طرح پوچھتے پھر وہ اطمینان دلاتے تو تسلی ہو جاتی غرض یہی لوٹ پوٹ رہتی بحمد اللہ اس وقت اس کی وجہ جس طرح بیان کر دی گئی ہے کہ کوئی بھی علمی اشکال نہیں رہا باقی پورا انکشاف اور حل اشکالوں کا کس وقت

ہو سکتا ہے جبکہ ہم بھی اپنے اندر خوف اور خشیت پیدا کریں۔ اہل حال کی حالت بدون حال پیدا کیے پوری طرح سمجھ میں آ نہیں سکتی۔

الحاصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم تھا مگر ان کو رسوا نہ کیا گیا اور ان کے ساتھ ظاہری برتاؤ اہل اسلام سا ہی کیا گیا اُن مصالح کی وجہ سے جن کو میں نے بیان کیا۔ بہرحال اُس وقت ایک جماعت منافقین کی تھی اور ایک جماعت کفار کی اور دونوں میں یہ امر مشترک تھا کہ دونوں میں ایمان نہ تھا تو حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی جماعت کے فرد تھے۔ یہ جماعت دو ہے جن کا دعویٰ غلط ہے اور یہ اس کے مشابہ ہیں جو دعویٰ کرے مالدار ہونے کا اور مال اس کے پاس ذرا بھی نہ ہو یہ مدعیٰ کی پہلی قسم ہے سو، سوقت بحمداللہ ایسا منافق نہیں ہے کوئی شاذ و نادر کہیں ہو تو ہو مگر کوئی جماعت منافقین کی نہیں ہے کوئی ایک دو آدمی دبا دبایا پڑا ہو کسی حکومت وغیرہ کے خوف سے یا کسی کے لحاظ سے تو اور بات ہے ورنہ درحقیقت آجکل کوئی عام دباؤ ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی جماعت کو اس بات کی ضرورت ہو کہ ظاہر کچھ رکھا جاوے اور باطن کچھ آج کل جس کا جی چاہے کھلم کھلا کافر ہو سکتا ہے۔ اس لیئے منافقین کا ذکر اس وقت فضول ہے بلکہ اسوقت صرف مسلمانوں کا ذکر ہے کہ یہ اپنے دعوے میں غلطی پر تو نہیں اور اس شخص کے مشابہ تو نہیں کہ جو مالدار ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اور مال سے بالکل ہی خالی ہے سو خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ ہم میں ایسا کوئی نہیں اس سے تو حق تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے کہ ہم زبان سے مسلمان بنتے ہوں اور دل میں ایمان سے خالی ہوں۔

کسی کو کافر کہنا۔ یہاں سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ یہ جو بعض لوگ تشدد کرتے ہیں کہ مسلمان کو کافر اور منافق کہہ دیتے ہیں یہ بڑی غلطی اور جرأت ہے۔ جب وہ زبان سے اسلام ظاہر کرتا ہے اور آج کل کوئی وجہ اس بات کی رہی نہیں کہ نفاق کا دعویٰ اختیار کیا جائے تو پھر کسی کو کافر و منافق کہنے کے کیا معنی؟ کافر بڑا سخت لفظ ہے بڑی احتیاط چاہیئے۔ کافر کسی کو اس وقت کہہ سکتے ہیں جب کہ وہ

کوئی فعل ایسا کرتا ہو جو محتمل تاویل کو بھی نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص بت پرستی بلا اکراہ کھلم کھلا کرتا ہو تو اس وقت اس کو کافر کہہ سکتے ہیں اور جب تک شخص بت پرستی سے نفرت رکھتا ہے زبان سے کلمہ پڑھتا ہے تو اس کی تکذیب کرنا اور کافر کہنا کیا معنی؟ ظاہر بات ہے کہ کافر اصل میں تو اس کو کہتے ہیں جو دل سے منکر ہو حق تعالیٰ کا اور جو شخص زبان سے انکار کرتا ہے اس کو کافر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے نزدیک وہ دل سے منکر ہے کیونکہ اس کے زبان سے انکار سنا گیا اور زبان ترجمان دل ہے تو کفر کا حکم اس واسطے لگایا گیا ہے کہ زبان کے ذریعہ سے اس کا انکار قلبی معلوم ہو گیا۔ غرض کسی کو کفر لسانی کی وجہ سے کافر کہنا بھی دراصل کفر قلبی ہی کی وجہ سے ہے مگر چونکہ ہم کو انکار قلب کا علم ظاہر سے ہوتا ہے یعنی زبان سے اس واسطے زبان سے انکار کرنے والے کو کافر کہہ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ہم حکم اسی بات پر لگا سکتے ہیں جو ظاہر ہو اور زبان سے کہی جائے پس جب ایک شخص اسلام ظاہر کرتا ہے اس کو ہم کافر کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ گویہ اسلام ظاہر کرتا ہے مگر ہم کو کسی اور ذریعہ سے دل کا حال معلوم ہو گیا ہے کہ اس میں کفر ہے سو وہ کونسا ذریعہ ہے؟ ہمارے پاس وحی نہیں آتی جس سے دل کا حال معلوم ہو جائے اور نہ کسی صاحب وحی نے ہم کو بتلایا جیسا کہ حضرت حذیفہؓ کو بتلایا تھا۔ پھر دل پر حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے یہ سخت غلطی ہے۔

فتویٰ کفر میں احتیاط

اور اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہم نے آج کل یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنا جو ایک مسلک قرار دے لیا ہے بس وہی اسلام ہے اور وہی ایمان ہے جو اس کے خلاف ہو وہ کافر ہے یہ بہت سخت بات ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کو دیکھئے صاحب مذہب مجتہد تھے۔ ان کا یہ منصب تھا کہ ایک مسلک قرار دے لیتے ہم تو اس کے بھی اہل نہیں مگر ان کی احتیاط دیکھئے ان کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے حق میں کیا فرماتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ لا یدخل النار کافر یعنی کوئی کافر دوزخ میں نہیں جائے گا آپ نے شاگردوں سے پوچھا

سب نے اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگا دیا کیونکہ یہ لفظ صراحۃً خدا تعالیٰ کے قول کے خلاف ہے قرآن شریف میں صاف آیا ہے کہ کفار دوزخ میں جائیں گے اور یہ شخص کہتا ہے کہ کوئی کافر دوزخ میں نہ جائے گا تو اس نے خدا تعالیٰ کے قول کی اور اس کا کفر ہونا ظاہر ہے امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ظاہر معنی تو یہی ہیں مگر اس میں کوئی تاویل بھی ہو سکتی ہے یا نہیں لوگوں نے کہا ہے حرفی لفظ میں کیا تاویل ہو سکتی ہے۔ فرمایا نہیں میرے نزدیک ایک تاویل ہو سکتی ہے اس کا یہ کہنا کہ دوزخ میں کوئی کافر نہیں جائیگا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ دوزخ میں جاتے وقت کوئی کافر نہ رہیگا کیونکہ قیامت میں کفار کو حق ظاہر ہو جائیگا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم غلطی پر تھے جب اپنی غلطی ظاہر ہو جائے گی تو اسوقت انبیاء کی بھی تصدیق کریں گے دوزخ کی بھی اور انکار کی بھی تو وہ منکر نہ رہے تو اب یہ کہنا ٹھیک ہو گیا کہ دوزخ میں ہر کوئی جائے گا وہ منکر اور کافر نہ ہو گا یعنی اسوقت تو اس شخص نے کہا جھوٹ کہا پھر اس کا فتویٰ کیوں لگایا جاوے۔ یہ دیکھا ہے کہ اس وقت کا یہاں نفع نہ دیگا کیونکہ قیامت دار جزا ہے دار العمل نہیں ہے دار العمل تو دنیا ہے دنیا کا کیا ہو عمل کام دے سکتا ہے نہ کہ آخرت کا

علاوہ ازیں آخرت تو علم الیقین کا گھر ہے وہاں ہر شخص کو انکشاف حقائق ہو جائے گا اور ایمان وہ کارآمد ہے جو بالغیب ہو حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا ہے تو یہی ہے کہ بلا دیکھے ہوئے ان کی خبر پر اور ان کی کتاب پر یقین کر کے ایمان لایا جاوے۔ یہ ایمان مقبول ہے اور اگر تصدیق بالغیب مدار قبول ایمان نہ ہوتی تو حق تعالیٰ انبیاء کو کیوں بھیجتے یہیں انکشاف حقائق فرما دیتے تاکہ سب ایمان لے آتے تو جو شخص آخرت میں ایمان لایا اس نے انبیاء کی اور قرآن کی تصدیق نہیں کی بلکہ دیکھ کر ایمان لایا یہ ایمان بالغیب نہیں ہوا لہٰذا مقبول نہیں تو گو اس شخص کا ایمان کارآمد تو بیشک نہیں ہے لیکن ایمان تو ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ وہ شخص گو شرعاً کافر ہے مگر نفسِ نفسہٖ کا فر نہیں پس یہ جملہ تو صادق ہو گیا کہ وہ نار میں داخل ہوتے وقت یعنی فوری کافر و منکر نہ ہو گا سو لا یدخل النار کافر کہنے والے کو کیسے

[illegible] ہے تو جبکہ اس سے قول میں یہ تاویل ہو سکتی ہے

[illegible] مگر ساتھ ہی اس
بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں حالانکہ ہمارے [illegible] اور بہت سخت اور بہ نگوں کو بھی کسی کو
کافر کہنے میں بڑی جلدی کرتے تھے۔ میں نے اپنی حیات میں کتابوں میں بھی اور اس کو دیکھ کر
مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اس کا ذکر نہیں ہے یہ شخص کافر ہوا اور فرمایا حضرت مولانا محمد یعقوب
صاحب کے پاس یہ [illegible] حضرت اس شخص کے کفر میں کیا قائل ہے وہ حکایت یہ تھی کہ ایک
شیخ نے [illegible] کو [illegible] کہا کہ [illegible] اس نے کہا جی میں کیا جانوں خدا کو میں تو
آپ کو جانتا ہوں کہ کتنا بڑا [illegible] ہے یہ شخص خدا کا انکار کرتا ہے اور خدا سے بھی زیادہ آپ
کو سمجھتا ہے تو اس کے کفر میں کیا کلام ہے مولانا نے اور کہا کہ اس لفظ کے کوئی صحیح معنی نہیں ہو
سکتے میں نے کہا حضرت اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں جب ایک شخص خدا ہی کو جانتے سے انکار کرے
تو اس کا ایمان کہاں رہا۔ مولانا نے کہا بھائی جانے سے مراد کہ میں اس کو ہوش درست ہونے
کہنے لگے بھائی خدا کو جاننا تو بڑا مشکل ہے وہ کون شخص ہے جو دعویٰ کرے کہ میں خدا
کو جانتا ہوں ہاں تو وہ مسلمان ہے جس میں تمام فلاسفر گمراہ ہوئے اور ہیں تو وہ مسلمان ہے جس میں
ہزاروں اب بھی گمراہ موجود ہیں جو حق پر ہیں وہ بھی اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ کو
اجمالاً کچھ سمجھتے ہیں باقی جس کا نام علم اور جاننا اور سمجھنا ہے اس کی تو خیر صلاح ہے۔ یہی بات
تو وہ شخص بھی کہتا ہے کہ میں خدا کو کیا جانوں میں تو تم کو جانوں یعنی خدا کا راستہ بتلانے والے کو۔
تو وہ کیا بیچا کہتا ہے پھر بیچ رہے کو کافر کیوں بناتے ہو۔ دیکھئے مولانا نے ایک تاویل بعید
کر کے اس کو بچا لیا۔

کافر بنانا یا بتانا: اہل حق کا طریقہ یہی ہے کہ حتی الامکان جب تک کوئی بھی
تاویل بن سکے کسی کو کافر نہ بتادیں۔ ہاں اگر وہ خود ہی تاویل
کو بھی رد کر دے تو مجبوری ہے کہ اب مدعی سست اور گواہ چست کا قصہ بنے باقی اپنی طرف سے

کبھی کسی کو کافر نہیں بناتے اور جہاں کہیں بعض علمائے شرع نہوں نے کسی کو کافر کہہ دیا ہے بعض جہلا اس پر بھی طعن کرتے ہیں کہ لوگوں کو کافر بناتے ہیں میں اس کے متعلق بطور لطیفہ کہا کرتا ہوں کہ انہوں نے کافر بنایا نہیں بلکہ کافر بتایا ہے (دونوں میں ایک نقطہ کا فرق ہے)۔ اس شخص نے واقعی ایسا ہی کام کیا ہے جس پر کفر عائد ہوتا ہے اور کوئی تاویل بھی نہیں بن سکتی تو وہ کافر تو خود بن گیا انہوں نے صرف بتا دیا ہے کہ اس پر کفر عائد ہوتا ہے اور اس بتانے میں بھی اتنی احتیاط کی ہے کہ بعید تاویل بھی اٹھا نہیں رکھی جب کوئی تاویل بھی نہ بن سکی تب انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے اور ان کی کوئی ذاتی غرض یا غیظ و غضب یا بات کی ہتک اس میں شامل نہیں ہوتی بلکہ خوف خدا اور ترحم شامل ہوتا ہے کافر کے لفظ سے وہ کانپتے ہیں اور کسی کے لیے بھی اس کے استعمال کو حتی الامکان گوارا نہیں کرتے اور وقعی یہ لفظ ہے بھی ایسا ہی کیونکہ اس کے معنی ہیں ابد آباد کیلئے رحمت خدا سے بالکل نا امید و محروم ہو جانا۔ سو یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ارحم الراحمین کی رحمت سے کسی کو ہمیشہ کیلئے نا امید کر دیا جاوے اس کی نظر میں دنیا کوئی چیز نہیں۔ ان کی نظر تو آخرت پرستی ہے چنانچہ میں وقت کسی گنہگار کو بھی دیکھتے ہیں اور یہ خیال آتا ہے کہ یہ شخص ایک گناہ میں مبتلا ہے اور آخرت میں اس کے لیے بڑی مصیبت ہوگی تو ان کو رحم آجاتا ہے خواہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو اور خواہ اس سے کتنی ہی تکلیفیں ان کو کیوں نہ پہنچی ہوں ان کے پیش نظر ہر وقت آخرت رہتی ہے وہاں کی راحت کو راحت اور وہاں کی تکلیف کو تکلیف سمجھتے ہیں۔ دنیا کی راحت ہوتی تو کیا اور تکلیف ہوتی تو کیا مگر وہاں کی تکلیف کسی کے لیے گوارا نہیں کرتے اور وہاں کی تکالیف گناہوں پر مبنی ہیں اس وجہ سے ادنیٰ سا گناہ بھی کسی کے ذمہ لگانا پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ کفر کیونکہ کفر کسی کیلئے ثابت کر دینے کے تو یہ معنی ہیں کہ اس کو ابد آباد کیلئے رحمت خداوندی سے مایوس اور محروم بنا دیا جاتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کی تکالیف اور عذاب اس کے لیے ثابت ہو جائیں یہ کب ہو سکتا ہے ان کا تو اگر اختیار ہو تو مسلمان کو تو کافر کہنا درکنار کافر کو بھی کافر نہ رہنے دیں

ہے فتویٰ کفر دینا بڑا سخت حکم ہے اس کا نام بھی اُن کی زبان پر مشکل سے یہ بات ہے کہ کوئی خود ہی کافر ہے اور رحمت ہی سے خارج ہونا چاہتا ہے یہ اس وقت بھی دل سے چاہتے ہیں کہ یہ کافر ہے مگر جب وہ خود ہی اڑ بیٹھا تب ہے تو کسی کا کیا بس ہے حکم شرعی کو یہ بدل نہیں سکتے مدینہ منورہ کے فتوی دے دیں گے تو اس وقت انہوں نے کافر نہیں بنایا بلکہ وہ خود ہی کافر بنا انہوں نے صرف بتلا دیا ہے کہ یہ کفر ہو گیا انہوں نے بالکل ہی مضطر ہو کر یہ فتویٰ دیا اگر بعید سے بعید بھی تاویل کی کوئی راہ ہو تو وہ اس حکم کفر سے بچا لیتے ہیں اللہ والوں کا یہی طریق رہا ہے میرے پاس بہت فتوے آتے ہیں لوگ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ کلمہ کہا اس سے کفر عائد ہوا یا نہیں میں کہتا ہوں جواب دیتا ہوں کہ یہ کلمہ گستاخی کا ہے یہ شخص بہت بے ادب ہے اس نے ٹرگ بک مگر کفر نہیں کفر کا نام لیتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ کسی کو کافر کہہ حق تعالیٰ کی رحمت سے خارج کر دینا ہے اور رحمت حق تعالیٰ کی اس قدر وسیع ہے کہ اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

ضعیف ترین ایمان

اس کا پتہ اس حدیث سے چلتا ہے بڑی عبرت کی حدیث ہے اور وہ مشہور حدیث شفاعت کی ہے اس سے ہم لوگوں کو سبق لینا چاہیئے اور زبان اور قلم کو قابو میں رکھنا چاہیئے وہ حدیث یہ ہے کہ قیامت کے دن جب شفاعت کی اجازت ہو گی تو سب سے پہلے مراتب شفاعت کریں گے انبیاء علیہم السلام بھی کریں گے اور اُمتی بھی، جب سب کی شفاعت ختم ہو جائے گی تو حق تعالیٰ فرمادیں گے کہ انبیاء بھی شفاعت کر چکے اور ملائکہ بھی کر چکے اب ارحم الراحمین میں یہ (اکرم) بتا کر دو مٹھی بھر کر دوزخیوں کو جنت میں داخل کر دیں گے۔ (اللہ میاں کی دو مٹھی نہ جانے کتنی ہو گی ہے یہاں بحث کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ متشابہات میں سے ہے جس کا علم اللہ کو ہے اور جو حق ہے) یہاں مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ بہت سے ان دوزخیوں کو جہنم سے نکالیں گے جنکو شفاعت اُمتیوں کی جنتی نہ ہو سکے گی نہ انبیاء علیہم السلام کی۔

اور اسی حدیث میں یہ لفظ بھی ہے کہ جو شخص اس آدمی کی قسم کھائے
اور قسم میں اپنا ایمان بیچ ڈالے حالانکہ وہ جھوٹا ہو تو اس سے اس شخص کو کچھ نہ ملے گا
اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے
کہ جو لوگ شفاعت سے رہ گئے تھے ان میں ذرہ برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

اب اس پر غور کرنا ہے کہ یہ لوگ مومن ہوں گے یا کافر؟ اگر کافر ہوں گے تو ان
کی مغفرت کا سوال ہی نہیں ہوسکتا اور یہ بھی کافروں کی مغفرت صحیح ہے اور اگر مومن ہیں تو ان شفاعت
کرنیوالے نبیوں نے یا فرشتے نے یا کسی اور سے یہ نہیں سنا کہ یہ جنت میں جائیں گے بلکہ یہ سنا
تھا کہ جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے ان کو جہنم سے نکالا جاوے

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ شق تو باطل ہے کہ ذرہ برابر ایمان ہونے والے کافر کی
بخشش نہیں ہوسکتی بلکہ وہ مومن ہی ہوں گے لیکن ان کا ایمان اتنا ضعیف اور اس قدر
مخفی ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کے ادراک میں بھی نہیں آسکتا ہاں حق تعالیٰ شانہ ان کو علم کامل
عطا فرمایا ہے خصوصاً آخرت میں کہ وہ تو مقام ہی ہے اطلاق حقائق کا مگر اس پر بھی ان
حضرات کو پتہ نہ چلا تو ذرا ایمان تھا کہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو علم نہ ہوگا غرض
یہ لوگ حقیقت میں ہوں گے مومن ہی لیکن ان کا ایمان اسقدر مخفی ہوگا کہ انبیاء ورجہ کی
تیز چشم بصیرت کے بھی ادراک میں نہ آئیگا اس سے ثابت ہوا کہ بعض کا ایمان ایسا ضعیف بھی ہے
کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اس کا پتہ چلنا مشکل ہے پھر مولویوں کو تو کیسے پتہ چل جاوے گا اور
عوام تو کسی شمار میں نہیں اس لیے بات بات میں کسی پر کفر کا فتویٰ لگا دینا کیسے صحیح
ہوسکتا ہے؟

تخصیص رحمت یہ تو حق تعالیٰ کی رحمت کو تنگ کرنا ہے اس موقع پر اس
اعرابی کا قصہ یاد کیجئے جس نے یہ دعا کی تھی اللھم ارحمنی
وحمدا ولا ترحم معنا احدا قصہ اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا اور نماز پڑھی اور اس کے بعد دعا کی کہ اے اللہ میری دعا ہے وہ یہ ہے کہ اے اللہ میرے اوپر رحم کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کر اور ہم دونوں کے سوا کسی اور پر رحم مت کر۔

یہ بھی ہوسکتا ہے حضورؐ کی کہ آپ کو تامل کریں اور شاید وہ بھی چاہتا ہو کہ ساری رحمت حق تعالیٰ مجھ ہی کو مل جاوے غیر جس طرح بھی ہو اس سے تب کو تو دعا میں شریک کریا حضورؐ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا لقد تحجرت واسعا یعنی تو نے ایک بہت بڑی چیز کو تنگ کر دیا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت میں کچھ کمی تھوڑا ہی تھی جو تو نے دو ہی آدمیوں پر منحصر کر دیا اللہ تعالیٰ کی رحمت تو وہ ہے کہ تمام دنیا کو محیط ہو جاتے اور پھر بھی ختم نہ ہو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کو تنگ نہیں کرنا چاہئے

اس قصہ کو سن کر تعجب کریں گے کہ وہ شخص کیسا گنوار تھا کہ ایسی دعا کی کہ بس ساری رحمت دو ہی شخصوں کے حصہ میں آجاوے۔ میں کہتا ہوں اسکو تو گنوار کہا جاتا ہے لیکن ذرا اس حالت پر تو نظر ڈالیے جو آجکل تعلیم یافتہ جماعت اور اہل علم کی ہو رہی ہے ان کا طرز عمل دیکھئے کہ انہوں نے بس اپنا ایک مسلک قرار دے لیا ہے جو اس سے ذرا خلاف ہوا اسی کو رحمت حق سے خارج کر دیا کیا یہ وہی اعرابی والی حالت نہیں ہے مگر اپنا عیب نظر نہیں آتا ورنہ حالت تو ان تعلیم یافتوں کی بھی اس اعرابی کی سی ہے جس نے رحمت کو تنگ کیا تھا۔ ویسے ہی انہوں نے تنگ رکھا ہے آخر کیا فرق ہے دونوں میں۔ اس نے دو ہی پر منحصر کیا تھا اور یہ دس بیس سو پچاس یا ہزار دو ہزار پر منحصر کرتے ہیں اس میں تو دونوں شریک ہیں کہ یہ وسیع رحمت کو تنگ کرتے ہیں تو اس کو گنوار کہنا اور اس پر اعتراض کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

بلکہ اس کی حالت اس لحاظ سے بھی کہ دلائل کا علم نہ ہونے سے اس نے ایسا خیال کیا تھا اور یہاں بینات کے بعد یہ طرز ہے بہرحال حضرت حق تعالیٰ کی رحمت بہت بڑی چیز ہے کسی کو اپنے

تخصیص رحمت کا حکم اور دعویٰ نہیں چاہیے۔

ابوداؤد کی حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد اور ایک فاسق کا عابد تو دن رات عبادت میں رہتا اور یہ دن رات گناہ اور فسق و فجور میں رہتا تھا وہ عابد اس کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ تو یہ حرکتیں چھوڑ دے اُس نے کہا کہ میں تم اپنے کام میں لگو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں جانوں میرا خدا جانے۔ غرض ایسا فاسق تھا کہ نصیحت سے بھی باز نہ آتا تھا۔ ایک روز عابد نے اس کو کسی بُرے عمل میں دیکھا تو غصہ میں آکر کہا کہ تجھے خدا تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ دعوے کا لفظ تھا اس کے بعد دونوں کی موت آگئی حکم ہوا کہ عابد کو دوزخ میں لے جاؤ اور فاسق کو جنت میں لے جاؤ اور عابد سے کہا گیا کہ کیا میری رحمت تیرے اختیار میں تھی جو تو نے میرے بندہ پر قطعی حکم لگا دیا کہ تجھ کو خدا تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا اب ہم تجھ کو دوزخ میں لے جاتے ہیں اور اس کو جنت میں اگر تجھ سے ہو سکے تو روک لے۔

یاد رکھو! جو شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہو یعنی زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہو تو وہ اس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک کسی ایسی بات کا انکار نہ کرے جو ضروریات دین میں سے ہے مثلاً نماز کے فرض ہونے کا انکار کرے یا روزہ کی فرضیت کا انکار کرے یا اور جو چیزیں ضروریات دین سے ہیں اُن میں کسی کا انکار کرے تب تو البتہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور جو ضروریات کا انکار نہ کرے بلکہ عمل میں سستی کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے اس پر ایسا سخت حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ بالکل اسلام سے خارج ہو گیا اور ابد الآباد کیلئے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا آخر کفر سے پہلے گناہ کا مرتبہ بھی تو ہے اور اُس میں دو قسمیں ہیں صغیرہ اور کبیرہ۔ اہل حق کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے بھی خروج من الاسلام نہیں ہوتا اور اس پر خلود فی النار نہ ہوگا اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ شفاعت اہل کبائر کو پہنچے گی۔ بڑے سے بڑا کبیرہ بھی اگر کوئی کرے اور سارا عمر کرتا ہے اور کبھی اُس پر نادم بھی نہ ہو نہ توبہ کرے اور مرتے وقت بھی توبہ نصیب نہ ہو تب بھی اہل حق کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کو خلود فی النار نہ ہوگا

چاہے اس کو ہزار برس تک دوزخ میں رہنا پڑے اور گناہوں کی سزا میں چاہے کیسا ہی سخت سے سخت عذاب بھگتنا پڑے مگر کبھی نہ کبھی دوزخ سے ضرور نکال لیا جاوے گا۔

تعدد ذرائع مغفرت ۔ یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ فرض کر لیا جاوے کہ اس کو کسی کی بھی شفاعت نہ پہنچے گی اور کوئی ذریعہ مغفرت کا شفاعت کے علاوہ بھی اس کو نصیب نہ ہوگا حالانکہ ایسا ہوگا نہیں۔

کیونکہ حدیث میں آیا ہے شفاعتی لاھل الکبائر من امتی یعنی فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کو بھی پہنچے گی اور اس کے سوا اور بھی ذرائع مغفرت کے ہیں مثلاً کسی نے اس کے مرنے کے بعد دنیا میں اس کے لیے دعا کی ہو اور وہ دعا قبول ہو گئی ہو۔ یہ ایسی چیز ہے کہ گو ساری عمر وہ شخص کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا رہا ہو لیکن ایک اللہ کے بندہ کی دعا اس کو پہنچ گئی تو حق تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے اگر خدا تعالیٰ اس دعا سے اس شخص کے گناہ معاف کر دیں تو خدا تعالیٰ کو کون روک سکتا ہے غرض ایسے ذرائع بہت ہیں جن سے بڑے سے بڑے گناہ معاف ہو سکتے ہیں ایک کفر و شرک تو ایسی چیز ہے کہ اس کے معاف ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں اور اس کے سوا چاہے کسی شخص میں دنیا بھر کے گناہ مجتمع ہوں مگر سب ایک لحہ میں معاف ہو سکتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں عقیدہ اہل سنت کا یہی ہے اور قرآن شریف میں اس کی تصریح موجود ہے فرماتے ہیں ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء یعنی حق تعالیٰ نہیں بخشیں گے اس کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جاوے اور اس کے سوا جو بھی گناہ ہو بخش دینگے جس کے واسطے چاہیں گے اور اس مضمون میں بہت سی احادیث بالکل صریح موجود ہیں غرض بڑے سے بڑے کبیرہ کا کرنیوالا بھی حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہو سکتا۔ پھر جب حق تعالیٰ نے اپنی رحمت کو اتنا وسیع کیا ہے تو کسی دوسرے کو اس کے تنگ کرنے کا کیا مجاز ہے۔؟

پھر اول تو گناہوں کے معاف ہونے کے بہت سے ذرائع ہیں اور اگر فرض کر لیا جاوے کہ کوئی

ذریعہ بھی ایک شخص کو حاصل نہ ہو اور وہ گناہ اس کے ذمہ رہ گیا تب بھی خلود فی النار نہ ہوگا۔ یہ بھی ان لوگوں میں سے جو یقیناً گناہ گار ہیں جن کے گناہ ہونے میں کسی کو کلام ہی نہیں اور جن کے گناہ ہونے میں کلام سے اس پر تو اس سزا کو بھی نہیں کہہ سکتے جو اس پر ہوتی ہے اس صورت میں گنہگار ہونے کا فتویٰ بھی نہیں لگ سکتا چہ جائیکہ کفر کا

اختلافِ مسائل کی حقیقت

چنانچہ اکثر جن مسائل میں اختلاف ہے ان میں اکثر حالتوں میں گنجائش ہے تو کوئی فریق اپنے مقابل پر دینی حکم قطعی کیسے لگا سکتا ہے اور حکم بھی کون کفر کا۔ لطف یہ ہے کہ ان مسائل میں اختلاف کفر اور عدم کفر کا ہے بھی نہیں بس جو کچھ اختلاف ہے وہ سنت اور بدعت ہونے کا ہے کہ ایک فریق ایک فعل کو سنت اور باعث تقرب کہتا ہے اور دوسرا اس کو بدعت اور معصیت کہتا ہے تو بھی بوجود معصیت اور عدم معصیت ہی میں اختلاف ہے کفر و عدم کفر کا کیا ذکر ہے؟ اگر سنت کہنے والوں سے بہت زور مارا اور اس فعل کو سنت اور اس کے خلاف کو بدعت ثابت کر ہی دیا تب بھی سنت کے تارک پر اس سے زیادہ کیا حکم لگ سکتا ہے کہ وہ ایک سنت کا تارک ہے اور سنت کے تارک پر خلود فی النار کی وعید کہاں آتی ہے؟ اگر سنت کے ترک پر بھی خلود فی النار کی وعید ہے تو کفر اور شرک پر اس سے زیادہ کونسی وعید ہوگی تارک سنت اور کافر کو برابر کر دینا معلوم کہاں تک صحیح ہے۔

آخر اعمال میں باہم فرق مراتب بھی ہے یا نہیں اگر ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کے ترک پر وہی حکم مرتب ہوتا ہے جو اعلیٰ گناہ پر ہوتا ہے تو ادنیٰ سے ادنیٰ نیک عمل کے کرنے پر بھی وہی حکم مرتب ہونا چاہیے جو اعلیٰ سے اعلیٰ نیک عمل کے کرنے پر ہوتا ہے۔ سب سے اعلیٰ عمل اسلام ہے اس میں کسی کو خلاف نہیں تو اگر یہ بات تسلیم ہے کہ ادنیٰ اور اعلیٰ میں کچھ فرق مراتب ہے نہیں تو ایک ادنیٰ عمل کسی میں فرض کیا جاوے مثلاً نرمی سے بولنا کہ یہ بھی کسی درجہ

میں نیک عمل ضرور ہے، اس کو سب جانتے ہیں تو فرض کیجئے کہ ملک کا وزیر عمل کرتا ہے یعنی وہ ہمیشہ زنا سے بچتا ہے تو چاہیئے کہ وہ مسلمان کے برابر ہو حالانکہ اس قاعدہ کی رو سے تو اسلام کی بھی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ وہ دنیوی عمل والا اور یہ دینی عمل والا دونوں جگہ برابر رہے اس سے تو سارا دین کا کارخانہ ہی بگڑ جاتا ہے، مجھ کو یہ ماننا پڑیگا کہ اعمال میں فرق مراتب ہے پھر ترک سنت کو اور کفر کو برابر کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور دونوں کے درمیان خلود فی النار کا حکم کیسے ہٹا دیا جاتا ہے؟ ضرور ہے کہ دونوں میں فرق کیا جائے اور شاید اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہر بات پر کفر کا حکم لگا دینا عقل و شریعت کی رو سے کہاں تک صحیح ہے؟

اور یہ بھی اس وقت ہے جب کسی فعل کی نسبت سنیت کا دعویٰ کرنے والا اپنے دعوے کو ثابت کرے ورنہ اگر اس نے صدہا میں اس کے تارک پر دوزخ کا حکم جاری کرنے سے بڑا کفر اور شر کا

فرقہ ناجیہ

جس نے جنگل و کوہ نے عادت کی ہے ذرا اس خلط کو غور سے دیکھئے مسلمانوں نے اس میں بڑی احتیاط کی ہے خصوصاً امام ابوحنیفہؒ نے کہ انہوں نے کسی اسلامی فرد کو جب تک وہ ضروریات دین کا منکر نہ ہو کافر نہیں کہا اور یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے لا نکفر اھل القبلۃ حالانکہ اسلامی فرقوں کے باہمی اختلافات اس قدر ہیں کہ ان کے سننے سے وحشت ہوتی ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ مسلمانوں میں ۷۳ فرقے ہیں اور ایک کو ان میں سے ناجی کہتے ہیں اور ۷۲ کو ناری، اور یہ کچھ لوگوں کا اختراع نہیں ہے بلکہ حدیث کا مضمون ہے مگر لوگ یاد رکھیں (اور اب علماء کے کام کی بات ہے) کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے تو اس سے کفار اور مسلمانوں کو ملا کر مجموعہ کے فرقے مراد نہیں لیا کیا ظاہر ہے کہ مجموعہ کل اسلام اور کفار کے فرقے تو مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ تو اس سے بہت زیادہ ہیں سر بند ہیں

ہیں اس سے زیادہ فرقے موجود ہیں۔ ہندوؤں میں ۳۳ سے بہت زیادہ فرقے ہیں، عیسائیوں میں بھی زیادہ ہیں تو سب ملا کر بہت ہی زیادہ ہوں گے بلکہ حدیث میں اسلامی فرقے مراد ہیں تو یہ سب ۷۳ فرقے وہ ہوتے جن کو اسلام سے خارج نہیں کہہ سکتے تو ان کے لیے خلود فی النار کے قائل بھی نہیں ہو سکتے اور ایک مضمون یہ بھی ذہن میں حاضر رکھئے کہ قرآن اور حدیث سب میں یہ مضمون موجود ہے کہ گناہوں پر سزا ہوگی اور دخول فی النار ہوگا مثلاً چور کو بھی دوزخ میں جانا ہوگا اور زانی کو بھی اور قاتل کو بھی دوزخ میں جانا ہوگا اور تارک صلوٰۃ اور تارک زکوٰۃ کو بھی وغیرہ وغیرہ۔ تو جو ایک فرقہ ناجی ہے اس کے افراد بھی اگر ان اعمال معصیت کا ارتکاب کریں تو وہ دوزخ میں جائیں گے یا نہیں ظاہر ہے کہ ان اعمال کی سزا میں وہ بھی دوزخ میں جائیں گے گو خلود فی النار نہ ہو اور اوپر یہ بھی ثابت ہو چکا کہ فرقہ ناجیہ کے علاوہ جو ۷۲ فرقے ہیں وہ سب اسلامی فرقے ہیں خلود فی النار ان کے لیے بھی نہیں ہے تو یہ بھی دوزخ میں جائیں گے اور وہ ایک فرقہ بھی جا سکتا ہے جسکو ناجی کہا گیا تھا تو پھر حدیث کے اس جزو کے کیا معنی ہوئے کلہم فی النار الا واحدۃ کہ جب دوزخ میں جاتے ہیں دونوں برابر ہوئے تو ایک کے ناجی ہونے اور باقی کے ناری ہونے کے کیا معنی

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ ۷۲ فرقوں کو جو ناری کہا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ فساد عقائد کی وجہ سے بھی دوزخ میں جائیں گے اور فساد اعمال کی وجہ سے بھی اور وہ ایک فرقہ جس کو ناجی کہا گیا ہے وہ صرف خرابی اعمال کی وجہ سے دوزخ میں جائیگا۔ خرابی عقائد کی وجہ سے نہ جائیگا اور دونوں کے دخول نار میں قواعد سے اتنا فرق ہوگا کہ عقائد کی غلطی اشد ہے۔ اعمال کی غلطی سے لہٰذا عقائد کی غلطی پر عذاب بھی سخت ہوگا اور اس کی مدت بھی زیادہ ہوگی بخلاف اس ایک فرقہ کے جو خرابی اعمال کی وجہ سے دوزخ میں جائیگا انکی غلطی اتنی سخت نہیں ہے جتنی کہ دوسروں کی تھی لہٰذا عذاب بھی اتنا سخت نہ ہوگا اور نہ اتنا ممتد ہوگا حاصل یہ کہ ۷۲ فرقوں سے مراد مسلمانوں ہی کے فرقے مراد ہیں ان میں سے ایک فرقہ

بل حق سے دخول عشاء کی وجہ سے دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ ہاں خرچی عمل کی وجہ سے جائیں گے جیسے چوری نظر بہ ظاہر کبیرہ ہے کہ اس پر بھی عذاب موعود ہے۔ مگر وہ اس کے وسیلے سے جو کوئی اس کا ارتکاب کرے گا اسی کو عذاب بھگتنا پڑے گا۔ رہگو ہمارے نزدیک تو عذاب ہمیشہ نہیں۔ اصل کے خلیف ہے درمیان بھی کہہ ہے مگر خدا سچا ہے وہاں کا تو ایک دن بھی دنیا کے ہزار برس کے برابر ہے۔

یہ طی طریقت کے بھی دوزخ کا عذاب ایسا ہے کہ اس کی نسبت ہی کہیں موجود نہیں ایسا مٹ کے جیسے بھی دوزخ کا عذاب جیسے کہ دوسرا کا عذاب موبرس کا بھی سکے برابر نہیں ہوسکتا۔ مگر پھر بھی یہ صحیح ہے کہ اہل باطل کے عذاب سے یہ عذاب ہلکا ہے اور اہل باطل کو عذاب بہت زیادہ ہوگا۔ لیکن صورت کو بھی ہوگا آخر میں کبھی نہ کبھی منہ پر کرسی سے پاجائیں گے کیونکہ مومن تو وہ بھی ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا اور دیکھئے قرآن میں یہ ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ جس نے کوئی ایک ذرہ کے برابر بھی عمل خیر کیا تو سکو قیامت کے دن دیکھے گا یعنی اس کا نتیجہ پائے گا اور سب جانتے ہیں کہ یہاں عمل خیر سے (خواہ کافر کا ہو) نجات کے موجب ضرور ہوگا اس خیر کا نتیجہ اس کو ملے اور اس کے ساتھ بہشت ہے عمل شر بھی یعنی عقائد باطلہ بھی موجود ہیں ان کا نتیجہ پانا بھی ضروری ہے تو دونوں کے نتیجے ان کو ملیں ہیں عقاب بھی اور ثواب بھی۔ تو اب دو قسمیں ہیں یہ کہ پہلے ان کو ثواب دیا جائے یعنی جنت میں داخل کیے جائیں اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے عذاب دیا جائے مگر یہ صورت نص کے خلاف ہے یہ کسی کے واسطے نہ ہوگا کہ جنت میں جانے کے بعد نکالا جائے تو اب دوسرا ہی قسم متعین ہوگیا وہ یہ کہ ان پر اول عذاب دیا جائیگا اور جو وقت سزا کے لیے خدا تعالیٰ کے علم میں مناسب ہو جائے وہ ہزار برس کیوں نہ ہوں اس کے گذرنے کے بعد ثواب دیا جائے اور جنت میں داخل کیے جائیں یہ جنت میں خلود ہوگا۔

اس تمام تقریر سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کس قدر وسیع ہے کہ جس میں ذرہ بھی ایمان ہے اس کے لیے خود نہیں ہے پھر کسی کی نسبت مات مات پر کفر کا حکم لگا دینا جس کے واسطے حدود لازم ہو کیسے درست ہوگا۔ کیا جو لوگ آپ کے مشرب پر نہیں ہیں ان میں ذرا سا بھی ایمان نہیں ہے کچھ تو انصاف کیجئے یہ جوش نہیں چاہئے اس کی بنا سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہ آپ نے اپنا ایک مسلک قرار دے لیا اور سمجھ لیا کہ بس ہم ہی ہیں مومن اور کوئی اس کے ذرہ بھی خلاصہ وہ ایمان سے خارج ہے اور جنت اس کے حصہ میں نہیں آسکتی بس گویا جنت ان کی ملک ہے کہ جس کو دیں اسی کو ملے جس کو نہ دیں اس کو نہ ملے یہ طریقہ غلط ہے۔

یہ بحث لفظ منافق پر بھی تھی کہ کسی کو منافق کہنا کیسا ہے گو اس کو طول ہو گیا مگر اس کے ضمن میں مفید باتیں بیان ہوئیں لیکن یہ بھی تو باب منافقوں کا وجود نہیں اب یا تو کھلا کافر ہیں یا مسلمان تو خدا کا شکر ہے کہ سب لوگ مومن ہیں ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے درجہ کے مومن ہیں یعنی ناقص جیسے بعضے آدمی اندھے ہوتے ہیں یا چوڑھے اور بعضے تیز نظر اور بینا ہوتے ہیں آدمی دونوں ہیں اور ایک مثال میں اور کی مبصرت بھی دونوں کو ہے مگر ایک کو صحیح اور کامل ہے اور ایک کو ناقص ہے حاصل یہ ہے کہ اسلام کے دعوی میں تین درجے نکلتے ہیں ایک یہ کہ اس صفت کا بالکل وجود نہ ہو اس صورت میں تو اسلام کا دعوی کرنا کذب اور غلط ہے اور اس سے بچنا اہل اسلام پر لازم ہے دوسرا درجہ یہ کہ اسلام کی صفت تو موجود ہو مگر ناقص اور ادنیٰ درجہ کی ہو اور تیسرا یہ کہ صفت اسلام موجود ہو اور کمال کے ساتھ اسلام کا وجود ان دونوں درجوں میں پایا جاتا ہے مگر ناقص کو اسلام کے ساتھ متصف کہنا ایسا ہے جیسے اس شخص کو سالار کہا جائے جس کے پاس صرف چار پیسے ہیں کہ ظاہر لغت کے بیشک صحیح ہے کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہیں لیکن پھر یہ کیا بات ہے کہ جو پیسے والے کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ میں سالار ہوں اور کسی سالار سے تھوڑے کی اس کو رحمت نہیں ہوتی

ہر صفت میں یہی حالت ہے کہ ناقص کو اس صفت کے ساتھ متصف نہیں کہا جاتا اور اس کے لیے وہ اسم ثابت نہیں کیے جاتے جو اس صفت کے ساتھ کامل متصف ہونے سے لیے جاتے ہیں جب یہ صفت کی یہ حالت ہے تو اسلام بھی ایک صفت ہے اس میں بھی یہی تقسیم جاری ہوگی یہ قسم جس میں دعوی اسلام کذب اور غلط ہو وہ تو ہمارے بحث سے خارج ہے کہ یہاں سو چکا تو دو قسمیں باقی رہ گئیں ناقص و کامل مگر محاورت کے موافق جس میں اسلام ناقص ہو اس کا دعوی اسلام کرنا شرعاً صحیح ہے گو صحیح ہے مگر یہ دعوی ایسا ہی ہے جیسا چار پیسے والا مالدار ہونے کا دعوی کرے بلکہ اس دعوے پر یہ شخص ہنستا ہے کہ لوگ صاحب گانٹھ میں پیسہ نہیں اور مالدار بنتے ہیں حالانکہ چار پیسے اور ایک پیسہ میں چار پیسے ہیں مگر ان کے وجود کو مالدار بننے کے بارے میں کالعدم مانا جاتا ہے اور کوئی یہ نہیں کہتا کہ صفت کے اعتبار سے یہ دعوی صحیح ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ صفت ناقص کا عادۃً وجود ہی نہیں مانا جاتا اسی لیے عرف میں ناقص وصف کی صورت میں اس صفت کو اس صفت سے سلب کرنے رجوع مانا جاتا ہے اور ایسوں ناقص کو مالدار کہنا سا ایسی اقرار کی نفی سمجھا جاتا ہے اور یوں ہی کہا جاتا ہے کہ وہ شخص بالکل غریب اور نادار ہے اگرچہ یہ بھی معلوم ہو کہ اس کے پاس چار پیسے ہیں۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو صرف قل ہو اللہ یاد ہو اس کو حافظ کہنا کسی معنی کر ضرور صحیح ہے لیکن ایک شخص وہ ہے جو پورے قرآن کا حافظ ہے اور قاری بھی ہے سبعہ عشرہ کا عالم ہے اس کی موجودگی میں اگر کوئی شخص حافظ قل ہو اللہ کی نسبت یوں کہے کہ آپ سے بھی ملاقات کیجئے آپ بھی حافظ ہیں تو بتلائیے اس کی کیا حالت ہوگی یقیناً پسینہ پسینہ ہو جائے گا اور مارے شرم کے گڑ جائے گا اور آنکھ اوپر کو نہ اٹھیں گی اور یہ حالت ہوگی کہ اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ حافظ ہیں تو وہ یہ بھی نہ کہہ سکیگا کہ جی ہاں تھوڑا سا حافظ ہوں بلکہ یہی کہتے بنے گی کہ استغفر اللہ میں حافظ کہاں سے آیا حالانکہ حافظ وہ بھی ہے گو بہت ایک سورت کا ہی سہی مگر پھر بھی وہ اپنے کو حافظ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ عرف ہی سے

کہ حقیقت ناقص رقیق ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ وحدۃ الوجود

یہاں سے یہ مسئلہ بڑا ہی معرکہ بن گیا ہے وہ مسئلہ وحدۃ وجود کا ہے یعنی عمل مذکور کی موقوف کہ اس کی حقیقت صاف یہ ہے کہ جو کہ وجود کامل سوائے ذات حق کے کسی کے لیے نہیں ہے اور وجود کائنات نہایت ہی ضعیف اور حقیر درجہ کا شے کے ہے اس لیے بجائے اس کے ثابت کرنے کے نفی کرنا ہی اولیٰ ہے مگر جہل کے سبب اس مسئلہ کو آج کل بے عنوان سے تشنیع کیا ہے کہ اس میں بہت سے لوگ سخت غلطی میں پڑ گئے اور جو حقیقت تھی اس کا بالکل عکس کر دیا یہ لوگ جاہل صوفیوں کا گروہ ہے۔

حقیقت تو یہ تھی کہ اپنے وجود کی نفی کی جاتی اور یہ تو کچھ نہ سمجھتے مگر انہوں نے یہ کیا کہ اپنے آپ کو خدا ہی کہنے لگے اس بنا پر کہ خدا کے لیے بھی وجود ثابت اور ہمارے لیے بھی وجود ثابت اور وجود سے ایک کیونکر وحدۃ الوجود کے معنی ہی یہ ہیں تو اس کی صورت کیا ہو کہ وجود ایک ہی ہے اور وہ خدا کے لیے بھی ثابت ہے اور ہمارے لیے بھی سوائے اس کے کہ ہمارا وجود اور خدا کا وجود ایک ہی وجود ہو اور جب ایک ہوئے تو وحدت سے چل کر اتحاد کے قائل ہو گئے وجود کا واحد یا متحد ہونا یہ تو مسئلہ کلامیہ ہے اور علمی بحث ہے مگر وحدت کو مستلزم اتحاد کا ماننا یہ تو محض الحاد ہے یہ ان لوگوں کی توحید ہے کہ پہلے تھے خدا کو ایک ثابت کرنے اور ثابت ہو گئے ہزاروں خدا کیونکہ ہر فرد عالم کے وجود میں بھی تقریر ہو سکتی ہے تو سب کا اتحاد لازم ہوا یہ کیسی غلطی ہے مسئلہ تو سیدھا سادا تھا مگر اس کی ایسی مٹی خراب کی گئی کہ الٰہی توبہ اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ اپنے وجود کو حق تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں لاشے سمجھتے اگر وجود صرف حق تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہوتا تو ممکن کا وجود معدوم ہی ہے اور اگر ممکن کیلئے بھی ثابت ہو تو ممکن کا وجود کالمعدوم ہے۔

بہر حال ممکن کا وجود کسی حال میں مستقل نہیں سو مسئلہ کا تو حاصل یہ تھا لیکن ہو گیا یہ کہ اپنے وجود

وخدا کے وجود کے برابر کر دیا۔

اس کا سہل حل اس مثال سے ہوتا ہے کہ قل ہو اللہ کا حافظ یوں سمجھے گئے کہ سبعہ جاننے والا بھی حافظ ہے اور میں بھی ایک سورت کا حافظ ہوں تو ہم دونوں یکساں ہوئے مگر واقعہ یہ ہے کہ قل ہو اللہ کا حافظ تو حافظ سبعہ کی برابری نہیں کر سکتی حالانکہ وہ اس کا ہم جنس ہے اور اس صفت خاص میں برابر نہ سہی لیکن دوسری بہت سی صفات میں اس کا شریک ہے۔ اور یہ ایک ناچیز بندہ خدا کی برابری کرتا ہے جس کے ساتھ کسی صفت میں شرکت تو کیا صفت پر تشابہ بھی نہیں رکھتا غور کیجئے کس قدر فاش غلطی ہے یہ سب خرابی جہالت کی ہے کسی جاننے والے کے پاس رہتے نہیں کسی محقق سے پوچھتے نہیں علم حاصل کرتے نہیں اور ہمت اس قدر کہ پہلی ہی دوڑ خدا پر جا کر ختم ہوتی ہے اور ایک جست میں خدا ہی سے جا ملتے ہیں۔ ایسی ہمت بھی جہالت ہی سے پیدا ہوا کرتی ہے علم کے بعد یہ ہمت نہیں ہو سکتی غرض ان لوگوں نے تو وحدۃ الوجود کے یہ معنی سمجھے اور کفر میں مبتلا ہوئے۔

اور بعض نے دوسری جماعت تفریط کی کہ اس مسئلہ کا انکار ہی کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ یہ مسئلہ بالکل غلط ہے یہ فریق اپنے دعوی پر عقل اور نقل دونوں سے بھی دلیل لاتا ہے دلیل عقل یہ کہتا ہے کہ وجود کا واحد ہونا مشاہدہ سے باطل ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں چیزیں اپنے اپنے وجود سے موجود ہیں اور مشاہدہ کا انکار بداہت کا انکار ہے اور بداہت سے زیادہ کیا دلیل ہو سکتی ہے اور نقلی دلیل یہ ہے کہ اس میں قرآن کا انکار اور نص کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے خالق کل شئی اس میں حق تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی ہے کہ ہم خالق ہیں ہر شئے کے اور خلق کے معنی میں ایجاد وجود تو معنی یہ ہوئے کہ ہم نے ہر شئے کو وجود عطا فرمایا پس اگر یوں کہا جائے کہ حق تعالیٰ نے اشیا کو وجود عطا کیا لیکن ان کے واسطے وجود ثابت نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ حق تعالیٰ نے اشیا کا وجود چاہا مگر ہوا اس صورت میں مشیت و ارادۂ الٰہی کا تخلف لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے تو ثابت ہوا کہ اشیا کیلئے بھی

وجود ثابت ہے بس جو لوگ کہتے ہیں کہ سوائے ذات حق کے کسی چیز کے لیے وجود ثابت نہیں ان کا دعویٰ نص قرآنی کے خلاف ہے لہذا انہوں نے صوفیہ وجودیہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا دیکھئے کتنا فرق ہو گیا ایک فریق نے مسئلہ کو ایسا صحیح کہا کہ سب کو خدا بنا دیا اور ایک فریق نے یہ اڑا دیا کہ سب کفر کا فتویٰ لگا دیا اور تحقیق کی نظر سے دیکھئے تو بات ذرا سی تھی مگر ؎

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند ۔ ایک نے افراط کی ایک نے تفریط اور مسئلہ چھوٹا سا ہے اور بالکل صحیح ہے نہ اس میں آیت کی تکذیب ہے ورنہ اس میں سب کو خدا بنا دیا جاتا ہے نہ اس سے بداہت کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ عطائی وجود سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو بدیہی نہ دیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقیقی وجود کے ساتھ ایک قسم کا تجلی دیدیا یہی عطائی وجود ہے تو نقل کے خلاف نہ ہوا اور مشاہدہ صرف آثار وجود کا ہوتا ہے وجود کی کنہ کا تو نہیں ہوتا مگر یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتی اس لیے عامہ افہام کے مناسب اس مسئلہ وحدۃ الوجود کا سہل حاصل صرف اتنا کہنا مناسب ہے کہ وجود تمام اشیاء کے لیے ثابت ہے مگر یہ وجود اس قدر ضعیف اور حقیر اور مضمحل اور ناقص ہے کہ وجود حق کے سامنے اس قابل نہیں کہ اس کو وجود کہا جائے بلکہ کالعدم ہے گو کسی درجہ میں ہستی اشیاء کے لیے بھی ثابت ہے جیسا کہ متکلمین نے کہا ہے حقائق الاشیاء ثابتۃ مگر یہ ہستی اس قابل ہرگز نہیں ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی ہستی کے مقابلے ہستی کہا جائے اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کو ہستی کہا جا سکتا ہے اور دوسری ہستیاں ایسی ہیں کہ گویا ہے ہی نہیں اسی کو عارف شیرازی ایک حکایت کے پیرایہ میں ظاہر فرماتے ہیں ؎

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید ۔ خجل شد چو دیدش بپہنا بدید

یعنی ایک قطرہ پانی کا بادل میں سے ٹپکا وہ نہایت صاف شفاف تھا اسکو دعویٰ ہوا کہ میں پاک صاف ہوں غبار کی آمیزش مجھ میں ذرا نہیں ہے اور بالکل مطہر ہوں اور منور و آبدار ہوں غرض بہت ہی کچھ خود ستائی اس کے دل میں تھی مگر جب نیچے پہنچا اور سمندر کو دیکھا تو خجل شد

چو دیا تے پتنگا بدید۔ بس اب اس کی یہ حالت ہوئی کہ کہتا ہے ؎

کہ جائے کہ دریا ست من کیستم گر او ہست حقا کہ من نیستم

مارے شرمندگی کے بالکل پانی پانی ہو گیا اور وہ سب دعویٰ بھول گیا کہ میں مدور ہوں مظہر ہوں منور ہوں یہاں ایسے مدور اور منور اور مظہر سیکڑوں ہزاروں، لاکھوں کروڑوں اور بے عدد و قطرے موجود ہیں اور ایسے ایسے قطرے ہر روز نہ جانے کتنے ہی مگ جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس قطرہ کے لیے وجود تو ثابت ہے خواہ لغت کے اعتبار سے کہو یا کسی اعتبار سے کہو ان سے انکار نہیں ہو سکتا مگر کیا اس کا وجود سمندر کے سامنے اس قابل ہے کہ اس کا نام وجود رکھا جائے اسی واسطے کہتا ہے گر او ہست حقا کہ من نیستم اس کے سامنے اپنے آپ کو نیست کہتا ہے ظاہر ہے کہ اس جگہ نیست کا لفظ معنی حقیقی میں مستعمل نہیں ہے کیونکہ وہ تو حقیقت میں ہست ہے پھر نیست کیسے ہاں معنی ہیں کہ بمقابلہ سمندر کی ہستی کے اس کی ہستی عدم نہ سہی تو کالعدم ضرور ہے پھر شیخؒ خود ہی فیصلہ فرماتے ہیں ؎

ہر آنچہ ہستند زاں کمتر اند کہ با ہستیش نام ہستی برند

یعنی ماسوا اللہ جو کچھ بھی ہے اس قابل نہیں کہ حق تعالیٰ کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی کا نام لے اس کا حاصل یہی ہے کہ گو کسی شئی کا وجود تمام مخلوقات کے لیے ثابت ہے مگر وہ اس قدر حقیر اور غیر قابل اعتبار ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے وجود ہی نہ کہنا چاہیے شیخؒ نے اس کی ایک امثال دی ہے ؎

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ بتابد بہ شب کرمکے چوں چراغ

کسے گفتش اے کرمک شب فروز چہ بودت کہ بیروں نمیائی بروز

کہتے ہیں تم نے دیکھا ہے کہ ایک چھوٹا سا جانور درختوں اور جھاڑیوں میں رات کو کیسا چمکتا ہے (پٹ بیجنا مراد ہے جسکو جگنو بھی کہتے ہیں) اس سے کسی نے کہا کہ تو دن کو کہاں رہتا ہے۔ رات ہی میں کیوں نکلتا ہے دن کو کیوں نہیں نکلتا آگے اس کا جواب بیان کرتے ہیں ؎

ببیں کا تشبیں و یک ذرۂ خاکی زار — چو آفتاب ز ہمہ روشنائی چیہ دار

کہ من روز شب جز بصحرا نیم — و سے پیش خورشید چیدہ نیم

یعنی وہ کہتا ہے کہ میں دن کو بھی کہیں چلا نہیں جاتا۔ کہیں چھپ نہیں جاتا اسی جگہ رہتا ہوں جہاں رات کو رہتا ہوں مگر دن کو میری چمک نظر نہیں آتی۔ میری چمک بہت ذرا سی ہے دن کو آفتاب کا نور ہوتا ہے اس نور کے سامنے میری چمک ایسی ماند ہو جاتی ہے کہ متعلق نظر نہیں آتی۔ اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ جو نسبت جگنو کو آفتاب کیساتھ ہے وہی بلکہ اس سے بھی کم بلکہ بیشمار حصہ کم تمام کائنات کے وجود کو حق جل شانہ کے وجود سے ہے وہ نسبت یہ ہے ؎

اگر آفتاب است یک ذرہ نیست — وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

اگر آفتاب ست یک ذرہ نیست — وگر ہفت دریا ست یک قطرہ نیست

اور فرماتے ہیں ؎

چو سلطان عزت علم برکشد — جہاں سر بجیب عدم برکشد

در یہ مثال جو جگنو اور آفتاب کی دی جاتی ہے بار بار آفتاب یا قطرہ اور دریا کی دی جاتی ہے یہ بھی صرف سمجھانے کے لیے ہے ورنہ کائنات کے وجود کو حق تعالیٰ کے وجود سے کیا نسبت کائنات ممکن اور حق جل شانہ واجب۔ کائنات فانی اور حق جل شانہ باقی کائنات کے تمام صفات متناہی اور حق تعالیٰ جل شانہ تمام صفات لامتناہی پھر دونوں میں کوئی نسبت قائم کی جائے تو کیونکر کی جائے کوئی نسبت قائم ہی نہیں ہو سکتی ہاں اگر کی جا سکتی ہے تو یہی عدم اور وجود کی کہ ذات حق کے واسطے وجود کو ثابت کیا جائے اور کائنات کے لیے عدم کو جیسے ایک جگنو کا وجود آفتاب کے سامنے کچھ نہیں رکھتا بلکہ اس کے لیے آفتاب کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت قائم کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ دونوں متناہی ہیں لیکن باوجود دونوں کے متناہی ہونے کے قوی ضعیف کو یہ دبایا ہے کہ اس کو معدوم ہی کہنا پڑتا ہے تو کائنات کے لیے جو کہ فانی اور ممکن اور متناہی ہے غیر فانی اور واجب اور لامتناہی کے سامنے

کی وجود ہو سکتی ہے؟ یہ سمجھ ہی کوئی بات ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کامل کے مقابلے
ناقص کا عدم حق ہے۔ اس معنی صوفیہ نے وجود کو کائنات سے سلب کیا ہے اور اس کو
صرف ذات حق کے لیے ثابت مانا ہے۔ یہ ہے حقیقت وحدۃ الوجود کی کہ حق تعالیٰ کا وجود من کل
الوجوہ کامل مکمل ہے اور کائنات کا وجود من کل الوجوہ ناقص اور فانی ہے لہٰذا اس وجود کے
سامنے اس وجود کا عدم ہی ماننا پڑے گا۔ یہ ہے وہ مسئلہ جس میں ملک و ملت گمراہ ہے حالانکہ یہ مسئلہ
تو بالکل سچا ہے اور عین ایمان ہے۔ اس میں کفر کی کیا بات ہے اس پر تو کوئی بھی عقلمند نہیں نہ
اس پر کوئی امکان عقلی یا نقلی ہے جیسا کہ جہلا نے سمجھ رکھا ہے کہ مخلوقات کو خدا بنا دیا۔

غرض یہ مسئلہ بہت ہی سہل اور سمجھ میں آنے والا ہے جیسا کہ آپ لوگوں نے سن لیا
اس پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ پھر صوفیہ نے اس مسئلہ کو عام کیوں اور کیسے بنا دیا یہ تو عقلی مسئلہ ہے
اور بہت خاص ہے اس کی تو ہر ایک ملک میں موجود میں شاذ کنشیئس کو بھی کچھ حکومت حاصل ہے
اور والیٔ ریاست بھی جانتے ہیں کہ ملک و قوم کی حکومتوں میں قوت اور ضعف کا فرق ہے جس کا اثر یہ
ہے کہ والیٔ ریاست کنشیئس کو بھی یہ خیال کبھی نہ آنے دے گا کہ میں ہی کچھ حاکم ہوں جبکہ
والیٔ ریاست کے سامنے یہ کنشیئس حقیر ہی جانا اور مانا جاتا ہے۔ اگر کوئی والیٔ ریاست
کے سامنے کنشیئس کی تعظیم بجا لائے گا کہ آپ کو بھی کچھ حکومت حاصل ہے تو وہ
ماتحت سمجھا جائے گا اور ڈانٹ کھائے گا اور بعد سے والیٔ ریاست کا بھی اور اس سے اوپر
کوئی بلا نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں یہ بات کیوں ہے کہ یہ مان و تعظیم کے خلاف ہے
کنشیئس و حکومت حاصل ہے پھر اس کو ماننے میں کیا حرج ہے اور کیوں نہیں مانا جاتا ہے
یہ ایسی بات ہے جس سے یہ مسئلہ بہت ہی سہولت سے سمجھ میں آتا ہے جب کنشیئس
والیٔ ریاست کے سامنے حکومت کا دعویٰ لے کر جاتا ہے۔ مخلوق خالق کے سامنے وجود کا
نام لیتے ہوئے ڈرتی ہے اور جب کنشیئس والیٔ ریاست کے سامنے اپنی حکومت کی نفی کرتا ہے
اور کہتا ہے کہ حضور ہی حاکم اور مالک ہیں تو مخلوق خالق کے سامنے کیوں نہ کہے کہ حضور ہی

موجود ہیں اور کوئی موجود نہیں یہ مسئلہ تو بالکل عقل سے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف کی ہستی کو قوی کی ہستی کے سامنے معدوم کہنا چاہیے۔ اب یہ مسئلہ ایسا صاف اور ظاہر ہے تو اس لیے صوفیہ نے یہ مشکل فن کیوں اختراع کیے کہ جس سے بہت لوگ دقت میں پڑ جاتے ہیں کوئی سنتا ہے ہمہ اوست اور کوئی کچھ کہتا ہے بعض اس کو ہیچستان بنا دیا ہے۔ واقع میں یہ معمول صحیح ہے کہ مسئلہ تو بیشک ظاہر اور سمجھ میں آتا ہو ہے مگر ایک دنیا اس سے ناآشنا ہے اور جس کو معرکۃ الآرا سمجھتی ہے۔

درجاتِ وحدۃ الوجود بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کے دو درجے ہیں ایک علم کا اور ایک حال کا۔ تو یہ مسئلہ درجہ علم میں تو عقل اور بدیہی ہے کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اور اس درجہ میں یہ مسئلہ تصوف کا نہیں اور نہ معرکۃ الآرا ہے مگر صوفیہ یوں کہتے ہیں کہ اس درجہ میں یہ مسئلہ مقصود نہیں اور نہ کوئی کمال ہے اس درجہ میں تو اس مسئلہ کا علم ایسا ہے جیسے کھانے کا علم پینے کا علم اور سونے جاگنے کا علم کہ یہ سب باتیں ضروری ہیں اور سبکو معلوم ہیں اور ان کا معلوم ہونا کچھ بھی کمال نہیں۔ اور ایک درجہ حال کا ہے صوفیہ کو وہی مقصود ہے وہ کہتے ہیں کہ اے سالک وہ حال حاصل کر لے کہ اگر تمام دنیا کو اور تمام کمالات کو حضرت حق کے سامنے دیکھے تو سوائے حضرت حق کے کچھ بھی نظر نہ آوے اور وہ حال ایسا راسخ ہو کہ سوچنے کی ضرورت نہ ہو یہ نہ ہو کہ ایک ایک چیز کو سوچ کر اس کے وجود کی حقارت ذہن میں حاضر کرے بلکہ یہ حالت ہو کہ کسی چیز پر سوائے حضرت حق کے نظر ہی نہ پڑے بس ایک حال طاری ہو جائے پہلا درجہ علم کا تھا یہ درجہ عمل کا ہے وہ درجہ عقل تھا اور یہ درجہ ذوقی ہے پہلے درجہ میں کچھ کمال نہ تھا اس درجہ میں کمال ہے اور پہلے درجہ میں یہ مسئلہ کچھ مشکل بھی نہ تھا اس درجہ میں بہت مشکل ہے یعنی باعتبار حصول کے اس کے لیے جس قدر مجاہدات چاہئیں ان کے لیے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے یہ کھانے پینے اور سونے جاگنے کی طرح نہیں ہے کہ ہر شخص کو

باسانی اس کا علم حاصل ہے اس کا نام لینے کے لیے منہ چاہیے غرض اس درجہ میں یہ مسئلہ عقلی نہیں اس واسطے اس کو اہل حق نے تصوف میں داخل کیا ہے۔

صاحب حال کی خطا اب یہاں سے یہ بات بھی سمجھ لی کہ جب حال طاری ہوگا تو تعبیر صحیح نہ ہو سکے گی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس بات کا آدمی پر حال طاری ہوتا ہے اس میں وہ محو ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق الفاظ و عنوانات کی طرف التفات نہیں رہتا بس مطلب کو ادا کرتا ہے جس لفظ سے بھی ہو جائے اس کی ایسی مثال ہے کہ شخص بادشاہ پر عاشق ہو جائے تو جب تک عشق کا حال اس پر طاری نہیں تھا اسوقت تک تو ادب کے الفاظ سے بادشاہ کو خطاب کرتا تھا اور سوائے حضور اور جہاں پناہ کے کوئی لفظ نہیں کہہ سکتا تھا اور جب عشق کا حال طاری ہو گیا تو اب خطاب ان الفاظ سے کرے گا

ے جاں من جاناں من سلطاں من ۔۔۔ اے تو ئی اسلام من ایمان من

اور یوں کہے گا میری جان میرے مالک میرے پیارے جو میں گستاخی کے الفاظ ہیں اور عقلاء کے نزدیک پسند نہیں ہیں اس پر قاعدہ کی رو سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ شخص کیسا عاشق ہے کہ بادشاہ کو بادشاہ نہیں سمجھتا کیونکہ الشئ اذا ثبت ثبت ملزومہ۔ بادشاہ تو وہ ہے جس کے واسطے عظمت و شوکت و ہیبت و ادب لازم ہو اس نے یہ سب باتیں اٹھا کر رکھ دیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ یہ اس کو بادشاہ اور معظم تسلیم نہیں کرتا لہذا اس کو باغی کہنا چاہیے لیکن انصاف سے کہیئے کہ وہ باغی ہے یا مطیع؟ اور دشمن ہے یا دوست؟ واللہ وہ ایسا مطیع ہے کہ اس سے زیادہ کوئی مطیع نہیں ہو سکتا اور وہ ایسا دوست ہے کہ اس سے زیادہ کوئی دوست ہو نہیں ہو سکتا۔ وہ جان و مال سب کو بادشاہ پر قربان کرنے والا ہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جن پر وحدۃ الوجود کا حال طاری ہوتا ہے کہ بعض وقت ان کے منہ سے ایسے الفاظ نکلتے ہیں جو خلاف ادب ہوتے ہیں جن کو سن کر کوئی بیوقوف کہہ سکتا ہے کہ یہ کیسا محب ہے جو محبوب کی تعظیم نہیں کرتا یہ ضابطہ کا اعتراض ہے جو حقیقت

اسپر کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ معذور ہے وہ الفاظ کو بھول گیا ہے اس کی نظر سے تمام چیزیں سوائے ذات محبوب کے غائب ہوگئیں اسے ضابطہ اور قاعدہ کچھ یاد نہیں رہا اسی واسطے کہا ہے ؎

ملت عاشق ز ملت ہا جداست　　عاشقاں را ملت و مذہب خداست

اور اس کا عذر ظاہر کرتے ہیں ؎

گر خطا گوید ور اخاطی مگو　　ور شود پر خون شہیدان را مشو

خون شہیداں را ز آب اولیٰ تر است　　این خطا از صد صواب اولیٰ تر است

ظاہراً اس کے خطابات اور افعال خطا اور غلط معلوم ہوتے ہیں مگر یہ وہ خطا ہے کہ سو صواب سے بہتر ہے اس کو خطا کہنا خود خطا ہے اسکو خود محبوب سے پوچھئے اس کی نظر میں بوجود قلت اس خطا کی ہے وہ آپ کے صواب کی نہیں ہے۔

اہل حال کا احترام

، اور یہ غلط وہ غلط ہے کہ خدا ہر شخص کو نصیب کرے اس غلطی کی وقعت بھی ادھر ہی سے معلوم کیجئے کہ اس غلطی سے کسی کو آنکھ ملانے کا حکم نہیں ہے بعض وقت ایسے غلطیوں کی بے ادبی ہو جاتی ہے عقوبت عاجلہ نازل ہو جاتی ہے ان غلطیوں کا نام مجذوب ہے یہ خدا کے دیوانے ہیں ان کے ساتھ بے ادبی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نظر ان پر مہر کے ساتھ پڑی ہوتی ہے ان کا حال بھی ہر شخص کو معلوم نہیں ہوتا درحقیقت ان کے خطابات بے ادبی نہیں ہیں اور ان کے افعال غلط اور قابل ملامت نہیں ہیں کیونکہ بے ادبی کی حقیقت یہ ہے کہ مخاطب کی عظمت دل میں نہ ہو اور یہاں یہ بات نہیں ہے یہاں تو عظمت کا ہیضہ ہو گیا ہے اس عظمت ہی نے تو ان کو محو کر دیا ہے اور الفاظ کو بھلا دیا ہے اب ان کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے اس میں سراپا عظمت ہی بھری ہوئی ہے گو صورت ان کی کیسی ہی ہے یہ حقیقت ہے ان کے قول کی۔ اور ان کے افعال پر بھی ملامت کرنے کا کس کو حق ہو سکتا ہے جب کہ خود ہی ملامت نہیں کرتے جن کا یہ

نام لیتے ہیں۔ انہوں نے اس کو موقع تعلم فرمایا ہے اس لئے فعل میں بھی محبوب کی عظمت جلالی ہوتی ہے جو وہ خلاف ادب اور قابل ملامت کہے ہو سکتے ہیں۔ بایں کلام کے افعال و حرکات حزن اور خبط کے سے معلوم ہوتے ہیں تو یہ قرینے خلاف ہے اور آپ کی نظر کا تصور ہے آپ اپنی نظر اصلاح کیجئے اس کی عینک سے دیکھئے پڑھئے تو حالت اہل حال کی ہو جائے گی۔ مگر یہ حال اہل حال کا ہے نہ اس کا جو کہ مکالمہ ہو اور بداہت سے حال دکھلاتا ہو ان کے بارے میں کہتے ہیں ؎

خلد آن قوم کہ ایشاں ہوشند زحمت ما علمے بر سوشند

وہ شخص بھی عالم تھا جس نے اہل حال کی سی باتیں کر کر کے لوگوں کو اپنا معتقد بنایا۔ واعظ بن کر بیٹھ گئے۔ بن گئے شیخ بن گئے۔ لوگوں کو ان کی تعلیم ہے میں مگر درحقیقت وہاں کچھ بھی نہیں جو کچھ ہے خارج ہے۔ ان کی تعلیم کا بھی حقیقت سننے کردہ کیا تعلیم دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اول مطلق تعلیم کو سمجھئے کہ وہ کیا چیز ہوتی ہے

اہل حال کی نقالی تعلیم درحقیقت یہ ہوتی ہے کہ علم وہ اثر جو اس کے قلب میں ہے بذریعہ الفاظ کے متعلم پر ڈالتا ہے اسی واسطے ہر تعلیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو حال علم کے قلب میں ہوتا ہے وہی متعلم پر پڑتا ہے الفاظ کا چنداں اثر نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اہل حال گو کوئی بات معمولی الفاظ میں کہیں مگر وہ اثر کر جاتی ہے اور غیر اہل حال کیسے ہی رنگین اور زور دار الفاظ سے کچھ کہیے مگر اثر نہیں ہوتا اب سمجھئے کہ بہت سے لوگ بھی تعلیم دینے بیٹھتے ہیں اور الفاظ اہل حال کے سے نقل کرتے ہیں مگر دل میں تو حال ہے نہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے لہٰذا وہی اثر جو ان کے دل میں ہے متعلم پر پڑتا ہے۔ الفاظ کے دلائل کیا ہے۔ تکبر۔ ترفع۔ تصنع بڑا بننا معتقد بنانا۔ پس وعظ کے پاکیزہ الفاظ کے ذریعہ سے یہ نجاسات اور گندگیاں متعلم کے دل میں پہنچتی ہیں اور اس کا ستیاناس ہوتا ہے اسی کو مولانا نے فرمایا ہے۔ ز سخن ہا علمے را سوختند۔ اچھی اچھی باتوں سے متعلمین کو غارت کر دیا یعنی

اچھی باتوں کے ذریعہ سے بری بری باتیں ان کے دلوں میں اتار دیں اور امراض قلبی ان میں پیدا کر دیئے جنہوں نے ان کو جہنم ناک کر دیا بعض وقت یہ لوگ اہل حال کے ان اقوال کو بھی نقل کرتے ہیں جو ان سے بحالت سکر نکلے ہیں اور جو ظاہر ادب سے گرے ہوتے ہیں اور گستاخی میں داخل ہیں۔

سو خوب سمجھ لیجئے کہ غیر صاحب حال کو ان الفاظ کا منہ سے نکالنا ہرگز جائز نہیں بلکہ سراسر گستاخی اور بے ادبی ہے یہ الفاظ حقیقت میں جائز تو کسی کو بھی نہیں کیونکہ گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ ہیں اور بے ادبی بھی کس کی حضرت حق کی جو احکم الحاکمین اور قادر مطلق ہے۔ ایک ادنیٰ سے حاکم کے سامنے بھی کوئی شخص تہذیب سے گرا ہوا لفظ یا بے تکلفی کا کلمہ نہیں کہہ سکتا سوا حضور اور عالیجناب کے بلکہ تم اور آپ بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ احکم الحاکمین کی شان میں کوئی لفظ ادب کے خلاف کہہ سکے ان کی تعلیم تو دہ ہونی چاہیئے جو کسی کی بھی نہ ہو سکے ان کے واسطے تو وہ لفظ چاہئیں جو کسی کے واسطے بھی نہ ہوں ان کے سامنے تو وہ خشوع و خضوع چاہیئے جو کسی کے سامنے بھی نہ ہو بے تکلفی اور گستاخی کے کیا معنی تو اس کی اجازت تو درحقیقت کسی کے واسطے بھی نہیں ہو سکتی لیکن حال والا معذور ہے وہ اپنے ہوش میں نہیں اس کی تو یہ حالت ہے ؎

گہہ ترا گوید ز مستی بوالحسن یا صغیر السن یا طب البدن

اس کی طرف خطاب بھی امر و نہی کا متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ مجنون ہے اور مجنون مرفوع القلم ہوتا ہے اس لیے حال والے پر غیر حال والے کو قیاس نہیں کر سکتے۔ وہ بعض وقت ایسے الفاظ بھی حق تعالیٰ کی شان میں کہہ بیٹھتا ہے جو مخلوق ہی کو کہے جا سکتے ہیں۔

جیسے وہ شبان موسیٰ علیہ السلام کہتا تھا کہ اے خدا تو کہاں ہے مجھے مل جاوے تو میں تجھے روٹی کھلاؤں اور تیرے کپڑے پھٹ گئے ہوں تو سی دوں اور تو تھک جاوے تو بدن دباؤں گھی چپڑ چپڑ کر روٹی کھلاؤں سر میں کنگھی کروں۔ ساری بکریوں کا دودھ تجھ

ہی کو پلا دیں اور جانے کیا کیا فرطِ محبت میں کہہ رہا تھا۔ وہ جب وہاں تھا حق تعالیٰ کی شان میں وہ باتیں کہہ رہا تھا جو مخلوق سے کہی جاتی ہیں اس کی بے ہودگی میں گرفت کرنے والا دوسرا شخص کہیے تو بے حکم شرعی لگا دیا جاوے گا اور اس پر کوئی حکم کیوں لگ سکتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب اس نے یہ الفاظ سنے تو چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ مقام تھے ان الفاظ کو سُن کر کانپ اُٹھے اور اس کو زجر کیا کہ کیا بک رہا ہے اور کس کی شان میں یہ کہہ رہا ہے وہ بچارا چپ ہو گیا۔ اس زجر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا گیا کہ تم نے اس کو کیوں روک دیا دیکھئے یہ کلمات گستاخی کے تھے کیونکہ وہ باتیں ہیں جو مخلوق کے واسطے کہی جاتی ہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شبان نے خالق کو مخلوق کے برابر کر دیا اس سے زیادہ کیا گستاخی ہو سکتی ہے مگر اس بات پر شبان پر تو عتاب نہ ہوا اور اس سے روکنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عتاب کیا گیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شبان معذور تھا فرطِ محبت میں بیہوش ہونے کی وجہ سے اس پر حکم اہلِ ہوش کا سا نہیں لگایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے قصد سے گستاخی اور بے ادبی نہیں کرتا تھا بلکہ جان و مال کو خالق پر فدا کر رہا تھا سو خالق کے کسی کی طرف اس کی نظر نہ تھی جو کچھ اس کے خیال میں تھا مال اور جان سب کو خالق کے سامنے پیش کرتا تھا۔

ہاں وہ دیہاتی آدمی جنگل کا رہنے والا تھا اس کے خیال میں یہی چیزیں تھیں گھی چوپڑی روٹیاں دودھ دہی بکریاں یہ سب اس نے محبوب کے سامنے پیش کر دیں یہ تو مال خدمت تھی اور وہ جان سے بھی حاضر تھا اس طرح کہ جوئیں اس کو کاٹتے تھے سر میں کنگھی کرنا۔ کپڑوں کی جوئیں دیکھنا۔ پھٹا کپڑا سی دینا۔ بدن دبا دینا۔ ان سب خدمات کے لیے بھی حاضر تھا تو یہ تو غایت درجہ کی محبت ہوئی کہ جان و مال دونوں سے حاضر ہو گیا اسی واسطے حق سبحانہ و تعالیٰ کے یہاں اس کی قدر ہوئی۔ جان و مال دو ہی چیزیں ہیں جب یہ دونوں چیزیں کسی نے حاضر کر دیں تو اور کس چیز کا مطالبہ اس سے کیا جائے؟ یہ اور بات ہے کہ اس پیش

کرنے کی صورت ذاتِ حق کے شایانِ شان نہ تھی تو اس میں اس کو معذور رکھا گیا ہے واسطے کہ اس کو اس سے زیادہ اچھی صورت بنانا آتا ہی نہ تھا مگر اس سے زیادہ کا مطالبہ اس سے کیا جائے اور جاہل مدہوش کو حد نہ کلاں میں عقل کے تابع کا مکلف کیا جائے تو یہ تکلیف مالا یطاق ہوگی حق تعالیٰ نے بندوں پر نہیں رکھی غرض حقیقت ان خدمات کے پیش نظر کرنے کی بالکل ٹھیک تھی گو صورت اچھی نہ تھی۔

صاحبِ حال معذور ہے باقی اور لوگ جو اہلِ حال نہیں ہیں اور اہلِ حال کی نقل اتارتے ہیں وہ اہلِ حال کے حکم میں کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ اہلِ حال میں حقیقت تو ہے صورت نہ سہی اور یہاں تو صورت بھی نہیں اور حقیقت بھی نہیں یہ تو نقص گستاخی اور بے ادبی ہے کہ خالق کو صورۃً و حقیقۃً مخلوق کے برابر کہا جاتا ہے کاش ان پر حق تعالیٰ کی عظمت منکشف ہوتی تو نظر آتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں یہ بالکل اندھے ہیں حق تعالیٰ پر ان کی نظر نہیں پڑی اس وجہ سے ایسے الفاظ منہ سے نکالنے کی جرأت ہوتی ہے اور اہلِ حال پر حق تعالیٰ کی عظمت اسقدر منکشف ہے کہ وہ اس کے سامنے سب چیزوں کو بھول گئے حتیٰ کہ الفاظ کو بھول گئے ان سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ سوچ کر الفاظ زبان سے نکالتے کتنا فرق ہے دونوں کی حالت میں ایک بینا ہے اور ایک نابینا پھر کیسے دونوں کو برابر کر دیا جائے نابینا اگر بینا کی طرح چلنے لگے تو ضرور چوٹ کھائے گا اور سر پھوڑے گا اور کنوئیں میں گرے گا اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہوش کی حالت میں اور بیہوشی کی حالت میں کتنا فرق ہے غرض اہلِ حال کو اہلِ حال کی ریس ہرگز نہیں کرنا چاہیے اس واسطے مولانا مستوں کے لیے ایک جگہ تو کہتے ہیں ؎

گہہ ترا گوید ز مستی بوالحسن　　یا صغیر السن یا طفل لبن

اور جس میں مستی نہیں ہے تو اس کی طرف سے کہتے ہیں ؎

اے بروں از وہم و قال و قیل من　　خاک بر فرقِ من و تمثیل من

یعنی یہ ہی حال ہر خاک اور عیب سے منزہ ہی بھی ممکن ہو۔ لیکن چونکہ بیان کرتے ہیں ہر
گو یہ مثالیں ناقص ہیں مگر ان کو ایک حد تک سے بیان کیا جاتا ہے وہ عذر کیا ہے ؎

سعدی کہ گفتہ نہ تصویر حوست ہر دست گو بدر حافظ صورت

غرض صاحب حال جب اس حالت سے گرتا ہے جو بظاہر دیکھنے سے گرے ہوئے ہیں تو
وہ ہستی کی حالت میں آتا ہے صرف یہ فرق ہے اس کی نظر سوائے ذات حق کے
کسی طرف نہیں ہے اس پر وحدۃ الوجود کا حال طاری ہے وہ صاحب حال نہیں ہے
وہ گر کیسے نہ جائے گا وہ صاحب مقام ہے جس کی گردن ڈالی جائے گی۔

غرض اہل حال اور منکر دونوں کا ایک حکم نہیں ہو سکتا اہل حال تعبیر صحیح پر قادر
نہیں ہیں اس کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے وہ بے اختیار نکلتا ہے اور منکر سے منہ سے
جو کچھ نکلتا ہے وہ اس کے اختیار اور تصنع سے نکلتا ہے پھر اہل تصنع اور غیر اہل تصنع
کیسے برابر ہو جائیں گے بہر حال یہ مسئلہ وحدۃ الوجود کا حال کے درجہ میں تصوف کا مسئلہ
ہے اور مشکل مسئلہ ہے اس کے حاصل کرنے کے لیے محبت کی ضرورت ہے اور قال کے
درجہ میں یا علم کے درجہ میں عقلی مسئلہ ہے اور بہت واضح اور مسلم مسئلہ ہے۔ حقیقت
ہے وحدۃ الوجود کی۔

اس کا ذکر اس مناسبت سے آگیا تھا کہ ہستی کامل کے سامنے ہستی ناقص ہیچ کہنے
کے قابل ہی نہیں ہے اس کی بہت سی مثالیں دی گئی تھیں منجملہ یہ کہ شجاعت کامل کے
سامنے شجاعت ناقص کو شجاعت کہنا ٹھیک نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اصل میں یہ تھا کہ صفت
میں تین درجے ہوتے ہیں ایک عدم، اس درجہ میں اس صفت کا نام لینا مذموم اور غلط ہوتا ہے
مثلاً اس سے یہاں بحث بھی نہیں اور ایک درجہ نقصان کا ہے اس درجہ میں گو اس صفت
کا نام کسی اعتبار سے لے سکتے ہیں مگر اس درجہ میں بھی اس کا نام لینا قابل
شرم سمجھا جاتا ہے جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے

کمالِ اسلام مطلوب ہے

اب سمجھئے کہ منجملہ صفات کے اسلام بھی ہے اور ہم اس کے ساتھ متصف کہے جاتے ہیں اور الحمد للہ کہ اس صفت کا اطلاق ہمارے اوپر درجہ کذب میں تو نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ ہم ظاہر میں مسلمان کہے جاتے ہوں اور دل میں مسلمان نہ ہوں یہ حال تو منافقین کا تھا اور منافقین اس زمانہ میں نہیں ہیں جیسا اوپر تحقیق گذر چکی۔ تو اب دو درجے رہے یک نقصان دوسرا کمال۔ ظاہر ہے کہ اسلام صفت مطلوب ہے اور متعدد شواہد اور متعدد طرق سے ابھی ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی صفت درجہ نقصان میں مقصود نہیں ہوتی چنانچہ کوئی شخص جو متمول بننا چاہے وہ ایک پیسہ حاصل کر کے بیٹھ نہیں رہ سکتا اور اس طرح منطقی مقدمات سے اپنے دل کو نہیں سمجھا سکتا کہ متمول کہتے ہیں مالدار کو اور مالدار کے معنی ہیں مال رکھنے والا اور پیسہ مال ہے تو ہم مالدار اور متمول ہو گئے نہیں بلکہ متمول بننے کے معنی ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اس صفت کو علی وجہ الکمال حاصل کیا جائے اور درجہ نقصان میں کوئی اس صفت کو مقصود نہیں سمجھتا بنابریں جب صفت اسلام مطلوب ہے تو اس کے ساتھ اس کا کمال بھی مطلوب ہوگا یہ تو عقلی دلیل تھی کمال کے مطلوب ہونے کی۔

اب شرعی دلیل سنئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ یعنی حکم ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہوں دیکھئے صاف حکم موجود ہے کہ صفت اسلام کو علی وجہ الکمال حاصل کرنا چاہئے حالانکہ اگر یہ امر صریح بھی موجود نہ ہوتا تب بھی اس قاعدہ کلیہ کہ کسی صفت کا اطلاق جب ہوتا ہے تو درجہ کمال ہی میں ہوتا ہے اسلام کامل ہی مطلوب ہوتا چہ جائیکہ امر صریح بھی موجود ہے تو اب کیا کلام ہو سکتا ہے اس بات میں کہ اسلام کامل ہی مطلوب اور مقصود ہے کمال اسلام کا مطلوب اور مامور بہ ہونا تو ثابت ہو گیا گو لفظ اسلام لغۃً ہر ہر جگہ صادق آسکتا ہے جہاں ذرا سا بھی اسلام ہو یعنی کیسا ہی ناقص اسلام ہو تب بھی لغت کے اعتبار سے

اس کو مسلم کہہ سکتے ہیں مگر اہلِ تحقیق کے نزدیک جب ہی صادق آسکتا ہے جب کہ کل کے ساتھ مرجیہ کو مدلل و مفصل بیان کیا گیا

اسلام کامل کی تعریف

ہمارے دعوے اسلام کے صحیح ہونے کے لیے ضرورت ہے اس امر کی کہ اسلام کامل کیا چیز ہے تاکہ اس کو سمجھ کر حاصل کیا جاوے اسی کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بتلایا ہے جو پڑھی گئی۔ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین یعنی کہہ دیجئے کہ میری نماز اور کل عبادتیں اور جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے واسطے ہے۔

اس میں سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور کو لفظ قل سے امر فرمایا ہے یعنی کہہ دیجئے اور سنا دیجئے حالانکہ ظاہر ہے کہ اگر یہ امر بھی نہ ہوتا اور قل کا لفظ نہ فرمایا جاتا تب بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کو سناتے ہی پھر باوجود اس کے بھی سنانے کا حکم فرمایا گیا تو اس سے مقولِ قل کی شان کا اہتمام پیدا ہوا کہ یہ بات ایسی ہے کہ اس کے سنانے کا خاص اہتمام مقصود ہے اور جس بات کے سنانے کا حکم ہے اس کا حاصل اسلام کامل ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ اسلام کامل قابلِ اہتمام چیز ہے اسی واسطے بیان کے لیے اس آیت کو میں نے اختیار کیا۔

اب سمجھئے کہ بحمد اللہ ہم صفتِ اسلام کے ساتھ متصف تو ہیں اور اسلام ہم میں موجود ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کامل ہے یا ناقص؟ تو اب پہلے کامل کو سمجھئے اس سے خود معلوم ہو جاوے گا کہ ہم میں وہ درجہ ہے یا نہیں۔ فرماتے ہیں اپنا مسلک ظاہر کر دیجئے کہ ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ میں اس کا ترجمہ کرتا ہوں کہ (میرا مسلک تو یہ ہے کہ) میری نماز عبادت مرنا جینا سب اللہ کے لیے ہے (وہ کیسے ہیں) وہ رب العلمین ہیں ان کا کوئی شریک نہیں ہے وبذالک امرت

دیجھو اس کا حکم کیا گیا ہے وہ ان دل اعمال اور میں سب سے پہلے سلام
اور میں ہوں یہ سلام مسلمان ہو خوب طے یا ہے۔ سلام کرنا ہے اور
میں سلام کی وہ قسم ہے کہ یہ سلام اور اجر۔ بیان کرنے سے پہلے اس کی تعریف
سے دنیوں کا لفظ مسلمین وہاں ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس نماز سے
اجر جس سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے درست اسی ہے جس میں یہ امور ہوں
کا بیان کرتے ہوئے یہ معنی ہوئے کہ یہ امور یہ کا مجموعہ عین سلامتی ہے پھر تعریف ہوئی کہ
آیت میں سلام کا کامل مقصد بتایا گیا ہے۔ [illegible]

اس کی شان یہ ہے کہ [illegible] ہو [illegible] اور عبودیت
پڑھو پھر کہ [illegible] میں [illegible] اور [illegible] اور [illegible]
[illegible] اور [illegible] کہ [illegible] ایسا کرو تم
تو سمجھ لینا نماز ہی ہے تو اس تعلیم میں تو اس نے شروع سے یہ نہیں کہا کہ میں تم کو نماز
سکھلاتا ہوں لیکن خیر میں۔ خط ہو دیتے ہے کہ ان افعال کے کرنے سے تم نماز
ہی ہو گئے صاف یہ مطلب ملتا ہے کہ ان افعال کا کرنے والا نماز ہی ہے اور ان افعال
کا مجموعہ نماز ہے اور یہ سب اجزاء نماز کے کام ہیں اسی پر یہ تعبیر فرما کر کہ یہ مسلمان
یہ تھے کہ نماز بھی خدا کے لیے ہو اور عبادت بھی خدا کے لیے ہو اور مرنا بھی خدا کے
لیے ہو اور جینا بھی خدا کے لیے ہو اس کے بعد سورہ [illegible] کر بس مجھے اسی کا امر ہے اور میں
پہلے آپ کو سب سے پہلا مسلم بنتا ہوں یہ مثل ویسا ہی ہے جیسے مثال میں کہا گیا تھا
کہ ان افعال کے کرنے سے تم نماز ہی ہو گئے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ
مسلک اختیار کرنا مسلم بنتا ہے اور یہ مسلک سلام ہے اور سلام کے اجزاء میں
اور اول کا لفظ صاف بتلاتا ہے کہ اسلام کامل مراد ہے کیونکہ وہ سب سے مراد اولیت حقیقی
نہیں ہے بلکہ اولیت فی الرتبہ ہے جس کا ترجمہ سب سے بڑھ کر مسلمان ہونا ہے

جیسے نماز سے اسلام کامل کا جسم ہے اسی طرح سے تو میرے مدعا کے لیے بالکل صاف
صاف معاملہ حل ہو گئے

اسلام کامل کے اجزاء

سمجھے ہیں اسلام کامل کے اجزاء چار ہیں
ہاں ان میں سے ہر ایک جزو کو اسلام کامل سے لیے
خالص کردو۔ نماز۔ عبادت۔ موت۔ حیات ان سب کو اللہ ہی کا کردو بس اتنی حقیقت ہے
اسلام کامل کی حقیقت تو یہ ہے جو بیان ہوئی اب رہا اس کا تفصیل جس حد تک ضروری چاہیئے
ہے اور تفصیل بھی ہے تو اختصار کے ساتھ ہو سکتی ہے وہ بھی بسط کے ساتھ۔ مختصر کیسے
ہو یہ سنیے یہاں جو حقیقت اسلام کامل بیان ہوئی ہے کہ ان چار کو یعنی نماز
و عبادت و موت اور حیات کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنا اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں
کہ ان چاروں کو صرف عقیدہ کے طور پر میں اللہ کی سمجھے بوجھے کیونکہ اس سے تو ہمارا ایمان ہی
مسلمان ہی نہیں ہر مسلمان ان چار چیزوں کو ہی کیا بلکہ ہر چیز کو عقیدۃً اللہ
ہی کی سمجھتا ہے تو پھر کامل اور ناقص میں فرق ہی کیا ہوا؟ بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان چار چیزوں کو
عقیدۃً اللہ کی سمجھ کر حالاً بھی ان کو ان کے ہی سپرد اور تابع کردو جب اپنے لو اللہ کی ملک
سمجھا تو ان کو عقیدۃً ہی تصرف کا مستحق سمجھو اور حالاً بھی مستعد ہو جاؤ یعنی دل سے عقیدہ یہ
رکھو کہ یہ سب چیزیں حق ہیں اور حالاً بھی ان کے تصرف کو تسلیم کرکے بالکل مستعد اور
مطیع و فرماں بردار بن جاؤ کہ ان چاروں میں جدھر چلائیں اسی طرف کو چلو تو حاصل ہوا
کہ حق تعالیٰ جو تصرف بندہ کی نماز میں عبادت میں حیات میں موت میں کریں اس کا اعتقاداً
و حالاً مستعد اور فرماں بردار ہونا اسلام کامل ہے یہ تفصیل ہوئی اختصار کے ساتھ۔

کمال اسلام کے بارے میں تفصیل

اب قدرے طول اور بسط کے ساتھ تفصیل
سنیے وہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں
چنانچہ میں نے ابھی کہا ہے کہ حق تعالیٰ کو تصرف کا مستحق سمجھو اور تم انقیاد کرو تو یہ چیزیں دو ہوئیں

تصرف اور انقیاد۔ تصرف تو حق تعالیٰ کا فعل ہے اور انقیاد ہمارا فعل ہے اب خدا تعالیٰ کے فعل یعنی تصرف کی حقیقت بھی سمجھنا درست اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ اپنے فعل یعنی انقیاد کی حقیقت معلوم کرنا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے تو چار چیزیں ہوئیں۔ تصرف کی حقیقت سمجھنا، اور عقیدہ رکھنا تصرف پر۔ اور اپنے فعل یعنی انقیاد کی حقیقت سمجھنا اور عمل کرنا اس پر۔ بس اسی سے اسلام کامل ہوگا ان چاروں کو ترتیب وار سن لیجئے۔ اول حقیقت سمجھنا تصرف حق کی ان چار چیزوں میں یعنی نماز میں عبادت میں موت میں حیات میں۔ اس کی تفصیل حصہ میں آتی ہے مگر اس کے قبل اس کے متعلق ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ یہ جو چار چیزیں بتلائی گئیں یہ چار بڑے نام ہیں عنوانات چار ہیں ورنہ مضمون حقیقت میں تین ہیں یاد ہو سطر ح کو صلوٰۃ کے معنی ہیں نماز اور نسک کے معنی ہیں عبادتیں اور نماز بھی عبادت میں داخل ہے تو یہ تعمیم بعد تخصیص ہے اس کے لیے دراصل صرف نسک کا لفظ بھی کافی تھا نماز بھی اس میں آجاتی لیکن نماز کا نام جدا لیا گیا بوجہ اہتمام کے تو یہ معنی ہو گئے کہ ساری عبادتیں ملکر میں اللہ کی، تو اب ان دو جزو میں سے ایک جزو رہ گیا یعنی عبادت جس میں نماز بھی آگئی جب چار جزو میں سے ایک کم ہو گیا تو تین جزو رہ گئے۔ یہ تو تین جزو ہونے کی تقریر ہوئی اور دو جزو ہونے کی تقریر یہ ہے کہ اس کے بعد دعا ہی وجہانی آیا ہے اس کے معنی ہیں میرا مرنا اور میرا جینا، اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان سے حالت حیات اور حالت موت مراد ہو۔ دوسرا یہ کہ حیات و موت کے احکام مراد ہوں اگر حالت حیات اور حالت موت مراد ہو تو پھر یہ دونوں ملکر ایک سو سکتے ہیں کیونکہ دونوں غیر اختیاری امور ہیں اور صفت غیر اختیاری دونوں میں مشترک ہے اور بیشتر صلاتی و نسکی کا متحد ہونا معلوم ہو چکا ہے تو معنوں کے درجہ میں بجائے چار کے دو جزو رہ گئے۔ اس طرح کہ موت اور حیات تو حالت غیر اختیاری ہوئی اور عبادت فعل اختیاری ہے تو معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ میرے تمام حالات اختیاریہ و غیر اختیاریہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اور دوسری شق پر یعنی

جب زندگی اور موت سے مراد احکام حیات اور موت ہوں تو ہونے کی تقریر یہ ہے کہ احکام موت سے مراد میراث وغیرہ وہ احکام ہیں جو بعد موت کے جاری ہوتے ہیں تو احکام حیات تمام ان احکام کو شامل ہے جو زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اس میں تمام عبادتیں آگئیں نماز بھی آگئی اور بقیہ احکام متعلقہ حیات بھی آگئے تو اس طرح سے تین چیزیں تو احکام حیات میں آگئیں یعنی نماز اور عبادتیں اور بقیہ احکام متعلقہ حیات۔ اور ایک چیز احکام موت میں آگئی۔ تو چھ بھی دو چیزیں ہو گئیں غرض تین چیزیں کہو یا دو کہو سب کا حاصل یہ ہوا کہ ہمارے حالات اختیاریہ اور غیر اختیاریہ پھر وہ حالات موت کے ہوں یا حیات کے سب ملک اللہ کے ہیں یہ حاصل ہے آیت کا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مضمون بہت مختصر الفاظ میں بھی آسکتا تھا مثلاً یوں ہوتا کہ احوالنا الاختیاریۃ وغیر الاختیاریۃ للہ۔ پھر اس سب کو ملا ملا کیوں بیان کیا گیا ایجاز کی جگہ اطناب کو کیوں اختیار کیا گیا۔ اس کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ لوگوں کے مذاق مختلف ہیں اور ان سب مذاقوں پر اصوح مقصود ہے سو ایک مذاق جو اجہل غالب ہے یہ بھی ہے کہ ان کے خیال میں عبادات تو حقوق اللہ ہیں اور ان میں ہر طرح اللہ کو اختیار تصرف کا ہے جس فعل کو چاہیں عبادت قرار دے دیں اور جس کیفیت سے چاہیں اسکو مقرر فرما دیں نماز میں چار رکعتیں رکھدیں تو یہی ٹھیک ہے اور تین رکھدیں تو بھی ٹھیک ہے اور دو رکھدیں تو وہی ٹھیک ہے، غرض عبادات میں ہر قسم کے تصرف کا حق تعالیٰ کو حق حاصل ہے۔

احکام تمدن و معاشرت اور مولوی حضرات

یہ مذاق والے اس کو دین سمجھتے ہیں ان کو احکام متعلقہ عبادات سے وحشت نہیں ہوتی۔ لیکن ان کو ان احکام سے جو معاشرت کے متعلق ہیں یا حیات و موت کے انتظام کے متعلق ہیں یعنی جو احکام عادات کے اور تمدن و معاشرت

کے متعلق ہیں ان کے سننے سے وحشت ہوتی ہے۔

جس کو میں نے خود سنا ہے یوں کہتے ہوئے کہ مولویوں سے دین کو تو سب بنا ہے کہ یہ جامہ پہنا ہوا بھی ایک مسئلہ ہوگیا وضو کے سے استنجا کرنا اس کے بعد پانی سے استنجا کرنا بھی ایک مسئلہ ہوگیا اسی طرح داڑھی کا بھی ایک مسئلہ ہے اور پہلے بھرے کا بھی ایک مسئلہ ہے غرض زندگی تنگ کردی کپڑا پہنو تو مولویوں سے پوچھ کر بگو مو تو مولویوں سے پوچھ کر دفع بناؤ تو مولویوں سے پوچھ کر چلو تو مولویوں سے پوچھ کر پھرو تو مولویوں سے پوچھ کر غرض کوئی کام بھی کرو پہلے مولوی صاحبان کو سلام کرلو اچھی مصیبت کی گانٹھ ہے اس میں مولویوں کو کیا دخل؟ مولوی لوگ تو اللہ کا راہ بتلانے کے ہیں اور آخرت درست کرنے کے لیے ہیں دنیا کے کاموں میں جو وہ ٹانگ اڑاتے ہیں دنیا کی ضرورتیں ہم زیادہ جانتے ہیں اور اس کے موافق سب کام کرسکتے ہیں ان صاحبوں کو کیا ضرورت ہے تکلیف کرنے کی؟

اتنا غنیمت ہے کہ جو کچھ کہا مولویوں کو ہی کہا۔ انہی کی مخالفت کرتے ہیں شریعت اور شارع کے ساتھ گستاخی کرنا مقصود نہیں ورنہ کفر ہو جاتا اگرچہ یہ بات بھی دل تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ مولوی تو ان احکام کے بتلانے والے ہیں کہ شریعت میں یوں ہے تو ان کے بتائے ہوئے احکام کا انکار کرنا درحقیقت شریعت ہی کا انکار ہے مگر خیر ان صاحبوں نے اپنے ارادہ سے شریعت کا انکار نہیں کیا بلکہ یوں سمجھا ہے کہ یہ احکام شریعت کے ہیں ہی نہیں یہ مولویوں کا اختراع ہے اس وجہ سے صریح فتوے سے بچ گئے غرض ان صاحبوں نے مولویوں کو بیچ میں تختۂ مشق بنا لیا اور یوں کہتے ہیں اے میاں جلاد بھی کوئی ہوسکے ہیں کہ یوں کھاؤ یوں پیو یوں رہو یوں لین دین کرو یہ تو ہماری مصلحت اور ہمارے معاملات ہیں جیسا مقتضائے وقت دیکھو کرلو زمانہ بدلتا جاتا ہے ضرورتیں بھی بدلتی جاتی ہیں جس طرح سے ضرورت پوری ہو وہی کرلینا چاہیے۔ غرض عادات

عصر ۹ ۔ ۔ ۔

دین نام کہتے ہے صرف عبادت کا اور تمدن اور معاشرت اور عادت کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ اس میں شریعت کو کیا دخل؟

مسئلہ تشبہ، کہتے ہیں کہ یہ بچے صاحب تشبہ کا بھی ایک مسئلہ نکل آیا ہے کہ ایسی صورت مت بناؤ ایسے کپڑے مت پہنو، ایسے میاں، یہ بھی کوئی شریعت کی بات ہوئی یہ بھی کوئی خدا کا کام ہے خدا کو خدا کہنا، رسول کو رسول ماننا یہ تو دل کے متعلق ہے اگر کپڑے کسی نے ایک طرح کے چھوڑ کر دوسری کی طرح کے پہن لیے تو کیا دل سے خدا کو بھلا دیا کیا اسلام نام کپڑوں کا ہے اگر ایسا ہے تو چاہیئے کہ کسی مسلمان کو کوئی سنگا کر دے تو بس وہ مسلمان نہ رہے کیونکہ اسلام تو نام کپڑوں کا تھا اور وہ اتر گئے تو اسلام بھی اتر گیا مولویوں نے بھی خوب گھڑی ہے یہ حدیث کہیں سے نکال لی ہے **من تشبہ بقوم فھو منھم**۔

میں کہتا ہوں کہ جب جرمن اور برطانیہ میں لڑائی تھی اور برطانیہ کا سپاہی وردی جرمن کی پہن کر لڑائی میں کھڑا ہو تو اس کو برطانیہ کے افسر کس نظر سے دیکھیں گے کیا اس کے فعل کو جائز رکھیں گے یا منع کریں گے اگر منع کریں گے تو میں پوچھوں گا کہ اس کی بنا **من تشبہ بقوم فھو منھم** کے سوا کیا ہے معلوم ہوا کہ یہ ایسی بات ہے کہ اہل دنیا کے نزدیک بھی مسلم ہے اور کوئی قوم دوسری قوم کی وضع بنانے کو پسند نہیں کرتی تو یہ مسئلہ عقلی ہوا اگرچہ حدیث بھی اس کے موافق مل گئی تو اس کو نہ ماننا عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔

اب میں کہونگا کہ افسوس اور حیرت ہے کہ حکام مجازی کو تو یہ کہنے کا حق ہو کہ **مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ** اور حق تعالیٰ کو یہ کہنے کا حق نہ ہو، ذرا تو غور کیجئے یہ ایک تشبہ کے متعلق مختصر اعرض کیا گیا۔ تمام عادات اور معاشرات اور تمدن کے متعلق اسی طرح کہا جا سکتا ہے بہرحال اس فریق کے خیال میں دین منحصر ہے صرف عبادات میں

وموت وحیات میں اس کو کوئی دخل نہیں ہے اس خیال کی تردید کرنے کے لیے آیت میں مجازی و مسافی لفظ صراحۃ بڑھا دیا جس کا حاصل یہ ہوا کہ دین کو صرف صلوٰتی اور نسکی میں منحصر مت سمجھو بلکہ محیای اور مماتی یعنی موت اور حیات کو بھی ہمارا ہی سمجھو جیسے عبادات میں ہم کو ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے جس نماز میں چاہا چار رکعت رکھ دیں اور جس میں چاہا تین رکھ دیں اور جس میں چاہا دو رکھ دیں اسی طرح ہم کو اختیار ہے حیات اور موت کے احکام میں بھی تصرف اور دخل دینے کا اختیار ہے پس جس طرح ہم کہیں اسی طرح زندگی بسر کرو اور بعد موت کے بھی جس طرح ہم کہیں اسی طرح عمل کرو یہ تو یہ اس صورت میں ہے کہ محیای و مماتی سے احکام موت اور حیات کے مراد ہوں۔

احکام شرع اور مصالح دنیوی اور اگر محیای و مماتی سے مراد موت اور حیات کے احکام نہ ہوں بلکہ خود موت اور حیات مراد ہو تو اس صورت میں ایک دوسرے مذاق کے موافق دوسرا نکتہ ہوگا وہ مذاق یہ ہے کہ بعض لوگ اس خیال کے بھی ہیں کہ موت اور حیات اور جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ سب حق تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا ہے اور ہر طرح کے تصرف کا حق تعالیٰ کو حق حاصل ہے لیکن عبادات اور احکام میں تصرف کا اختیار حق تعالیٰ کے لیے نہیں سمجھتے۔

اس سے کوئی تعجب نہ کرے اس خیال کے لوگ بھی موجود ہیں جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ یہ لوگ وہ ہیں جو احکام کو دبے دبائے مانتے تو ہیں صریح انکار تو نہیں کرتے مگر اُن میں تاویل ایسی کرتے ہیں کہ اس کی حقیقت تحریف اور انکار ہے یہ مذاق ان لوگوں کا ہے جو شرعی احکام کی ساری غرض دنیوی مصالح پر رکھتے ہیں یہ لوگ اپنے نزدیک اس خیال کو بڑا اچھا خیال سمجھتے ہیں اور دل خوش کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ علیم و حکیم ہیں اُن کا ہر حکم مصلحت اور حکمت کے ساتھ ہے کوئی حکم فضول و بیجا نہیں یہ بات بادی النظر

میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے ان کی عادات اور ان کی تحریروں اور تقریروں کی تحریف ہوتی ہے۔ دیکھئے وہ جتنی باتیں بیان کرتے ہیں جس سے تربیت کی خوبی دلوں سے ظاہر ہوتی ہے اور عقل باتوں کو قبول کرتے ہیں یہ بات ہمارے علما کو بھی معلوم ہے تو جو علمائے شریعت کا حکم بتلاتے ہیں تو وہ سمجھ کر بتلاتے ہیں مخاطب کی سمجھ میں آوے یا نہ آوے اور یہ لوگ ان کو دلوں میں تاثیر دیتے ہیں اور اس کو منظور نہیں کہ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا

یہ بات صورۃ تو اس قدر اچھی ہے مگر حقیقت اس کی ہوتے اس کے کچھ نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو یہ سمجھ کر تسلیم نہیں کرتے کہ حق تعالیٰ حاکم مطلق ہیں اور مالک اور مختار ہیں بلکہ اس وجہ سے ان احکام کے قائل ہوتے ہیں کہ ان احکام میں ان کا بھی کوئی دنیوی مصلحت سے چنانچہ انہی مصلحتوں کو بیان بھی کرتے ہیں جن کو سن کر بھولے بھالے آدمی عش عش کرتے ہیں اور تعریف کرنے لگتے ہیں حاصل ان کے مذاق کا یہ ہے کہ اصل چیز تو دنیوی مصلحت ہے اور اسی قانون فطرت پر احکام مرتب ہیں کیونکہ فطرت اور طبیعت اپنے مصالح کو خوب جانتی ہے بس خدا کا کام یہ ہے کہ اس کو جاری کر دیتا ہے جیسے ایک کلکٹر ضلع میں قانونی احکام کو جو اوپر سے صادر ہوتے ہیں جاری کرتا ہے اور وہ احکام ایسے ہی ہوتے ہیں جو مصالح کی مصلحتوں سے وضع کیے جاتے ہیں لیکن یہ احکام وہ ہیں جن میں کلکٹر کو اختیار ذرا بھی نہیں یہ احکام اوپر سے آئے ہیں کلکٹر اپنے اختیار سے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کر سکتا اس کو پیش نظر رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ کلکٹر صرف احکام کو جاری کرنے والا ہے احکام کو بنانے والا نہیں ہے۔ بلفظ دیگر محافظ قانون ہے واضع قانون نہیں اور بلفظ دیگر بادشاہ کا نوکر ہے بادشاہ نہیں ان کے اس مذاق پر خدا کی حقیقت بھی ہی رہ جاتی ہے کہ ایک قانون مصالح فطریہ کی موافق معین ہے خدا کا کام اس کا اجرا اور اس کی محافظت ہے خدا کو مخالفت مصالح کا حق نہیں ہے نعوذ باللہ

یہی وجہ ہے کہ ان کا طرز عمل یہ ہے کہ ایک وقت تک شریعت کے احکام ان کی مصلحت کے موافق ہوتے ہیں تو ان کو اس طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح شریعت نے بتلایا تھا اور ایک وقت میں مصلحت کے موافق نہ رہے اور مصلحت بدل گئی تو ان کو بھی بدل دیا اور اسی اصل پر ہے جس پر ان کے نزدیک احکام مبنی تھے یعنی مصلحت پر۔ حاصل عقیدہ کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ خلق سے غنی نہیں ہے بلکہ فقیر اور محتاج خلق ہے اور خود بادشاہ اور حکمت والا ہے یہ معلوم نہیں ہے بلکہ حکمراں اور حکم ماننے کیس ہے۔

اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ وہ خدا کہ جو علیم و حکیم ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہے یہ تحقیقات کا بیان ہے۔ اور اب ان کی اسقدر بھی حقیقت نہیں رہی کہ اس سے خدا ہی نہیں رہتا ہے یہ بات سچ ہوگئی یا نہیں مگر ان کی تاویل نہیں ہے بلکہ تحریف ہے اور کفر کا اسلام کو ملانا ہے نام ہے حقیقت میں حکم خدا کو نہ ماننا ہے بلکہ اپنی رائے کا اتباع ہے اور ہوا پرستی ہے۔

اور یہ بالکل اس آیت کا مصداق ہے ارایت من اتخذ الٰھہ ھواہ یعنی اس شخص کی حالت دیکھئے جس نے اپنی خواہش اور رائے کو خدا بنایا۔ سب کو معلوم ہے کہ دنیا میں کوئی فرقہ اور کوئی گروہ اب تک نہیں ہوا جس نے کہ سورۂ خدا میری رائے ہے۔ دنیا میں بت پرست دیکھے ہوں گے آتش پرست بھی سنے ہوں گے مگر رائے پرست اور ہوا پرست کسی فرقہ کا نام آپ نے نہیں سنا ہوگا پھر اس آیت میں یہ کس کو فرمایا گیا ہے کہ اس نے اپنی رائے کو خدا بنایا سوا اس کے اور کون مراد ہوسکتا ہے جو اپنی رائے کو خدا کے برابر یا نعوذ باللہ اس سے بھی بڑھ کر سمجھے۔ برابر اور بڑھ کر سمجھنے کے اور کیا معنی ہیں یہی تو معنی ہیں کہ اپنی رائے کو خدا کے حکم کے برابر سمجھے یا اپنی رائے کو خدا کے حکم سے بھی مقدم رکھے۔ اب اس گروہ کی حالت کا خود اندازہ کر لیجئے۔ ان کے اقوال بطور جزئیات سنئے۔ یہاں تک نوبت آگئی ہے رسمۃً نماز کا حکم تو ہے مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ نماز جیسی مولوی بتاتے ہیں یہ مقصود نہیں

یہ کیا کہ کبھی کھڑے ہوں کبھی جھک جاؤ کبھی سر زمین پر رکھ دو کبھی بیٹھ جاؤ کبھی داہنے بائیں منہ پھیر دو۔ یہ مولویوں کی ظاہر پرستی سے یہ مار کی صورت تھی بس مولویوں نے اسی کو لے لیا حقیقت کچھ ور تھی اس کو چھوڑ دیا بس ایک لکیر کے فقیر ہو کر رہ گئے وہ حقیقت کیا تھی، اصلاح اخلاق کہ ابتداءِ اسلام میں لوگ وحشی تھے اخلاق کو جانتے ہی نہ تھے آپ کے لوگ بڑے لڑنے والے اور تکبر کے پتلے تھے ان کو اخلاق سکھلانے اور تکبر توڑنے کے لیے نماز کی تعلیم کی گئی تھی اور اس میں ایسے ہی حرکات رکھے گئے تھے جو تکبر کے خلاف ہیں جھکنا سر زمین پر رکھ دینا ادب اور عاجزی کی صورت بنانا یہ سب تکبر کے خلاف افعال ہیں اس سے ان میں انسانیت اور اخلاق اور تواضع پیدا ہو گئے بس اصل مقصود یہ تھا اسوقت میں یہ مقصود ان ہی افعال سے حاصل ہو سکتا تھا اس واسطے ان کی تعلیم کی گئی اور اب زمانہ بدل گیا اب تعلیم کا زمانہ ہے اب لوگ وحشی نہیں رہے اچھے برے کو سمجھنے لگے اخلاق اور تواضع عادت انسانی میں داخل ہو گئے۔ حقیقت شناس کو چاہیئے کہ نظر اصل مقصود پر رکھے جب تواضع اور اخلاق داخل عادت ہو گئے ہیں تو اب ان افعال کی کیا ضرورت رہی کیونکہ وہ افعال ذریعہ تھے اور اصلاح اخلاق مقصود تھا سو جب مقصود حاصل ہو گیا تو ذریعہ کی کیا ضرورت باقی رہی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آلو بخارا سودے کو قطع صفرا کے لیے دیا جاتا ہے جب صفرا کا قلع قمع ہو گیا تو آلو بخارا کی کیا ضرورت رہی یہ ہم نے کسی کو نہیں سنا کہ صفرا دور ہونے کے بعد تندرستی کی حالت میں بھی آلو بخارا کھائے جاؤ مگر کیا کیجئے کہ مولوی صاحبان نے طبیب کو آلو بخارا دیتے ہوئے دیکھا تھا وہ اب تک برابر دیئے جاتے ہیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ طبیب نے کس وقت دیا تھا اور کس ضرورت سے دیا تھا۔ لکیر کا فقیر اسی کو تو کہتے ہیں۔

علیٰ ہذا روزہ کو لیجیے کہ اس سے مقصود قوت بہیمیہ کا توڑنا تھا اور وہ بھوکے رہنے سے

ڈھیل تھی اس واسطے یہ صورت اختیار کی گئی تھی کہ صبح سے شام تک بیٹ میں زندہ برابر چیز بھی جاسے باتے بابا سے مطلق نہ بولو عرب کے لوگ اسوقت ایسے ہی سخت مزاج تھے جن کے حق بدلہ اس قدر تشدد کے جا ہی نہیں سکتی تھی ب لوگ کمزور ہیں در تعلیم کی وجہ سے بھلے بُرے کو سمجھتے ہیں تعلیم یافتوں کی صحبت میں رہتے ہیں اب قوت بہیمیہ کا علاج کہاں اور یوں کبھی گنوار غیر تعلیم یافتہ میں ہو تو اس کے توڑنے کیلئے وہی پرانی ترکیب سہی مگر تعلیم یافتوں کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ اسی طریق سے رمذہ رکھوایا جائے انکو رمذہ کا حکم دینا ہلاک کرنا ہے۔ قومی بیچاروں کے تعلیم ہی میں ختم ہو چکے اب اور انکو بھوکا مارنا تاکہ تاکہ جلد کی تمام ہو جائیں خلاصہ یہ کہ رمذہ کی حقیقت کیا ہوئی قوت بہیمیہ کا توڑنا اور وہ تعلیم وغیرہ سے حاصل ہے تو رمذہ کی حقیقت حاصل ہے لہذا بطریق متعارف رمذہ کی ضرورت نہیں رہی یہ انکا رمذہ کا حکم دینا علی ہذا جماعت کی فلاسفی بیان کیجاتی ہے (ان کی فلاسفی ہر چیز میں چلتی ہے) وہ کیا ہے آپس میں میل جول ایک دوسرے کی خبر رکھنا تعلقات پیدا کرنا اس سے تمدن میں ترقی ہوتی ہے ایسی خرافات پیش کرکے کہتے ہیں کہ دیکھئے اسلام نے کیسے کیسے طریقے بتلا دیئے ہیں ترقی کے۔ اور اس پر بڑے بڑے مضامین لکھے جاتے ہیں تقریریں کیجاتی ہیں اپنے ہر ایک کو دین سمجھتے ہیں۔

اسلام کے نادان دوست

قادیانیہ درحقیقت دین کو غارت کرنے اور ہلاک کرنا۔ یہ ان کی خدمت دینے اور خیر خواہی ایسی ہے جیسے ایک بچھو نے اپنے مالک کی خدمت کی تھی۔ قصہ اس کا یہ ہے کہ ایک شخص نے بچھو پالا تھا اور اس کو یہ تعلیم دی تھی کہ جب وہ سوتا تو یہ بچھو مکھیاں اڑایا کرتا تھا وہ بے تکلف سوتا اور یہ بچھو مکھیاں اڑاتا رہتا۔ حسب عادت ایک روز وہ شخص سو رہا تھا اور وہ معتمد علیہ خادم اپنی خدمت پر تعینات تھا کہ ایک مکھی کو اس نے کئی مرتبہ اڑایا مگر بعض مکھی ضدی ہوتی ہے اڑائے جاؤ مگر وہ دفع ہی نہیں ہوتی وہ لوٹ لوٹ کر اس کے ناک پر آکر بیٹھتی تھی بچھو کو غصہ آگیا اور کہا ابکی مرتبہ آکر بیٹھ تو تجھ کو ٹھیک کردوں اور ایک

[illegible] کر مستقر ہوا تھا میں نے ہی وہ آرزو کی پر سیٹھی اس نے وہ جتھہ بندی کی طاقت سے [illegible] اور اعظم تا اڑگئی پتھر نہ کی ناں پر کلاں بھی اڑگئی اور [illegible] تعلیم کا حاصل تو کیا ہی حالت ان خادمان اسلام کی ہے کہ اپنے مرد ہب تو سلام کی مدت اور نیز خوبی فرست ہیں مگر درحقیقت سلام کو آج کی ورد جو ہی ہوتی ہے جیسے اس بچے نے اپنے نزدیک تو مالک نیز ہو ہی اور خدمت ہی کی تھی کہ اس مکھی کو مارنا چاہا تھا مگر ہوئی مدد خوبی اور دشمنی ؎

دوستی بے خرد چوں دشمنی است حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی است

کیونکہ اس نے چھا کر مارنا چاہا تھا مکھی کا اور ہو گیا کچلا مالک کے سر کا اسی طرح ہر مصلحت بنظم خود قرآن کے اسلام پر سے مخالفین کے اعتراضات کو رفع کرنا چاہتے ہیں کہ یہ احکام خلاف عقل و مصلحت ہیں اور رفع ہو جاتی ہے خلاف خدائی تو کیا اچھی خدمت ہے کہ مخدوم کی مخدومیت رہ جاتی رہتی اور احکام کی منہدم و مسمار ہوتے جاتے ہیں۔

ارکان اسلام کی فلاسفی، چنانچہ اس وقت جس جزئی کا بیان کر رہا ہوں اس کی [illegible] دیکھ لیجئے۔ یہ ہے کہ جماعت کی فلاسفی یہ ہے کہ حضرت شارع علیہ السلام کو اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں میں پانچ وقت باہم اختلاط ہو ایک دوسرے سے تعلقات بڑھیں اور تبادلہ خیالات ہو اور علوم کی ترقی ہو [illegible] جاتے کیا کیا الفاظ ہیں جو اس کی غایت میں بیان کیے جاتے ہیں۔ ہمیں تو ان سے لفظ یاد بھی نہیں ہوتے (اور خدا کا شکر ہے کہ یاد نہیں ہوتے) ایک محلہ کے اختلاط کے لیے پانچ وقت کی جماعت مقرر ہوئی اور تمام شہر کے اختلاط کے لیے آٹھ دن میں جمعہ کی نماز مقرر ہوئی اور گاؤں والوں اور شہر والوں کے اختلاط کے لیے عیدین کی نماز مقرر ہوئی جس سے سال بھر میں دو دفعہ تبادلہ خیالات ہو سکتا ہے، اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے باہم اختلاط کے لیے حج مقرر ہوا تاکہ ایک دفعہ تمام عالم کو تبادلہ خیالات کا موقع ملے اور ہر قسم کے علوم اور فنون جاننے والے

ہیں ہیں اور علوم کو ترقی ہو ہیں ترقی کی موجودہ ہیں ہے اس سے حد نظر آتی ہے حج کرنے والے جاتے ہوئے گے کہ وہاں کیسا بادیہ خیالات ہوتا ہے اور ہیں مدد ملتی ہے ایک کو دوسرے کی خبر بھی نہیں ہوتی وہ سفر ہی ایسا دشوار ہے کہ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے کوئی کسی دوسرے کے کام نہیں آتا اور کسی کو اپنے سوا قصوں سے فرصت نہیں ہوتی

اور یہ عجیب بات ہے کہ حج میں ایسی عبادت رکھی گئی ہیں جنکی وجہ سے کسی سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکتا کچھ تو مسئلے سفر کے رہتے ہیں اور جو وقت ان سے بچے اور فرصت ملے تو احرام میں تلبیہ تکبیر تہلیل تسبیح یہ طواف نماز عرفات کو جانا مزدلفہ میں پہنچنا منیٰ میں جانا اور وہاں ٹھہرنا قربانی حلق رمی جمار پھر مکہ آنا طواف کرنا وغیرہ یہ اجزا حج کے ہیں کہ جنہوں نے حج کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان سے کون سا وقت بچتا ہے جس میں تبادلہ خیالات اور علوم اور فنون کی ترقی کا موقع مل سکے حج کے لیے ان اجزا کو مقرر کرنا خود ہی بتلا رہا ہے کہ حق تعالیٰ کو مقصود ہی کچھ اور ہے تبادلہ خیالات وغیرہ مقصود نہیں وہ مقصود ہوتے تو یہ اجزا خیال کا مخل کرنا درست کر کیسے جگہ جانا ہو کر بہیئت اجتماعی بلکہ وحدانی تاریخ کے اعتبار میں مدت سے قائم حج کے اسی پر ہیں ہوئے اس میں ترمیم ہی نہیں لیا اور نہ ہی مدت میں کہ کے حج کا موضوع یہ تبادلہ خیالات کو بنا دیا۔

یہ تو صحیح چلی آتا تھا کہ اس سے ذرا سی دیر میں بھر آباد کر لیا تھا۔ قصہ اس کا یہ ہے کہ ایسا صحیح چلی تھے مزدوری کیا کرتے تھے ایک روز ایک شخص کا تیل کا گھڑا دو پیسے مزدوری کے بدلے سر پر رکھ کر لے چلے راستہ میں آپ نے خیال باندھا کہ دو پیسے مزدوری کے ملیں گے تو ان سے دو مرغے خریدیں گے ان کو مرغی کے بچے بکھیں گے۔ ان میں سے انڈے دیں گے مرغی انڈے دیگی تو بچے نکلوا دیں گے بس بہت سے مرغی مرغے ہو جاویں گے پھر ان سے انڈے بچے ہوں گے اور بہت مرغی مرغے ہو جاویں گے پھر ان کو بیچ کر ایک بکری میں گے پھر بکری نسل چلے گی اتنے بچے گی بھینس میں گے اس کا دودھ بھی بیچ کر

بہت سا روپیہ جمع کریں گے ایک مکان بنائیں گے دوسری زمین سے شادی کریں گے پھر اس سے لڑکا ہوگا اسے کھلایا کریں گے جو وہ ذرا بڑا ہو جائے گا ہمارے ساتھ ساتھ پھرا کرے گا پھر دوسرے سے پیسہ مانگے گا تو ہم نہیں دیں گے سنت ... یہ کہا تھا کہ سر چڑھا تو مکھڑا دیتے ٹوٹ گیا اور تیل والے کا تیل بھی بہہ گیا ... وہ بہت بڑا آدمی ہے یہ کیا میرے کو روپیہ کا نقصان کر دیا کہتے لگے میاں جاؤ بھی بیٹے کیا روپیہ کو لیے چمٹے بیٹھے ہو میرے سارے بچے ہو گئے وہ میں کس سے لوں تو جیسا تمہارے ذہن میں روپیہ سے روپیہ اور مال دولت اور اولاد اور کنبہ سب کچھ بنا ہوا تھا اس طرح سے خیال کرتے ہیں تو یہ خیالات بھی حیران کرتے اور علماء اور صوفیاء اور صحت اور حالت اور جانے کس کس چیز کی نقاب حالانکہ وہاں نہ تاجر خیالات ہوتا ہے کچھ بھی وہاں تو تبادلہ خیال ہوتا ہے وہ اس سے بڑھا ہے اس کو اپنے بڑی بات سے اس کو اس بڑی بات ہوتی ہے۔

دیکھئے عجیب بات ہے کہ حق تعالیٰ سے ہم ہیں ہوں سے حج میں عام طور سے عبادت فرمائی ہے اس میں جہاد کا حکم بھی ہے لیکن حج میں لڑائی جھگڑا ممنوع اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حج میں یہ ضرر ہوگا۔

مصالح شرعیہ حکمت ہیں نہ کہ علت

حضرت یہ سب خیال بندہ نہیں ہے نہ اس واسطے ہے جس واسطے آپ نے سمجھ رکھی ہے نہ جماعت ہی کے لیے ہے اور حج کی غرض یہ ہے جو آپ نے فرمائی ہے ان سب کی غرض تو عبادت ہے اور یہ سب اللہ کے راضی کرنے کیلئے ہیں نہ اور کسی کام کیلئے اگر کوئی کہے کہ یہ مانا یہ سب کام اللہ کے راضی کرنے کیلئے ہیں مگر یہ بھی تو ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام دنیاوی مصلحتوں سے بھی تو خالی نہیں تو ان مصلحتوں کو اگر کسی نے بیان کر دیا تو اس میں کیا حرج ہوا ایسا علماء نے بھی تو کیا ہے اور اس بات میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان پر تو کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا ... اور حج کل کیا جاتا ہے تو اسی پر اعتراض

کبھی نہیں ہوتا کہ ہم اس برابری کا دعویٰ کریں علم کیا تو ہم کچھ بھی نہیں اور حوصلہ کہیں خدا کے حکام کی حکمتیں معلوم کر لینے کا یا ان سے حکم اور پوچھنے کا۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں اور بہت سے ان کاموں کی حکمت بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی جو ہمارے سامنے آدمیوں کے تجویز ہوتے ہیں بہت سے قانونی حکم ایسے ہیں جن کی وجہ ہم کو معلوم نہیں اور ظاہراً ہماری مصلحت کے خلاف بھی ہیں اور بسا اوقات ان سے ہمکو نقصان بھی پہنچ جاتا ہے مگر ان کی وجہ پوچھنے کا کبھی حوصلہ نہیں ہوتا بلکہ دل میں اطمینان ہوتا ہے کہ گو ظاہراً یہ حکم خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے اور ہم کو اس سے کچھ نقصان پہنچا مگر واقع میں اس میں کوئی مصلحت ہوگی اور کوئی ضرورت ہو گی جسکی وجہ سے عقلا کی یک جماعت نے اس قانون کو پاس کیا ہے۔

قانون الٰہی کے سامنے حجۃ۔

حیرت کی بات ہے کہ آدمیوں کے بنائے ہوئے احکام پر تو اطمینان ہو اور ان میں کسی دلیل اور ثبوت کی ضرورت نہیں حالانکہ ان کے نقصان بھی خود مشاہدہ کرتے اور خدا تعالیٰ کے احکام پر اطمینان نہ ہو حالانکہ ان کا علیم و حکیم ہونا بھی تسلیم ہے اور ساتھ ہی اس کے ان کا حال باپ سے زیادہ مہربان اور رؤف و رحیم ہونا بھی مسلم ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ کوئی حکم غیر حکیمانہ ہرگز نہ ہوگا کیونکہ علیم اور حکیم ہیں اور اسلئے خلاف مصلحت بھی نہ ہوگا کیونکہ مہربان اور رحیم ہیں مگر غضب ہے کہ ان احکام کو ایسی بیقدری کی نظر سے دیکھا گیا کہ کسی اپنے برابر والے کے حکم کو بھی اس نظر سے نہیں دیکھ سکتے ہر حکم کی وجہ پوچھی جاتی ہے اور اس کی حکمت خود تراش کر اس رہنما کو بتائی جاتی ہے اور ایسی تراش خراش کی جاتی ہے کہ وہ حکم بالکل سڑا تھا ہے اس کو اٹھا جاتا ہے مگر ان احکام کی بجا آوری کی ادنیٰ سی خدمت اگر کبھی عمدت ادا ہو جاتی ہے تو بس سلام ہے

اصل یہ ہے کہ اس بیقدری کی جڑ میں نفس ان احکام سے آزادی چاہتا ہے اس واسطے نفس نے ان لوگوں کو یہ سمجھایا ہے کہ احکام مقصود نہیں بلکہ مصالح مقصود ہیں بس ان مصلحتوں

نظر رکھو جس صورت میں وہ پوری ہو جائیں اسی کو حکم الٰہی اور دین سمجھو۔ اب آپ کی سمجھ میں اچھی طرح آگیا ہوگا کہ آج کل جس مسلمانوں میں یہ مذاق بھی موجود ہے کہ حق تعالیٰ کو حق تصرف صرف موت و حیات ہی میں ہے احکام میں نہیں احکام اسی قانون کا نام ہے جس کی بنا مصالح پر ہے پس اس کی تردید فرمائی ہے حق تعالیٰ نے لفظ محیی و ممیتی میں اس طرح کہ اول حکم دیا نماز و عبادت کا جو افعال اختیاریہ ہیں پھر اس کے ساتھ حالات غیر اختیاریہ کو بیان فرمایا تاکہ اس سے ان کی سمجھ میں آجائے کہ ان کے اختیار کو کہاں تک دخل ہے وہ حالت غیر اختیاری موت اور حیات ہے محیی و ممیتی کے یہی معنی ہیں اس میں بتلا دیا ہے کہ تم اپنے حالات اختیاریہ میں تصرف کرنا چاہتے ہو تو دیکھ لو کہ تمہاری روحانیت غیر اختیاری اور بھی ہیں۔

تکوینیات میں حق تعالیٰ کا تصرف

اے آزاد لوگو! اس میں غور کرو کہ تم کون سی دونوں حالتوں میں کسی قسم کا اختیار رکھتے ہو۔ معلوم ہوگا کہ ان میں ذرا بھی اختیار نہیں ہے، ان دونوں میں پورا اختیار اور تصرف حق تعالیٰ ہی کو حاصل ہے تو اس نقطہ سے سمجھ لو کہ دوسری حالت میں بھی اختیار ہم ہی کو ہونا چاہئے کہ ہم جو چاہیں حکم دیں اور جس چیز سے چاہیں منع کریں دیکھو وہ حالت غیر اختیاری یعنی موت اور حیات کس طرح ہمارے قبضہ میں ہے کہ کسی تمہارے مصلحت اور مصرت کے تابع نہیں ایسے ہی اس حالت اختیاریہ کو بھی سمجھو اور اس میں تعلیلیں اور تاویلیں مت نکالو حالت تکوینی اور تشریعی دونوں ہم نے اپنے قبضہ میں رکھی ہیں اگر تم حالت تشریعی میں آزادی چاہتے ہو تو تکوینی میں بھی کر کے دکھاؤ لیکن وہاں آزادی نہیں چلتی تو امور تشریعیہ میں کیوں آزادی کا دم بھرتے ہو ہمارے اختیار دینے پر مت بھولو ہم نے تم کو فی الجملہ اختیار امتحان کے لئے دیا ہے کہ دیکھیں کون ہمارا حکم اپنے قصد سے بے چون وچرا مانتا ہے اور کون اس میں تاویلیں

کرتا ہے اختیار دیتے کا یہ مطلب نہیں کہ تم کو بھی اپنے ماتحت اختیار ہے تم بھی ان سے فاعل مختار نہیں ہو۔

اس کے ثبوت کے لئے اپنے اختیار کو ان حالتوں میں جانچو جن میں ہم بالجبر مبتلا کر دیئے جاتے ہیں اس میں غور کرنے سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم بالکل سے بس ہو کر ذرہ برابر بھی اپنے اوپر اختیار نہیں رکھتے کبھی ہم ایک شخص کو ایسی حالت میں پاتے ہیں کہ اس کی سب مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں اس کے سب منصوبے دل میں کانٹے رہ جاتے ہیں کروڑوں کا دیوالہ نکل جاتا ہے ہم پہنچ ان سب کو تمام چھوڑ کر ایک دم قطع رشتہ جل دینا پڑتا ہے ہزاروں آدمی روتے اور کلیجہ چھوڑتے رہ گئے کسی سے یہ نہ ہو سکا کہ ان کو بھی مہلت دے کر ساتھ لیتے روتے رہ گئے اپنا سا منہ لیکر رہ گئے احباب منہ تکتے رہ گئے اور ہم نے ہی سب کے اتصال ملایا ایسے انسان کو اس سے سمجھے کہ تجھ کو اپنے اوپر کچھ بس نہیں تو کل دوسرے کے قصہ میں ہے ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ موت کی حالت ہے زندگی میں دیکھئے کہ انسان کو اپنے اوپر اتنا بھی اختیار حاصل نہیں کہ جو چیز بھول جائے اس کو پھر اپنے اختیار سے یاد کرے یا جو چیز یاد ہو اس کو اپنے قصد سے بھلا دے جب اپنے کسی تکوینی امر میں ذرا بھی قصد اور اختیار نہیں تو دوسری حالت پر یعنی تشریعی پر کیوں اختیار سمجھتے ہو اور اس میں کیوں آزادی ڈھونڈتے ہو اس میں بھی اپنے آپ کو ہمارے تصرف میں سمجھو اور جو کہیں ہے چون و چرا مان لو۔ یہ نکتہ حیاتی و مماتی کے اضافہ میں کہ ایک ایسی نظیر بتلا کر کہ جس میں آزاد نہ ہونا مسلم اور متاب ہے سمجھا دیا کہ دوسری حالت میں بھی اپنے آپ کو آزاد نہ سمجھو اور احکام شرعیہ میں تعلیلیں اور حکمتیں نہ نکالو اور مصلحتیں تراشو جیسا کہ احکام تکوینیہ میں تمہاری تراشی ہوئی کوئی مصلحت نہیں چلتی اور نہ کسی تعلیل اور حجت سے کام نکلتا ہے۔

آیت کی بلاغت، حاصل یہ کہ مقصود بیان کرنا اس بات کا ہے کہ ہمارے حالات اختیاریہ بغیر اختیاریہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اس کے واسطے

تھے ہیں اس کو کیوں اختیار کیا۔ ان صدقی دلسکی و صحیحی و صمانی کیوں کہ اس کے لئے
کوئی لفظ بھی موجود تھا جس کوئی ایسا لفظ جس سے یہ ہوتے کہ یہ عبادت حالات
سے ملف ہیں کافی ہو جاتا، تو اس اتنا طول سوں دا اس کے بیٹے دو تو جہیں بیان کی گئی

ہیں ان سے ان کا یہ ہے کہ لوگوں نے مذاق مختلف ہیں ایک مذاق یہ ہے کہ عبادات تو
حقوق نہ ہیں اور ان میں حق تعالیٰ کو تصرف کا اختیار ہے اور اس کے احکام کا نام دین ہے
اے احکام موت و حیات ہیں معاشرت و معاملات تو اسے دین کو کچھ علاقہ نہیں اس مذاق کی تردید
کے لیے لفظ صحیحی و صمانی بڑھایا اس صورت میں صحیحی و صمانی سے وہ احکام مراد ہوں
ہوں گے اور دوسرا مذاق یہ ہے موت و حیات میں تو تصرف حق تعالیٰ کا مانتے ہیں یہ مدت ہے دنیا میں پیدا
کرنا موت دینا۔ اس صورت میں صحیحی و صمانی سے نفس حیات اور
موت مراد نہیں احکام حیات و موت مراد ہیں مگر یہ لوگ احکام اور عبادات میں حق تعالیٰ کے
تصرف کو نہیں مانتے اور اس کے معنی میں نے بیان کر دیتے ہیں کہ گورنمنٹ سے اس تصرف
کا انکار نہیں کرتے اور حق تعالیٰ کو حاکم مانتے ہیں مگر ان احکام کی بنا اپنی اختیاری مصالح پر
مانتے ہیں جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حق تعالیٰ کو کسی حکم کا اختیار نہیں ہے بلکہ حکم ہمیشہ مصلحت کے
موافق ہوتا ہے اور مصلحت ہی پر احکام کی بنا ہے۔ اس مذاق کی تردید کے لئے صمانی و
دلسکی کو بڑھایا تو ایک تو بہ پر صحیحی و صمانی کو بڑھایا، اور ایک کو جیہ پر صمانی دلسکی بڑھایا
تو گویا زکاۃ کا مضمون ہو گیا جس کے ہر جملہ سے ایک ایک مذاق فاسد کی تردید ہو رہی ہے یہ بات
مختصر میں حاصل نہ ہوتی اس واسطے ایجاز کو چھوڑ کر اطناب کو اختیار کیا گیا۔ حاصل یہ ہے
ان چاروں اجزا میں حق تعالیٰ کو تصرف کا حق ہے ان چاروں کے نام یہ ہیں صمانی اور
دلسکی و صحیحی و صمانی۔ ان کا خلاصہ دو لفظوں میں بھی آجاتا ہے وہ دو لفظ یہ ہیں
حالات اختیاریہ و غیر اختیاریہ۔ اختیاریہ میں نماز وغیرہ آگئیں اور موت و حیات غیر اختیاریہ میں

غرض ہمارے تمام حالات حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور ان کو ہر قسم کے تصرف کا
حق حاصل ہے میں نے بیان کیا تھا کہ اسلام کامل کے دو جزو ہیں، ایک یہ کہ ان چاروں باتوں
میں حق تعالیٰ کے تصرف کو مانا یہ تو فعل حق تعالیٰ کا ہے دوسرے اس تصرف کو ماننے کا حق ادا

کرما جس کا نام انتقاد ہے یہ فعل بندہ کا ہے اس کے لیے ضرورت تھی دونوں اجزا کی حقیقت سمجھنے کی سو اب تک ان چاروں چیزوں کو بیان کیا ہے جن سے حق تعالیٰ کا تصرف ثابت کرنے کی ضرورت ہے، ابھی حقیقت تصرف کا بیان نہیں ہوا اس کا وعدہ اوپر اس جملہ میں کیا گیا ہے کہ اس کی تفصیل عنقریب آتی ہے۔

حق تعالیٰ کی تصرف کی حقیقت

اب جس وعدہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہے تو ایک حرف پورا ہوگا اس کے بعد دوسرے حرف کو شروع کرتا ہے اور وہ نبذہ کا لفظ ہے جس کیا جائے گا

اب اس تصرف کی حقیقت کو سمجھیے کہ حق تعالیٰ نے ان چار امور میں تصرف کیا کیا؟ ان چاروں کا خلاصہ دو لفظوں سے بیان ہو سکتا ہے جس حالت تکوینی درستہ ہے سو اب سمجھیے کہ حالت تکوینی میں کیا تصرف کیا اور تشریعی میں کیا تصرف کیا تو یہ تصرف کیا ہے کہ موت اور حیات اور صحت اور مرض کو اور دولت کے اسباب میں سے مثلاً کرنی سے بارش وغیرہ ان سب کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے جس کو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں موت دے دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں زندہ رکھتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں تندرستی دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں مرض دیتے ہیں جب وہ چاہتے ہیں گرمی ہو جاتی ہے اور جب وہ چاہتے ہیں سردی ہو جاتی ہے اور جب وہ چاہتے ہیں بارش ہو جاتی ہے اور جب وہ چاہتے ہیں بارش نہیں ہوتی غرض جتنی تکوینیات ہیں سب میں تصرف ان ہی کا ہے انسان کو ان میں کوئی حق تصرف کا حاصل نہیں

لوگ یہ سن کر تعجب کرتے ہوں گے کہ کیا ان امور میں تو کسی کا تصرف حاصل نہیں اور خصوصاً آجکل کے عقلا تو اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ ہم تو تکوینیات میں تصرف کا، عقیدہ نہیں کرتے کہ آجکل ایجادوں کی بہت ہے اس میں کامیابی دیکھ دیکھ کر عقلا کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ کوئی تصرف ایسا نہیں جو ہمارے اختیار میں نہ ہو چنانچہ دیکھا بھی جاتا ہے کہ بہت سے

وہ کام جو انسانی قوت سے باہر سمجھے جاتے تھے آج کل وہ اشارہ میں ہو جاتے ہیں پھر کیسے مان لیا جاتا ہے کہ ہر کسی کو مرنے تصرف کا اختیار نہیں۔

تصرف انسانی کی حقیقت

اس کا جواب سننے سے آپ نے غور نہیں کیا جو تصرفات آپ کے اختیار میں ہیں، ان کاموں کو آپ بغیر خود وہ اشارہ ہی کر لیتے ہیں اُن میں آپ نے تصرف کیا کیا اور آپ کی قدرت کو کیا دخل ہے آپ کا تصرف ان میں صرف ترکیب عناصر کا ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دیا اور ایک اجزا کو ایک چیز کو دوسری چیز سے الگ کر دیا اور وہ اجزا جو ملا دیئے گئے ہیں آپ کا کام صرف ملا دینا یا الگ کر دینا ہے باقی ترکیب ہو جانا یا اجزا کا جدا ہو جانا یہ آپ کے اختیار سے نہیں ہوتا جیسا کہ میں بیان کرتا ہوں گا اس میں بھی اس وقت کہ آپ نے ترکیب عناصر پر اجزا کو ملا دیا ہے جب تک رطوبت دیکھا جاتا ہے جب تک ہم کو نہیں معلوم ہوتا کہ اس میں کیا کیا اجزا ملے ہیں اور کیا کیا عناصر ہیں تب تک ہم کو نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا کیا اثر ہوگا اور جب اس کا اثر ہوتا ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فلاں فلاں اجزا ملے ہوئے تھے اور فلاں فلاں عناصر ہیں ہوئے تھے اور جب ہم کو معلوم ہو گیا کہ اس کے اجزا کیا کیا ہیں اور عناصر کیا کیا ہیں تو پھر ہم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کا اثر کیا ہوگا۔

میں اس بات کو ثابت کرتا ہوں کہ ہم کو آپ کے اختیار میں اس لیے کہ عقل سلیم سے تعلق ہے متعلق ہے اس قدرت کا متعلق ہے کہ اس کا علم متعلق ہو کی دو طرفوں سے ہوتا ہے عدم سے بھی وجود سے بھی یعنی کسی کام پر قدرت جب ہو سکتے ہیں کہ وہ اور اس کی ضد دونوں ہو سکے اختیار میں ہوں جب یہ حالت ہو تو ہم اس کام پر قدرت ہے مثلاً آنکھ کھول کر دیکھنا ہماری قدرت میں ہے کہ اس کے دونوں حالت یعنی دیکھنا اور نہ دیکھنا ہمارے اختیار میں ہیں ہم چاہیں تو دیکھیں، اور نہ چاہیں تو آنکھ بند کر لیں اس وقت کہا جائے گا کہ ہم کو دیکھنے پر قدرت ہے یا پیسہ سائل کو دینا ہمارے

پڑا اور اس کی تصدیق خود قرآن سے ہوتی ہے چاہیں ہم اس کو عادت کہیں اس صورت میں بھی جاتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کی مشیت و ارادہ کے ساتھ اس کا تعلق ہو

اب رہا یہ سوال کہ آگ پر ہاتھ رکھنے سے آگ کو بجھا دیتا ہے اور آپ اس طرح آگ کو بجھا سکتے ہیں اور آپ کو یہ کہنا چاہیئے کہ آگ پر پانی ڈالنے سے آگ کا بجھنا یہ درحقیقت دو کاموں میں سے ایک کام کا بجھنا ہے ... پانی ڈالنے میں آگ کا بجھنا آپ کا فعل اختیاری ہے اور اس پر آپ کو قدرت ہے ہو سکتا ہے کہ آگ کا تعلق اس سے ہو چاہیں آپ پانی ڈالیں اور چاہے نہ ڈالیں اور دوسرا کام آگ کا بجھنا یہ آپ کا فعل اختیاری نہیں ہے کیوں کہ قدرت کے معنی ہی یہ صادق نہیں آتے قدرت سے معنی اس پر صادق آتے ہیں کہ آپ کو اختیار ہو پانی ڈالنے کے بعد اگر آپ چاہیں تو آگ بجھے اور اگر چاہیں تو نہ بجھے ورنہ ایسا ہے نہیں ہوتا پانی ڈالنے کے بعد آگ بجھ ہی جاتی ہے خواہ آپ چاہیں نہ چاہیں تو قدرت کا تعلق اس پر کیسے ہو گا اور یہ کیسے کہا جا سکے گا کہ آگ کا بجھنا آپ کا فعل اختیاری ہے اور اعتراض کا مارنا چاہیئے جس کا مار کو آپ تحقیق کی نظر سے دیکھیں گے اس سے زیادہ نہیں پائیں گے کہ آپ کو اختیار ترکیب و تحلیل اور اسباب کے جمع کرنے کا ہے ... ہاں عادت اللہ یوں جاری ہے کہ ترکیب و تحلیل اور اسباب کے جمع کرنے کے بعد اس کام کو وہ اپنی قدرت سے پورا کر دیتے ہیں چونکہ اس کو ہمیشہ دیکھتے ہیں اس واسطے سمجھ لیا ہے کہ تحلیل و ترکیب کا نتیجہ بھی ہمارے اختیار میں ہے اور اسباب پر مسببات کا ترتب بھی ہمارے قبضہ میں ہے حالانکہ یہ غلط ہے جیسا کہ دلیل سے ثابت کیا گیا

اسباب کی حقیقت

یہ ایسا ہو کہ جیسے کوئی شخص چوکیدار کو سرخ جھنڈی دکھاتے ہوئے اور اس سے ریل کو رکتے جاتے ہوئے بار بار علی الدوام دیکھ کر یہ سمجھ لے کہ سرخ جھنڈی میں خاصیت ہے ریل کو روک دینے کی

اور یہ کہ زمین سے ریل جیسی بڑی چیز جس کے سامنے کچھ نہیں تو اس کو سمجھنا صحیح ہے کہ ہم کس بے بہا حالت سے اسباب کی ترتیب تک ترقی کر گئے ہیں اور کچھ کہاں سے مستفید ہو گئے ہیں اور جو کہ وہ اسباب سے متعلق ہیں ہم اس اثر کو بھی اپنے اختیار میں سمجھ لیا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس فعل کے فاعل ہیں اور ہم آگے بڑھے ہیں اور یہ نہیں کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسباب کو جمع کرنے سے ہم آگے اس مقام کا ہو جاتا ہے کہ اس سے فعل و اختیار سے ہم کو ایسا کام معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہاتھی کی دم سے کوڑا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب چوکیدار سرخ جھنڈی دکھائے گا تو میں ریل کو اپنے ہاتھ سے اپنے حساب سے روک سکتا ہوں سرخ جھنڈی ایسی زبردست چیز نہیں ہے جو ریل جیسی چیز کو روک دے اور آگے چلنے نہ دے بلکہ ڈرائیور کے ارادے اور اختیار کا ہے جس کو کسی وقت ڈرائیور غلطی سے یا شرارت سے نہ روکے تو سرخ جھنڈی تو کیا چیز ہے چوکیدار کو بھی سامنے سے آجائے تو ریل سے پستا ہوا جاتا ہے گا۔ ریل کا روکنا اور چلانا یہ کام سب اس کے ہیں جو ریل کے اندر ہے ہم نے اس طرف نظر نہیں اٹھائی اور یہ سمجھ لیا کہ سرخ رنگ میں کچھ طاقت یا خاصیت ہے۔

اسی طرح دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس ذات واحد کے تصرف اور ارادہ سے ہوتا ہے جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور دنیا والوں نے اپنی کوتاہ نظری سے اسباب میں اثر سمجھ لیا ہے

ع عشق من پیدا و معشوقم نہاں — یار بیروں فتنہ او در جہاں

ما ہمہ شیراں ولے شیراں علم — حملہ شاں از باد باشد دمبدم

حملہ شاں پیدا و ناپیدا ست باد — آنکہ ناپیدا ست ہرگز کم مباد

اس تقریر سے یہ سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اسباب کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حق تعالیٰ نے گویا یہ اصطلاح مقرر کر رکھی ہے کہ جب تم پانی ڈالو گے تو ہم اپنی قدرت مستقلہ سے آگ کو بجھا

دیں گے چنانچہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں تمام اسباب کی یہی حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ نے گویا ایک اصطلاح مقرر کر دی ہے کہ فلاں سبب کی مباشرت کی جائے گی تو فلاں چیز کا وجود یا فلاں چیز کا عدم مرتب کر دیا جائے گا ہم اس کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ اس سبب میں یہ اثر ہے کہ اس سے وہ چیز موجود یا معدوم ہو جاتی ہے اس کا نام خاصیت رکھا ہے اور کہتے ہیں پانی میں خاصیت ہے آگ کے بجھانے کی اور آگ میں خاصیت ہے جلانے کی اور خاصت کے معنی یہی لیے جاتے ہیں کہ ان میں ذاتی اثر ہے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوتی کہ اس میں ذاتی اثر کہاں سے آیا اگر اس نکتہ کو اسی حد تک رکھتے جتنا جھنڈی کا اثر ریل کے رک جانے میں سمجھتے ہیں تو مضائقہ نہ تھا کیونکہ اس نظیر میں جھنڈی کو فی نفسہ مؤثر کوئی نہیں سمجھتا پانی اور آگ کے بارہ میں اس کے خلاف عکس ہے کہ عام طور سے ذہنوں میں یہی بات بیٹھی ہوئی ہے کہ پانی میں آگ کو بجھا دینے کی خاصیت ہے اور جب یہ لفظ کہتے ہیں کہ پانی نے آگ کو بجھا دیا یا آگ نے فلاں چیز کو جلا دیا تو ذہن میں متبادر معنی یہی آتے ہیں کہ ان میں خاصیت اور شر ذاتی ہی ہے اس کی طرف ذہن کم جاتا ہے کہ یہ کام کسی اور کے کرنے سے ہوتا ہے اگرچہ بحمد اللہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کوئی عالم بدون اذن حق تعالیٰ کے نہیں ہو سکتا۔

خوارق اور اسباب

اور یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے کسی خرق عادت کا ذکر ہوتا ہے تو ان کا انکار نہیں کرتے دل سے اقرار کر لیتے اور مان لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ خدا کی بڑی قدرت ہے لیکن اب ایک جماعت مدعیان اسلام کی ایسی بھی موجود ہے جو زبان سے تو گو خدا کی قدرت کا اقرار کرتے ہیں مگر اسباب کے مؤثر ہونے کا خیال ان کے ذہنوں میں اس درجہ مرکوز ہے کہ یہ کہنا کچھ بیجا نہیں کہ وہ اسباب کو مؤثر بالذات مانتے ہیں اور اس درجہ میں ہرگز نہیں سمجھتے جس درجہ میں جھنڈی کو ریل کے رک جانے میں دخیل سمجھتے ہیں۔

اس خیال کا پتہ ان کے لفظ سے اور برتاؤ سے چلتا ہے جھنڈی کے بارہ میں تو کبھی

لفظ ہیں کہتے کہ اس نے عمل کو روک دیا اور اسباب سے باوجود ہیں ہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اور یوں عمل حاصل کی اسوقت گزرتی ان کے سامنے یہ بھی کہ اور کیا ترقی کرتا جلد اس کو خدا تعالیٰ نے ایسی ترقی اور ایسی طاقت دی ہو گورنمنٹ سے انکار تو نہ کریں گے کیونکہ خود مسلمان ہیں اور خدا کو مانتے ہیں لیکن اس لفظ سے ان کو کچھ بٹ نہ ہو گی یہ کہ انقباض ہو گا اس کی وجہ کیا ہے سوائے اس کے کہ ان کی نظر اسباب پر ہے قدرت پر نہیں۔

اور اس کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یہ لوگ حوادث و معجزات انبیاء کا بھی انکار کرتے چلے ہیں اور ان میں ایسی بعید بعید تاویلیں کرتے ہیں جو صحیح صحیح تحریف ہے اسکی مثال اس سے ہو سکتی ہے کہ اسباب کے تئیں مسببات کو دائم لا یتخلف مانتے ہیں دنیا کے سباب کی تاثیرات کو ایجاد حق تعالیٰ کی طرف خیال نہیں جاتا۔ فلاں طرف خیال جاتا ہے کہ اس سبب میں یہ خاصیت اور یہ تاثیر ہے میں پوچھتا ہوں کہ آگ میں ذاتی خاصیت ہے جلا دینے کی تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیوں نہ جلایا؟ اس وقت یہ خاصیت کہاں چلی گئی تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آگ اپنی ذات سے جلانے والی چیز نہیں ہے بلکہ جلانے والی جبر کوئی اور ہے اور آگ کا وجود صرف علامت ہے اس بات کی کہ اب وہ فاعل جلانے کا فعل کرنا چاہیے کہ سرخ جھنڈی خود روکنے والی نہیں بلکہ سرخ جھنڈی کا دکھانا قرینہ علامت ہے اس بات کی کہ اب ڈرائیور ریل کو روک دیگا چنانچہ جھنڈی ہلی ادھر ریل رکنی شروع ہوئی ادھر آگ روشن ہوئی اور ادھر جلانے کا شروع ہوا اس دیکھنے والوں نے سمجھ لیا کہ آگ میں خاصیت ہے جلا دینے کی حالانکہ جس طرح ریل کا رکنا ڈرائیور سے روکنے سے ہوا ہے اسی طرح آگ سے جل جانا خالق نار کے روکنے سے ہوا ہے۔

دوام ترتب تاثیر کی حقیقت یہ دھوکہ دوام ترتب مسبب علی السبب سے ہوا ہے مگر یہ کوئی بات نہیں ہے

کہوں کہ دو موجود حقیقی میں کسی مستقل صفت کے ساتھ فاعل ہیں جیسے ایک شخص ایک مکان میں بیٹھ کر کوئی کام جیسے لکھنا تو اس سے دوسرا نہیں سمجھتا کہ اس کام کی نسبت مکان کے دیوار و در اور اینٹوں کی طرف ہے جیسے حالانکہ دوام یہاں بھی ہے جب تک وہ مکان ہو تب دیواریں اور اینٹیں برابر موجود رہتی ہیں لیکن اس بے وقوف سے یہ توقع رکھی نہیں جاتی کہ شاید یہ کام اینٹوں سے ہو کیونکہ ان میں قابلیت ہی نہیں بلکہ کام کے بارہ میں جب خیال کیا جائے گا تو کسی طرف سے کام کی نسبت [illegible] دوسرے کی طرف ہے جیسے کسی فاعل کا پتہ نہ چلے مگر یہ ہوئی رکھے گا کہ مکان بنانے والے نے یہ کام کیا ہے بہت سے بہت جس دفعہ حیران ہو کر دریافت کرے گا کہ معلوم نہیں کس نے بنایا ہے مگر دوام سے اتنا کہنا نہ کہا جائے اور خوب سمجھ لینا چاہئے کہ سب تعلقات اللہ تعالیٰ کے ہیں تمام موجودات موت و حیات صحت و مرض اور ان کے تمام اسباب جیسے گرمی سردی باد و باراں یہ سب کو حق تعالیٰ نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے آپ کو صرف ترکیب تحلیل کا اختیار دیا ہے جب آپ ترکیب یا تحلیل کرتے ہیں تو درحقیقت حق تعالیٰ اس فعل کو موجود فرماتے ہیں اس لئے اس کی وہی مثال یاد رکھئے کہ جھنڈی دینے کا اختیار صرف جھنڈی دکھا دیا ہے اور عمل کا کل کا یا اس کی طاقت سے نہیں ہے بلکہ جھنڈی دکھانے ہی پر ریل کا چلانے والا اس کو روک رہتا ہے اور کبھی روکنے کی نسبت جھنڈی کی طرف کرنا بھی درست ہے سو اس طریق پر اگر افعال کی نسبت اسباب کی طرف بھی کبھی کبھی ہو جاوے تو مضائقہ نہیں مگر دل میں یہی ہونا چاہئے کہ سب اصل کرنے والے یہ سب تصرفات اللہ تعالیٰ کے ہیں

تشریعیات میں حق تعالیٰ کا تصرف

یہ تو اس تصرف کا بیان ہوا جو حق تعالیٰ نے تکوینیات میں کیا ہے اب تشریعیات میں تصرف سنئے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے تمام افعال کے متعلق جیسے نشست برخاست۔ اکل و شرب۔ بولنا چالنا۔ بات کرنا وغیرہ غرض تمام افعال کے متعلق

یہ کہا جاتا ہے کہ وہ چیتا بڑا ہوشیار تھا وہ بھی سایہ اور دھوپ کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا رہتا تھا۔ دھوپ اور سایہ میں یہ تمیز کر لیتا تھا تو وہ چیتا ہو وہ تو بڑا ہی دن ایسے ہوا مات جاتی تو مگر تمیز نہیں اسوقت لاکھ حدیثوں سے تو اس کا اطمینان ہو جاتا ہے اور دل سے نہیں ہوتا مگر یہ بندہ یہاں کہاں چلیں گے یہ ساری خرابی دین کو چھوڑنے سے پیدا ہوئی کہ ہم چیرکہ دھوکہ تراشی پڑتی ہے اس بیٹے چیتے کے گلدار ہونے کی وجہ گھڑنی پڑی ورنہ دیدار اور توحید کے ماننے والے تو صدق ساجوب سیرت کا یہ کافی ہے رب اللہ تعالیٰ نے بنا دیا۔ چیتا گلدار یوں ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا اور گھوڑا سفید اس کو اچھا کیوں ہے اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ناقص کا لاسوت اللہ نے بنا دیا

اسی طرح تشریحات میں بھی جواب فانی ہے ہر پانچ نمازیں کیوں ہوئیں اللہ نے مقرر کر دیں اور چار رکعت کیوں ہوئیں وجہ یہ ہے کہ رکعتیں ہوں یہ اللہ نے مقرر کر دیں ہے حقیقی جواب جو ہر جگہ چل سکتا ہے تکوینیات میں بھی تشریعیات میں بھی اور جو اس جواب کو چھوڑ کر دوسرے جواب اور وجوہ اور فلاسفی بگھارتے ہیں وہ ہر جگہ ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ چیتا تو دھوپ سایہ میں بیٹھا تھا اس لیے گلدار ہو گیا اور ناقص کا شاید اس واسطے ہو گیا ہو کہ ساری عمر تیز دھوپ میں رہا ہو گا کھال جل کر ہلکی پڑ گئی اور گھوڑا سفید اس واسطے ہوا ہو گا کہ ساری عمر برف میں رہا ہو گا مگر بعض کالے بھی ہوتے ہیں وہ شاید کسی ایسے گھوڑے کی نسل میں ہوں گے جو دھوپ میں بندھا ہوا لیکن یہ تمام وہ کی خلاف ہے اسی گھوڑی کے پیٹ سے ایک بچہ سفید رنگ پیدا ہوتا ہے اور ایک سیاہ رنگ پیدا ہوتا ہے تو یہ گھوڑی کب برف میں بندھی تھی اور کب دھوپ میں بندھی تھی پھر لطف یہ ہے کہ اس گھوڑی پر تو برف کا یا دھوپ کا اثر نہیں یہ تو جیسی تھی ویسی ہی ہے سفید تھی تو سفید ہی ہے اور سیاہ تھی تو سیاہ ہی ہے اور بچے پر اثر ہو گیا یہ کیا خرافات ہے نعوذ باللہ

فلاسفہ کی سوچ

یہ آجکل کے فلاسفر ہیں ان کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ فلسفہ کیا چیز ہے کس علم کا نام ہے اور اس کا موضوع کیا ہے اور ثبوت کیا چیز ہے اور اس کے لئے کس قسم کی دلیلوں کی ضرورت ہوتی ہے آج کل کے فلسفہ کے دلائل تو کیا ظنی بھی نہیں ہوتے اور قطعی بھی نہیں ہوتے۔ دیکھ لیجئے یہ بھی کوئی دلیل ہے کہ چونکہ اسوا سے ظلمات ہو گیا کہ دھوپ چھاؤں میں بیٹھا تھا اسکو اتنا ہی بھی جب کہا جاتا کہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ میں تو اور چلے لیکن یہ تو بدیہی ہے بھی نہیں چلتی بس یہ وجہ کچھ انہی کی سمجھ میں آئی ہوگی یہ آج کل کے فلاسفروں کے دماغ ہیں کہ فلاسفی تو ریاضت کرتے ہیں ہر بات کی مگر جو دماغ خود گھڑتے ہیں وہ ایسی ہوتی ہے کہ مدعا تو ایک مادہ میں بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ ہاں فلسفہ یونان کچھ کچھ فلسفہ کہلانے کا مستحق ہے گو ان کے جواب بھی اچھے ہیں جو آجکل کے فلاسفروں کے جواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے لیکن اتنا فرق ضرور ہے

کہ آجکل کے فلاسفروں کا جواب ایک قدم بھی نہیں چلتا اور ان کا جواب دو چار قدم چل جاتا ہے گو اس سے بعد وہ بھی گر پڑتا ہے وہ ایسے موقعوں پر یہ کہتے ہیں رہنے گلدار کیوں ہوا اور گھوڑا یا ناخن گلدار کیوں نہیں ہوا کہ جیسے ہیں مادہ اسی قسم کا تھا جس سے گل پیدا ہونے چاہئیں تھے لہذا مبدء فیاض کی طرف سے اس پر یہ صورت فائض ہوئی کیونکہ مبدأ فیاض میں بخل نہیں اور ترجیح بلا مرجح ہو نہیں سکتی اس لئے جو مادہ جس صورت کا مقتضی تھا مبدأ فیاض کی طرف سے وہی صورتیں فائض ہو گئیں۔

یہ جواب آج کل کے فلاسفروں کے جواب سے کچھ چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے انہوں نے مادہ اور اثرات کا سلسلہ ملا کر حساب تو پورا کر دیا تو وہ حساب بھی ایسا ہی ہے جیسے ایک منیجر حساب جوڑ رہے تھے کہ چار اور چھ دس۔ دس اور دو بارہ کے دو ہاتھ لگا ایک اور اسی طرح ہزاروں لاکھوں کی جمع کر رہے تھے اور بار بار کہتے جاتے تھے ہاتھ گئے اتنے ہاتھ گئے اتنے ایک سائل کھڑا سن رہا تھا اس نے کہا منیجر جی کچھ ہمیں بھی دلواؤ کہاں گئے جاؤ میرے پاس کچھ نہیں ہے

اس نے کہا بھی بہت سمجھایا کہ آپ کے اختیار میں تو سب آچکا ہے، مجھ سے اب بچا ہی کیا ہے
اس کچھ نہیں ہے، انہوں نے کہا بھائی، تو لاؤ ہی حساب کتاب ہو جائے، کچھ خرچ ہے جس میں
کچھ تقاضا ہی سے ہیں ہیں، اس بہت تو نے حصہ مجھ خرچ ہوا، مگر پانی ہی دن خوش رہتے
ہے رہا تھا گئے تھے اور ہاتھ سے جو بھی بس اسی، جو پرانی نوٹ سفروں نے بھی مادہ اور تر
کا سلسلہ ہر حساب پورا کر دیا بس ہاتھ کچھ بھی نہیں ہوا سوائے اس کے کہ سفر خرچ یا در تقدیر
کو طول دیا اور انہیں دیکھو، ہاتھ خالی نتیجہ اس سے جو اس سائنس عہد کی تقریر لاتا تھا
کہ جیتے کا ہوا ہے ہے، اور سب لوگوں میں بھی تھا جیسا، سوسے ایسے ہی دوسرا
لاسفلا ہیں یہ آفریدہ خوب خط نازک ہے کہ اس میں لفظ بھی معمول تھے اور اس میں
در سقوں اور صطلق الفاظ ہیں اور پھر قدم بہ قدم گر پڑا اور سب دو قدم چل کر گر پڑے
زہ حاصل اور دوں کا یہ ہے کہ بیچنا، بائے کہا کہ جیسے ہی کوئی مادہ ایسا تھا جس کی وجہ سے
مبدا الفیاض کی طرف سے گلوں کی صورت کا تزحیق ہوا، وہ جو اس وسطے فرشتی کہ تزحیق ہو مرجع
مادہ کہ تو اس سے کوئی پوچھے کہ جیتے ہیں، مادہ کیوں یہ دوسرے جانوروں میں کیوں نہ ہوا
مبدا الفیاض سے اس پر بھی گل نازل ہو جائے، وہ جو تزحیق طلاح ہو گئی اور جس نزاع سے بچنے
کے لیے وہ وجہ تراشی تھی وہ جنبہ قائم رہا تو، تقریر میں اور اس تقریر میں کیا فرق ہوا
جیسے وہ دیکھا تھا ایسے ہی یہ بھی دیکھا ہے

اہل توحید کا فکر

اور اس لفظ کی توجیہ کرنی بھی آسان نہیں پڑتا
یہ شروع سے وہ وجہ بیان کرتے ہیں جو سب کو
میں اختیار کرنی پڑتی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کر دیا لڑکی کتنی ہی بھی چوٹی تقریریں
کرے مگر اخیر میں اس پر آنا پڑے گا جیسا کہ یونانی فلاسفروں سے پہلے تو مادہ نکالا اور
اس کو وجہ سے گلوں کی صورت کا کو مبدا فیاض سے فیض مانا لیکن جب یہ سوال ہوا کہ وہ مادہ
دوسرے جانوروں میں کیوں نہیں ہے اب اگر وہ اس کے لیے کوئی اور وجہ بھی تراشیں

ت بھی سوں ہے ہتو ۔ یا کہ وہ دو اور جانوروں میں کیوں نہیں ہوں گی کہ اس کے بیٹے ہی کرنی
اور وہ نکالیں اسے ہی ہوں ۔ جناب یا تو سب یہ سلسلہ ختم کریں گے یا تسلسل لازم آئے
یا تسلسل موخود ہوں مانتے ہیں ۔ ہمارا مقدمہ ٹوٹ سے کا وختم نہیں ہو سکتا ۔ دوں اس
لیے کہ وہ کہا جاتا ہے ۔ اس کا وہ ہو ۔ اور سی چیز کو جس کو وہ قرار دیتے ہوں خدا تعالیٰ نے
چلتے ہیں یہ سیاس سے کل پیدا ہوتے اور اس کو کسی اور جانور میں پیدا نہیں کیا ۔ یہ
بھی مطلب ہے ۔ دل توحید نے کہا تھا تمام قرآن کا کہ ہوں نے بیٹے ہیں ہمیں اور
اہوں نے تصب کر لیا تمام تمثالوں سے اور خدا ہے تو سی ہوتے ہیں سکتے ہیں جس کو
اپنی الوہیت افضل کہتا ہے ۔ اور ہی ترجیح کا مرجح تو مساوی ہے ۔ مرجح ہاں تھا
ارادہ ہے ۔ اس سے ہو کوئی مرجح نہیں ہو سکتا اور جو یوں کسی اور مرجح کی تلاش کرنا ہے
اس کو پھیر پھیر کر اسی پر آنا پڑتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا

اور اگر یہ سوال ہو کہ ارادہ ایک کے ساتھ کیوں ہوا اور دوسرے کے ساتھ کیوں نہیں ہوا
تو اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ یہ سوال صرف ہم سے کیوں ہے تمہارے بھی تو اعتبار ہی یہ
سقوط ہیں اس کا جواب تمہارے ہاں بھی ہوا اگر ہمارے ذمہ اس کا جواب ہے تو تمہارے
ذمہ بھی ہے ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار ہیں ان کے افعال اور ارادہ کیلئے
کسی وجہ کی ضرورت نہیں ۔ یہ بیچ کہ ان کا ارادہ اور حکم ہے ۔ کے ارادہ اور حکم کے لئے کوئی
وجہ نہیں ۔ اور حقیقت اس یہ ہے کہ ارادہ کی ذات میں ماں کے لوازم میں یہ داخل ہے
کہ ترجیح بلا مرجح ہو ۔ اور ذات اور ذاتیات کے درمیان میں اسی طرح ملزوم اور لازم کے درمیان
تعلق حل کا ہوتا ہے ۔ اس ترجیح کی علت دریافت کرنا عقلاً باطل ہے اور عامہ انام
کی سوچ اسکو دوسری طرح سمجھ کر چونکہ ہم نے فاعل مختار کی کوئی ایسی نظیر نہیں دیکھی جس کے
وہ درجہ کے لئے کوئی وجہ نہ ہو اس واسطے حضرت جبکہ ہمیں چیزوں پر قیاس کرکے یہ سوال
کیا جاتا ہے بیشک ہم نے جن کو دیکھا ہے وہ سب ایسے ہی ہیں جن کے افعال کیلئے وجہ ہوتی

ہے لہٰذا ہم نے یہی حکم دو اصل محل متنازعہ پر بھی جاری کردیا۔ اس کو قیاس الغائب علی الشاہد کہتے ہیں مگر یہ طریقہ بھی باطل غلط ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے اُس بھولے بھالے سیدھے سادے دہقان میں باری تعالیٰ کے وسیع ہاتھ پاؤں اور پیٹ اور بھوکا ہونا وغیرہ خلاف حقائق کہہ ثابت کیا تھا۔ اس قیاس الغائب علی الشاہد کو کسی عقلمند نے جائز نہیں رکھا دیکھو تمام دنیا کے افعال میں آلات کی محتاجگی ہے کوئی کام بلا آلات بین الظہور وغیرہ کے نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ کے لئے کوئی صاحب علت! عاقل اس بات کا قائل نہیں ہو سکتا کہ ذات واجب الوجود بلا آلات و ضرورت سے خلاف عادت اس کی کوئی نظیر دوسری موجود ہے مگر دلیل کی وجہ سے قائل ہونا پڑتا ہے۔ جیسے سانڈ سے یہ بات ثابت ہے کہ بلا آلات کے کوئی کام کر سکے مگر یہ ذات باری تعالیٰ کے واسطے ثابت ہے ورنہ احتیاج لازم آئے گی جو ذات واجب الوجود اور ضرورت کے خلاف ہے دیکھئے یہاں قیاس الغائب علی الشاہد کو منع کیسے گئے

اسی طرح اس مسئلہ میں سمجھ لیجئے اگر اس کی کوئی نظیر موجود نہیں اور کوئی فرد کائنات میں ایسا نہیں جس کے افعال کے لئے وجہ کی ضرورت نہ ہو مگر اس سے ذات باری تعالیٰ کا ضرورت پہنچانا اور ان کو کائنات پر قیاس کرنا یہ سب باتیں کوئی عاقل مختار مطلق نہیں ہے اور وہ فاعل مختار مطلق ہیں فاعل مختار مطلق کہتے ہی اُسکو ہیں جس کے فعل کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہ ہو۔ ہماری سمجھ میں یہ مضمون پوری طرح اس لئے نہیں آتا کہ اس کی کوئی خبر ہم نے نہیں دیکھی باقی مختار مطلق تو وہ ہے جو کسی بات سے بھی مجبور نہ ہو اور وہ صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے اس کے افعال و احکام کے لئے وجہ کی ضرورت ماننا احتیاج ثابت کرنا ہے اور یہ لاہوتیت کے منافی ہے اس دلیل سے تو آلات کے احتیاج کی نفی کی گئی ہے۔ یہاں تک بقدر کفایت اس بات کا بیان ہوا کہ ارادۂ باری تعالیٰ نے ایک جگہ ایک وصف کو کیوں تجویز کیا اور دوسری جگہ کیوں نہیں دی پہلا جواب الزامی تھا اور یہ تحقیقی ہے حاصل یہ کہ ارادۂ ازلی

کا خود مرجع سے اب دو امکان نہ رہا کہ ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے پس اہل توحید پر کوئی اشکال نہیں پڑتا بلکہ فلاسفروں کا اعتراض ترجیح بلا مرجح کا اُنہیں وارد کرنا چاہیے کیونکہ یہ براہین اپنے اصول کو سمجھا لیا کہ ایک جگہ میں مادہ ایسا موجود تھا جس میں خاص قابلیت تھی اسواسطے مبدا فیاض نے اس صورت کو اس مادہ سے وابستہ ترجیح دی اور دوسری جگہ جہاں کسی اور حیوان میں ایسا مادہ موجود نہ تھا اس رشتہ یہ صورت کو نہ تعلق ہوئی پس اب یہ پوچھا جاتا ہے کہ ایسا مادہ ایک ہی حیوان میں کیوں تھا دوسرے کسی حیوان میں کیوں نہ تھا سو کہ دہریہ اور تمام قسم ممکنات سے ترجیح کا محتاج ہے اس میں ہمارا کچھ نہیں ان پر عائد ہوتا ہے کہ ذات واجب الوجود یا مبدا فیاض سے اس مادہ کو ایک میں کیوں پیدا کیا اور دوسرے میں کیوں نہیں کیا یہ وہی ترجیح بلا مرجح کا سوال ہے ناظر اس قسم کے اشکالوں سے سوائے ان توحید کے اور کوئی مذہب نہیں بچا سکتا ہے فلاسفروں نے کچھ دھکے گھڑ گھڑا کر اپنا بچاؤ کرنا تو دھلاوں گوان کا حساب ہے قیامت میں ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کہہ رہے تھے ہاتھ گئے اپنے اور ہاتھ سگا کچھ بھی نہیں تاہم ہمارے فلاسفر ایک دو قدم چلے تو سہی اور جہل کے فلاسفر تو ایک دو قدم بھی نہ چلے۔

اس چھٹے کی مثال سے پتہ چلتا ہے کہ جہال جو لوگ وجود خدا تلاش کرتے ہیں ان کی عقلیں ایسی بھدی ہیں کہ ایسی مہمل باتیں ان کے ذہن میں آتی ہیں ان سے تو پرانے فلاسفر پھر غنیمت تھے۔ کہ کسی درجہ تک تو بات ڈھنگ کی کہہ سکتے تھے گو منزل مقصود تک ایک بات بھی نہیں پہنچتی تو دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے دو گھوڑے ہیں ایک دس کوس چلنے کی طاقت رکھتا ہے دوسرا بیس کوس کی دو فرض کیا جائے کہ دوسرا سو کوس تو کر چہ بیس کوس کی طاقت رکھنے والا گھوڑا دس کوس دوڑنے سے دو چند طاقت رکھتا ہے مگر ہے کار دونوں ہی منزل مقصود تک ایک بھی نہیں پہنچا سکتا منزل مقصود تک پہنچانے والی ریل ہی ہے تو کیا یہ عقل کی بات ہے کہ ان دونوں گھوڑوں میں سے کسی کو اختیار کیا جاوے کہ ایک دس کوس پر

چھ روسے کا دوسرا بیٹا کوس پر پہنچ کر دیکھا مقصد تک پہنچنا کس سے بھی میسر نہ ہوگا بلکہ خدا سے ملنا ہی کو یوں نہ فضیلت دیا جائے رس کوس دو گھوڑ دوڑ کا فلسفہ ہے، ہیں کوس دو فلسفہ یونان ہے وہ اس سے دو قدم طاقت رکھتے ہے مگر منزل مقصود تک وہ بھی نہیں پہنچا اور رسل دن سے یہ سو کوس بھی پہنچ سکتے ہے اور ہزار کوس بھی پہنچا سکتے ہے جو اس کو چھوڑ دیگا اُن میں کوئی تو دس کوس پر گر جائیگا اور کوئی بیس کوس پر گر جائے گا دیکھ لیجئے ایک راستے پہنچنے کے گھوڑ دوڑ کے بارہ میں یہ فلسفی ہے تک قدم پر فیل کر رہ گئے دوسرے فلسفی سے بیس قدم رہا کہ مادہ ثابت کیا اور دوسرے قدم پر گر گئے یہ سب خدا کی عقل پر چلنے اور دین کو چھوڑنے سے ہوئے دین سیدھا منزل پر پہنچا ہے اور دل ہی سے جواب سکھلاتا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ نے بنایا اس کے خلاف جو کچھ کہے گا وہ سب غلط ہے اور سراسر جھوٹ ہے

حق تعالیٰ اور بندے میں تعلق

اس مثال سے آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تکوینیات میں بھی کسی کو دخل نہیں جب تکوینی کی یہ حالت ہے تو رسمی کی وجہ کہ کوئی نہیں آتی اور تم کو اس میں کچھ دخل نہیں تو تشریعیات میں بیوجہ دخل دیتے ہو؟ اس واسطے میں نے اس شخص سے کہا جس نے سوال کیا تھا کہ تم دس پانچ بیوں مقرر ہو تمہیں کو میری نماز آئے گی گے، جب اس کو عقل سے نہیں سمجھ سکتے تو اس عقل کو تشریعیات میں کیوں دخل دیتے ہو۔ بس سمجھ لو جیسے حق تعالیٰ کو تکوینیات میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے کوئی تم تکوینیات کے متعلق تم سے پوچھ کر نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہی ٹھیک ہوتا ہے بس ہی تشریعیات میں بھی ہر قسم کے تصرف کا حق ہے کسی کو تم سے پوچھنے اور رائے لینے کی ضرورت نہیں جو چاہیں حکم دیں اور جو حکم دیں وہی ٹھیک ہے۔ عظمت کچھ خدا ہی کو سمجھ پالیا ہے کہ اس کے متعلق سوالات کی جسارت کرتے ہو ذرا غور تو کیجئے کہ آپ کا ایک بادشاہ ہے اور آپ اس کو حکم دیں

[illegible] ہے کہ اس کی [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے
[illegible] ہے کہ [illegible] ہے

ن کے حصار میں مر یوجھنا باوجود ان اختیارات کاملہ کے جو ان کو بوجہ خالق اور مالک ہونے کے حاصل ہیں کیوں ناگوار ہوا کہ تو تو کیسے درشت سے کام لیجئے صاحب مسلمان کا مذہب تو سنا چاہیے ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو ۔۔۔ نہ انگیختن حجت از کار تو

اور یہ مذہب ہے موحد کا ؎

ز زندہ کنی عقاب تو در بستی مدہ سے تو ۔۔۔ جہاں شدہ مبتلا ئے تو ہر چہ کنی رضائے تو

ہر حال میں معتقد اور فرمانبردار رہنا ان کے حکم کے سامنے آنکھ نہ اٹھانا سے سر جھکا کر ان کے وجہ اور علت کا پیچھا ہوتی ہے ۔ در حکمت کس کو پہنچے ہیں ان کا حکم ہی ہر چیز کی علت ہے اور وہی حکمت ہے عمل مذہب یہی ہے ۔

تمازِ پنجگانہ کی حکمت

اور یہاں تکلیف ظاہر کے لیے دو چار علل اور حکمتیں سمجھ بھی لیں تو سوا ہوا کوئی علت تھوڑا ہی ہے یا حکمت بعید تھوڑا ہی ہے ۔ خدا جانے حقیقی حکمت کیا ہو ہمارا علم ہی اور فہم کیا مثلاً پانچ نمازوں کی وجہ کوئی یوں بیان کرے کہ صبح کو تو بیدار کا وقت ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی نعمت ہے کہ رات بھر سلایا اور یہ وقت تنبہ کا نصیب کیا بھلا اس کا شکریہ چاہیے فجر کی نماز اس کا شکریہ ہے ظہر کو بھی یہی حالت ہے کہ دوپہر کو قیلولہ کیا آرام پایا دوپہر ختم ہونے کے بعد اس کا شکریہ چاہیے یہ ظہر کی نماز ہے مغرب کے وقت دن ختم ہوا ہے دن خیریت سے گذرا اس کا شکریہ چاہیے عصر کا وقت دونوں کے درمیان میں ہے یعنی ظہر اور مغرب کے دنیا کے اکثر کاموں کا وقت یہی ہے بازار اسی وقت لگتے ہیں ۔ عمل سے کاروبار میں زیادہ مصروفیت ہو جاوے اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے ذہول ہو جاوے اس واسطے بیچ میں ایک مختصر سی عصر کی نماز بھی رکھی گئی کہ بندہ کی یاد کا امتحان ہے رات کو سونے کے وقت تمام کام ختم ہو جاتے ہیں دن بھر خیر و عافیت سے گذرا کھایا پیا سارے کام انجام کو پہنچے اب اخیر وقت ہے

بیدار ہونا یہ موت کے بعد خدا کے سونے کے بعد، عشاء کی نماز ہے پانچوں نمازوں کی حکمتیں ہوگئیں یہ حکمتیں کتابوں میں لکھی ہیں اور تقریب الی الفہم کے لیے کچھ نہ کچھ مغلبہ بھی ہیں اور اسی غرض سے علماء نے مثالوں میں لکھی بھی ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پانچوں نمازوں سے ایسی حکمتیں یہ ہیں معین کہ اگر یہ حکمتیں کسی دوسری طرح بھی حاصل ہو جاویں تو نماز کی ضرورت نہ رہیگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل مامور بہ منظور ہیں اور اصل بنا اسی امر خداوندی پر ہے لیکن ان میں یہ فائدے بھی ہیں

بنا احکام اور مصلحت اس کی مثال یہ ہے کہ ہم کو بازار جانا ہے گیہوں لینے کے لیے اور گیہوں کی ہم کو ضرورت ہے کیونکہ بقاء حیات اسی پر موقوف ہے لیکن جانے میں یہ بھی فائدہ حاصل آیا کہ جہل قدمی بھی ہو گئی اور کھانا ہضم ہو گیا اب اگر کوئی یہ سمجھے کہ بازار جانے کی مثال جہل قدمی اور ہضم کرنا ہی ہے اور یہ بات بجائے بازار کے جنگل کو چلے جانے میں بھی حاصل ہو سکتی ہے لہذا بازار کو نہ جایا کرے اور جنگل ہو آیا کرے تو فرمائیے کیا یہ خیال اس کا صحیح ہے اور اس صورت میں بھیڑیوں کے کیسے زندہ رہے گا ہمارے بھائیوں نے یہی سمجھا ہے کہ احکام بھی کہ ان مصلحتوں کو جو ان میں تبعاً و ضمناً آگئی ہیں اصل اور بنا قرار دے لیا ہے لیکن سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اسی طرح غلطی پر ہیں جیسے بازار کو چھوڑ کر جنگل کو جہل قدمی کے لیے جانیوالا کہ اس صورت میں جہل قدمی تو واقعی ہو جائے گی لیکن اناج ہاتھ نہیں آئیگا اور بھوکوں مر جائے گا کتابوں میں جو مصلحتیں احکام ہی کی لکھی ہیں وہ ضمنی ہیں ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انہی کی وجہ سے وہ احکام مقرر ہوئے ہیں نہ کسی کتاب میں یہ دعوی کیا گیا اسی واسطے کتابوں میں حکمتوں کے بیان کے ساتھ یہ لفظ بھی لکھے جاتے ہیں واللہ اعلم کا یہ مطلب ہے کہ

[illegible] اس میں تو ہر شخص جانتا ہے کہ صبح کی رکعتیں دو ہیں اور مغرب تین کیوں ہیں جاہل سے جاہل آدمی سے بھی کوئی وجہ پوچھو تو وہ آگے جھیں گے کہ نہ تو ہمارے چار سال مقرر ہیں اور دو سو درہم کا نصاب کیوں مقرر ہوا اس سے ہی تعین ہیں کہ حضرت دریا خصاں تھا۔ اور آگے چلئے حج تمتع کیوں ہے شوال یا ذیقعدہ کسی مہینے میں ہو یا نہیں رکھا گیا اور مکہ ہی میں کیوں ہوتا ہے جبکہ قلعہ میں کیوں نہیں ہوتا، کم از کم تمتع تو ہر اس شخص کے پاس روپیہ ہے بآسانی کر سکتے وہ تو کمتی دفعہ جا کر کر لیتے ہیں۔

[illegible] گیا مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ گائوں میں جمعہ کیوں نہیں ہوتا میں نے کہا بستی میں جمع ہوتے ہیں وہاں بس اب اصل جاتا ہوں غرض جہاں تک ہر حکم کی علت پوچھی جائے گی۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ عقل سے کوئی ایسی وجہ نہیں نکل سکتی جو بالکل ہو سکے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں بیان ہوتی کہ کر کہ تقریب الی فہم ہو جاتا ہے اور آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے کہ اصل وجہ تو معلوم نہیں ہاں ظاہر میں ایک حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے اس غلط کو بھی ان سے ہوں نہ کہدو۔ عقل اسلام کی میں کہاں تک چل سکتی ہے اس واسطے کہتے ہیں ؎

[illegible]

معجزات اور عقل نارسا حقیقت یہ ہے کہ عقل بہت محدود چیز ہے اور مخلوق ہے وہ خالق کے اسرار میں کیسے حکم کر سکتی ہے ان حضرات سے عقل کی مایت کو خوب سمجھ لیا اسی واسطے اس کو چھوڑا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقل نکمی چیز ہے اور سب اس کو چھوڑ کر بے عقل اور پاگل دیوانے بنجائیں یہ تعلیم کسی نے نہیں دی کہ عقل بے ہے احکام ہی کے دریافت کرنے میں عقل کافی نہیں عقل کی رسائی اور رسائی [illegible] تک، اس کی رسائی جہاں تک ہے وہاں تک بڑے کام کی چیز ہے اس سے ضرور کام لینا چاہئے

اب چڑھائی شروع ہوتی ہے اس گھوڑے کی دوڑ ختم ہو چکی اب اس کو چھوڑ دیتے اور پیدل سے چلتے ورنہ ٹھوکر میں گرے گا۔

لیکن آج کل لوگ سے عقل کو ایسی سمجھ ہے کہ اس جو کچھ ہے عقل ہی سے اور یہ سمجھتے ہیں کہ عقل ایسی چیز ہے کہ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کی رسائی نہ ہو حالانکہ غور کر کے دیکھیں تو معلوم ہو جاوے گا کہ اس کی دوڑ تو بہت تھوڑی ہے ان باتوں میں بھی اس کی رسائی نہیں جو بہت ہی معمولی ہیں اور روزمرہ ہماری نظروں کے سامنے موجود ہیں مگر غور کرنے کی عادت ہم لوگوں نے چھوڑ دی ہے ورنہ بخوبی سمجھ میں آجاتے۔ ہر روز کے معمولی کارخانے بھی عقل میں نہیں آتے مثلاً دانہ کی کاشت کو یہ اپنے آنکھوں سے کرتے ہیں اور عینی نظروں سے اس کا درخت دیکھ لیتے ہیں، اور اس کو کاٹ بھی لیتے ہیں اور دانہ بھی نکال لیتے ہیں اور کھا بھی لیتے ہیں یہ روزمرہ کا معاملہ ہے اس پر دنیا کی بسر ہے اور ایسا معمولی کام ہے جیسے گنوار لوگ کرتے ہیں جو بالکل بے عقل اور وحشی ہوتے ہیں اور ہم ان کو علوم کا نام یعنی جانوروں کے مانند سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں یہ کام ہوتا ہے لیکن کبھی غور تو کیا ہوتا کہ دانہ جب ہم نے زمین میں ڈالا تو وہ پھوٹتا ہے اس عقل سے ذرا یہاں تو کام لیجئے اور پوچھئے کہ اس کو کس نے پھوڑا معلوم ہو جائے گا کہ عقل کی رسائی کہاں تک ہے اتنی سی بات تک بھی رسائی نہیں ہے

جو لوگ عقل کے پیرو ہیں وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مادہ میں طبیعت نوعیہ نے یہ کام کیا ہے کہ دانہ کو پھوڑا اور اب اس میں سے شاخیں اور پتے اور پھول نکلیں گی اور دانے بنیں گے۔

عجائباتِ قدرت

میں کہتا ہوں کہ انہوں نے طبیعت نوعیہ کے لفظ سے دل کو سمجھ تو لیا مگر ذرا یہ تو دیکھا ہوتا کہ یہ سب کام کسقدر باریک ہیں دانہ پھوٹتا ہے تو اس کا پھوٹنا ایسا نہیں ہے جیسے ایک پتھر مار دیا کہ کچل کر پھٹ گیا بلکہ ایک حد کے ساتھ جس کو پھوٹنا نہ کہئے بلکہ کھل جانا کہئے کہ نہایت خوشنما اسلوب کے ساتھ اس کا منہ کھلا یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اندر بیٹھا ہوا ایک انداز سے

ور ب کے ساتھ اور تنے ہی مقدار سے کھولتا ہے جس سے سبز کے اندر سے ایک شاخ نکل
دے اب شاخ نکلتی ہے تو اس کو دیکھئے کہ کس تر چھاؤں سے رنگ اس کا کیسا
ناسب ہے ہیں ہرگز نہیں کہیں دھبہ ہیں نہ زردی اور سبزی ہے تو نہایت
مناسب رنگ کھوں کو بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں سے پتیاں نکلتی ہیں تو اس قدر باقاعدہ
ان کی ترتیب ایسی درست ہوتی ہے ہر درخت کی پتی علیحدہ۔ رنگت علیحدہ ذائقہ علیحدہ بو بال
علیحدہ۔ صورت علیحدہ شکل علیحدہ بعض پتیاں ایسی باریک ہوتی ہیں کہ ان کو شمار کرنا بھی مشکل
ہے مگر ان کو ایک ایک کو دیکھ لیجئے کہ بنانے والے کا کہیں ہاتھ نہیں چوکا کوئی پتی چھوٹی
بڑی نہیں ہوئی رنگ کسی کا مخرب نہیں ہوا ذائقہ کسی کا نہیں بدلا حاصیت کسی کی نہیں بدلی
موٹے پتلے ہونے میں فرق نہیں ہوا اگر پچاس پودے ایک قسم کے ہیں تو سب کی پتیاں یکساں
ہیں بنانے والا بناتے بناتے تھکا بھی نہیں ایک صورت شکل و بھول بھی نہیں اس قدر
عجیب کام ہے۔

پھر آگے چل کر پھول دیکھئے تو اس کیسی تھی پتیاں کیسی تھیں پھول ان میں سے کیسا نکلا
ڈنڈی اور پتی کی سی رنگت ہے نہ ویسی بو ہے بعضی نباتات کی شاخ اور پتیوں میں بدبو
اور ذائقہ میں تلخی ہوتی ہے لیکن ان میں جو پھول نکلتا ہے تو کیا لہا جائے پس سبحان اللہ رنگت
ایسی کہ اس کو دیکھا کیجئے خوشبو ایسی کہ سونگھا کیجئے

غرض پھول ایک علیحدہ چیز پیدا ہوئی ڈنڈی میں نہ یہ رنگ تھا نہ یہ خوشبو تھی نہ یہ صورت تھی
نہ یہ شکل تھی خدا جانے کس چیز میں سے ایسی خوشرنگ اور خوشبودار چیز کیسے نکل آئی اور
یہ اس کے اندر کہاں رکھی ہوئی تھی اور کس طرح رکھی ہوئی تھی ڈنڈی اور پتیاں سبز رنگ تھیں
اور ان میں رطوبت اور تری بھی تھی یہ چیز لپٹی لپٹائی اس کے اندر رکھی تھی اس پر ہری چیز
کے اندر سرخ رنگ کیسے چڑھ گیا اور اس ہری چیز کی سبزی کا ایک دھبہ بھی اس پر نہ آیا۔
کس قدر حیرت کی بات ہے۔

اب آئیے بھائی کو لیجئے اس میں بھی ہزاروں باریکیاں اور حکمتیں ہیں

عقل پرستوں کی بے عقلی

، جہاں کہیں بیان کرنے اور کوئی ضرورت ہو وہاں کی نہیں ہے" وہ کام جو ... اپنے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، اور ہر وقت نظروں سے گذرتے ہیں مخلوق ... سے کہ یہ ... کے کام ہیں اس لاعلمی کو قرار دیا ہے طبیعت نوعیہ کو حسی صفت خود بھی بیان سے ہیں کہ وہ غیر ذی شعور ہے یعنی اس میں کسی قسم کا حس و ... نہیں ہے عبرت کی بات ہے کہ ایک غیر ذی شعور چیز ایسا کام کرے جو کسی ذی شعور سے بھی نہ ہو سکے تمام دنیا کے ذی شعور مل جل کر ایک پتی گھانس کی بھی بنانا چاہیں تو ہرگز نہیں بنا سکتے بھر کیا۔ بات کچھ میں آتی ہے جو کام ذی شعور اور بڑے بڑے حکما اور عقلا اور کاریگروں سے نہ ہو سکے وہ ایک غیر ذی شعور چیز کرے یہ تو ایسا ہوا جیسے لہیں کہ ریل کو کون چلاتا ہے ایک مٹی کا ڈھیلا جو ریل کی سڑک پر پڑا رہتا ہے کیونکہ طبیعت نوعیہ بھی غیر ذی شعور ہے ایسے ہی ڈھیلا بھی ہے جب طبیعت نوعیہ سے ایسے بار بار کام ہو سکتے ہیں تو ایک ڈھیلے سے ریل کے چلانے کا کام کیوں نہیں ہو سکتا جس کی عقل ایسی کھدی بات تسلیم کرلے وہ جانے ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں۔

یہ ایسا ہے جیسے کہیں کہ یہ گھڑی کس نے بنائی ہے ایک بے شعور جانور چیز ... کون سی طبیعت ایسی ہے جو اس بات کو مان لیگی کہ بے شعور چیز نے گھڑی بنائی ہے واقعہ تو یہ ہے کہ ہم لوگوں نے گھڑی کے بنانے سے تو دیکھا بھی نہیں اس جگہ کو بھی نہیں جانتے جہاں وہ رہتا ہے لیکن گھڑی کے کیل پرزوں اور اس کی ساخت کو دیکھ کر ایسا خیال کرتے ہیں کہ جس نے یہ گھڑی بنائی ہے بڑا صناع اور بڑا سمجھ دار اور بڑا سائنس داں اور بڑا حکیم ہے کہ ہر چیز ایسے تناسب کے ساتھ لگی ہے کہ اس میں حرکت پیدا ہو گئی اور وقت بتلانے لگی اگر دنیا بھی ایک طرف ہو کر یوں کہے کہ اس گھڑی کو ایک جانور یا پتھر نے بنایا ہے تو ہم اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے حیرت اور صد حیرت ہے کہ ایک گھڑی تو بے شعور چیز سے نہ بن سکے اور اتنے

لیے جوڑے ہزاروں اور لاکھوں درخت جن میں اسقدر بڑے کام کی چیزیں ہیں جن کا اندازہ بھی عقل اب تک نہیں کر سکی وہ سب شعور پیدا کیے بن جاویں۔

یہ حافظہ اس کا ایسا صحیح ہے کہ دانے کو چیرتا ہے تو اپر تہ سفید ہے اور اندر کو سرخ ہے اور بیچ میں نکلتا ہے دانہ مٹی کے اندر دبایا گیا تھا اس میں سے ذرا سی سفید شاخ رہین کو توڑ کر نکلی جس کی ضعف کی حالت یہ ہے کہ اگر اس کو ہم اپنے ہاتھ میں لیکر زمین میں چھپوتے تو وہ رہین میں گڑ نہیں سکتی کیونکہ نہایت نرم و نازک ہے حالانکہ اس وقت ہمارے ہاتھ کی طاقت بھی اس کے چھونے میں شامل ہے مگر اس پر بھی وہ مٹی کو نہیں توڑ سکتی خدا جانے اس نے دانہ میں سے نکلتے وقت زمین کو کیسے توڑا کیا یہ بات عجیب نہیں ہے جو کوئی عقل سے کام لے اور غور کرے وہ تو حیرت میں رہ جاتا ہے۔

پھر یہ کہ وہ جسم ثقیل ہے اس کا میلان تو مرکز کی طرف ہونا چاہیے یعنی نیچے کو یہ اوپر کو نکلا کیسا اب اسکو توڑ کر اپنے ہاتھ میں لے لیجئے پھر کوشش کیجئے کہ اوپر کو جائے دیکھیں گے جاتا ہے اب تو اوپر کو جانا کیا وہ ایک جگہ ٹھہرتا بھی نہیں جب چھوٹے گا نیچے ہی کو جائے گا کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ ایسا جسم جو طالب مرکز ہے اوپر کو چلا جاتا ہے اور کس قوت کے ساتھ کہ درخت کا تنا اڑا ہو جاتے پھر اس کو کوئی اوپر کو جانے سے روک تو لے یہ سب باتیں کسقدر حیرت انگیز ہیں اور ایک اوپر کو میلان کیا اور طرح طرح کی صنعتیں ہیں جو فہم سے بالکل باہر ہیں یہ نباتات کی حالت ہے جسمیں عقل حیران ہے کیسے مانا جا سکتا ہے کہ یہ کام طبیعت نوعیہ کے ہیں ایک گھاس کی پتی کے بننے میں بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اس کو طبیعت نوعیہ نے بنایا ہے۔

غضب ہے کہ عقل پرستوں نے تمام دنیا کے کاروبار کو طبیعت نوعیہ کے سپرد کر دیا ہے انسان جس طرح پیدا ہوتا ہے کیا سمجھ میں آتا ہے کہ کیسے بن جاتا ہے یہاں بھی عقلا زمانہ نے یہی کہہ دیا ہے کہ رحم کی قوت طبیعہ بچے کو بناتی ہے اور اسی سے اس کا گوشت پوست

پڑی سب بجھ جاتی ہے اور اس سے اس میں جان پڑ جاتی ہے اور جب اس کی خلقت پوری ہو جاتی ہے تو اسی کے اثر سے بچہ باہر آجاتا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ صرف دل کو سمجھانے کی باتیں ہیں

تکرار مشاہدے کا اثر

دراصل اس کی صرف اتنی ہے کہ دن رات پیدائشیں دیکھنے اور سننے سے استعجاب رفع ہو گیا ہے اور اس کو ایک معمولی کام سمجھ لیا گیا ہے اگر یہ کام اس کثرت سے نہ ہوتا اور کہیں سے اتفاقیہ ایک دفعہ ایسا سنا ہوتا کہ کسی عورت کے پیٹ میں سے بیت جا گتا بچہ پیدا ہوا ہے تو آپ ہی سارے تجربے کے انکار کر دیتے میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ایک بچہ کی حیوانیت سے وہ ہوش سنبھالنے اس بات کی پوری نگرانی کر کہ ولادت کا طریقہ کبھی بند کے گمان میں نہ پڑے بدوسے یہاں تک کہ وہ بڑا ہو جاتے اور تمام علوم و فنون اور صنعت و حرفت اور سائنس کی تعلیم پالے اور کائنات کا پروفیسر بھی ہو جاتے اسوقت اس سے ایک دن یوں کہو کہ ایک بات عجیب سنی ہے کہ ایک عورت کے بچہ اس طرح پیدا ہوا تو میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ اس کے جواب میں فوراً یہی کہے گا کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔

اور واقعی یہ بات دراصل ہے ہی عقل سے باہر لوگوں کی عقلیں دیکھتے دیکھتے عادی ہو گئیں ہیں اور جس چیز کا بار بار مشاہدہ ہوتا ہے اس سے استعجاب جاتا رہتا ہے سمجھ میں تو نباتات کا بھی پیدائش نہیں آتی تھی مگر بار بار دیکھنے سے استعجاب رفع ہو گیا۔ اب یہ انسان کی پیدائش اس سے بھی عجیب ہے جسمیں ان تمام صفتوں کے ساتھ جو کہ نباتات میں تھیں یعنی نوک پلک رنگ روغن صورت شکل نشوونما وغیرہ وغیرہ ایک صفت متحرک بالارادہ ہونا یعنی جاندار ہونے کی بھی موجود ہے جو ان سے بدرجہا بڑھی ہوئی اور حیرت انگیز ہے اور نرا متحرک بالارادہ بھی نہیں بلکہ عاقل اور سمجھ دار اور تمیز اور تصمیم ہونا بھی ہے جسکی وجہ سے انسان تمام متحرک بالارادہ چیزوں (حیوانوں) سے بھی ممتاز ہے۔ نباتات ہی کی صفتیں حیرت میں ڈال دیتی ہیں چہ جائیکہ اس میں ارادہ پورا ہونا اور ارادہ کے ساتھ عقل و فہم ادراک کلیات و جزئیات فلسفہ کی

کی ہوا میں حواس کی بحث دیکھئے۔ عقلا حیران ہو گئے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہوا کی ماہیت اور کیفیت معلوم نہیں ہو سکتے کہ یہ حواس انسان میں موجود ہیں جن چیزوں کی ماہیت عقلاء کی بھی سمجھ میں نہ آوے ان کی نسبت یوں کہنا کہ ان کو بے عقل اور بے وہ والی چیز سے پیدا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس دلیل صحیح سے ہر روز مرہ کے کارخانے ہیں جن کو برابر دیکھتے ہیں ہم بھی ہماری سمجھ سے باہر ہیں عقل اس بھی کام کی نہیں حواس کو تابع سمجھ لے

قوتِ عقل کی حد

اس سے معلوم ہوا کہ عقل کی طاقت بہت محدود ہے اور قطع طریقہ یہی ہوگا کہ اس کی طاقت کو محدود سمجھا جائے اور جہاں تک اس سے کام لیا جا سکتا ہے وہاں تک کام لیا جائے۔ اس کی طاقت کی حد یہ ہے کہ احکام بھی و نقول و اصلی تعیین کرے اور یہ اس کی طاقت سے باہر ہے کہ ان کی مزاج سمجھ لے جیسا کہ طبعیات میں بھی عقل کو تجربہ کی مدد سے کام کرنا پڑتا ہے اس کو استقراء کہتے ہیں جس سے ایسے نتائج مستنبط ہو جاتے ہیں اور اگر عقل مزید بحث کرے تو ایک قدم بھی نہیں چل سکتی اور نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں۔ سب کے استقراء سے بھی رہ جاتے اور مسببات سے مستغنی رہ سکے اس کو دوا کا کوئی مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے جو کہ مسلم ہے کھانا بھی ہے تو اتنا دانا تو عقل کو ہے کہ آگ جلانے کی ترکیب کو سمجھے اور اس کے موافق عمل کرے اس سے کھانا پک جائے گا اور مقصود حاصل ہو جائے گا اور اگر اس میں عقل سے کام لیا کہ یہ ہے اور آگ سے کھانا کیونکر ایک جاتا ہے اور یوں چاہے کہ جب تک معلوم نہ ہوگی اس وقت تک آگ کا استعمال نہ کروں گا تو اس بحث کے دریافت کرنے میں سارا وقت جبکہ ساری عمر ختم ہو جائے گی اور کچھ معلوم نہ ہو سکے گی اور جو مقصود ہے یعنی کھانا تیار ہونا وہ کبھی حاصل نہ ہوگا۔

غرض عقل کو اس کی حد تک رکھنے کی ضرورت ہے تو ثابت ہوا کہ عقل بیکار چیز تو نہیں ہے اس سے کام لینا چاہئے مگر جب تکوینیات میں اس کی یہ حالت ہے کہ ایک حد تک

کام ہے۔ اس سے آگے کا مرحلہ ہے کہ ہم اپنی توانائیوں کو کس طرح استعمال کریں۔ کیسے ہو کہ توانائیوں کا صحیح استعمال ہو۔ توانائیوں کا صحیح استعمال اس سے دو قدم آگے ہے۔ مثلاً سمجھو وہ حد ہے کہ احساس شکر کیسے کرو کس طرح کرو ہو سکتے ہیں۔ اس سے آگے کا مرحلہ ہے کہ اس نعمت کے مقصد وجود کو پہچانو۔ جو اس نعمت کا مقصد ہے اس نتیجہ کو ضرور حاصل کریں۔ جیسے تمہارے گھر میں ایک چولہا ہے۔ اس پر کھانا پکانے کے لئے تم نے ایک برتن رکھ دیا ہے۔ اس برتن میں کھانا پک رہا ہے۔ اب کوئی کہے کہ ہم تو اس کھانا پکنے کا انتظار کریں گے۔ اس کی حفاظت کریں گے۔ اس کی نگرانی کریں گے۔ اس کی علت کا سے اور مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو ان مقاصد سے ہٹ کر وہ حفاظت کیسے ہوگی۔ اسے گرد ہونے کا مزا ہاتھ نہ آئے گا۔ نعمت ہونے سے رہ جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق میں آپ نے فرق نہیں دیا تو شعبات میں بھی ہیں سمجھ کر تصرف نہیں دیا۔ ان میں اللہ کا حق حق تعالیٰ ہی کے لئے سمجھ ہر آپ کا کام تو محض نیابت ہے۔ اس کام کا حق حق والا ہی کا ہے یعنی تصرف

مومن کا کام اس کی نگاہ میں سود و زیاں سے وہ نفع دیتا ہے اور نقصان دیتا ہے اور نقصان کا ہوتا ہے ایک مطلوبی ہے اختیاری۔ مطلوبی تو یہ ہے کہ جتنے کام دنیا میں ہو رہے ہیں ان سب میں ہو جو رہے ہیں اور جیسے حق تعالیٰ چاہتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے موت حیات صحت مرض جو چیزیں ہمارے اختیار میں نہیں اور نہ وہ اسباب ہمارے اختیار میں ہیں جو ان میں موثر ہیں جیسے کہ دوا علاج بارش وغیرہ ان سب میں ہم کو انتظار اور بردباری کرنا پڑتا ہے جو چاہتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے ہمارے ارادے کے موافق کچھ بھی نہیں ہوتا ہیں جیسا چاہتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے یہ ہی مقام اختیاری بھی کرو اور دعا ہے کہ ان تکوینیات پر جزع فزع، شکوہ شکایت نہ کرو۔ موت ہو تو اس میں حدود شرعیہ سے بڑھو حیات ہو تو اس میں بھی حدود شرعیہ سے نہ بڑھو

[illegible] بیماری میں صبر کرنا اختیار [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

[illegible]

معیارِ اسلام کامل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] عادت کو [illegible] پر منطبق کرتے جاتے اس وقت یہ شک رفع ہو جائے گا اور
[illegible] کہ ہماری اوقی حالت بھی صحیح نہیں سب سے اوّل تو یہی معلوم ہو گا کہ ہم
[illegible] کی تعمیل ہی نہیں کرتے بعض کی تعمیل بھی کرتے ہیں ان کے اجزا بھی ناقص
[illegible] مثلاً نماز کو لیجئے جماعت کو لیجئے مثلاً نماز کا اس کے جس جزو کو لے
لیجئے وہ صحیح نہیں قیام ہے وہ ٹھیک نہیں قرأت ہے وہ ٹھیک نہیں سجود ہے وہ ٹھیک نہیں
تو جس کے اجزا ٹھیک نہیں وہ مجموعہ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا ثابت ہوا کہ ہماری نماز
ٹھیک نہیں اور عبادت کا ایک نمونہ ہے بطور مثال کے میں نے اس کو بیان کر دیا
جب اس کی یہ حالت ہے تو دوسری عبادات کی حالت اس سے گری ہوئی ہو گی ناقص
عبادت کا یہ ضرور نتیجہ ثابت ہوا اور صحیح نہ ہونے کی ہم تم سب ثابت ہوئے
اب آگے چلئے صحیح اور حقیقی میں زندگی کے احکام دیکھئے تمام ہی عبادات موجود ہیں شریعت کے موافق ایک کام بھی نہیں تو صحیح اور حقیقی میں بھی ہم قطعاً ثابت ہوئے غرض زندگی اور موت کا سارا کام ہمارا اپنے نفس کے موافق ہے صورت میں بھی شریعت کے موافق نہیں معنی میں بھی ہمارا شریعت کے موافق نہیں بلکہ ہمارا شریعت کے موافق نہیں بلکہ دین ہمارا شریعت کے موافق نہیں۔ اخلاق کو دیکھئے سب ہم میں موجود رہا ہم میں موجود رہنے کی تخفیف ہم میں موجود ہے ناقص اخلاق ذمیمہ ہم میں سب موجود ہیں اور اخلاق حمیدہ میں سے ایک بھی نہیں صبر نہیں شکر نہیں تسلیم نہیں رضا نہیں جس وقت آپ کتابوں سے اپنے عادت کو دیکھیں گے تو آنکھیں کھل جائیں گی اور معلوم ہو جائے گا کہ ہم کس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور کس بات پر ہم نے خیال جما رکھا ہے کہ ہم کو قرأت آخرت میں کام آئے غرض ہمارا ظاہر و باطن اور خلاق اور عمل کچھ بھی درست نہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ سر سے پیر تک ہم گناہوں ہی میں ملوث رہتے ہیں۔ ہاتھ ظلم میں مشغول ہے زبان غیبت میں آنکھ نظر بد میں دل غیر اللہ میں گناہ ہوا ہے کس حالت کو کہا جائے کہ

آج کا تمدن اور ہمارا مذاق

یہ تو ہے جیسے کسی کو بھی صحت منظور ہو اس کے لئے وہ چیز استعمال کرے جو
دے ہے صحت کی لیکن کھانے کھانے تو اس سے بھی صحت حاصل ہو کر معلوم ہے مگر کھ
بے ہیں بگڑے ہوئے ہیں ان کے لئے وہ چیز استعمال کی جاتی ہے جو اس بیمار کو
اس کی ڈالا ہے لیکن اگر سمجھ کھا کر صحت ہو سکتی ہے تو کہ سے تمدن صحت
حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ بات جو اس بات پر منحصر ہو رہا ہے کہ ہم کس کی ترقی چاہتے
ہیں کتی ہے، دوسری اور تکمیر سے ہو سکتی ہے اور علی قدر مراتب نفرت - شخص میں ہیں مثلاً
ہے ان کو سے چھوٹا جانا ہیں یا سا ہی چاہتا ہے کہ ہیں ہی ہر جگہ کسی بات میں
دوسرے سے پیچھے نہ رہوں اور اس کی بیان کہ تو ہے ہے۔ اگر دوسرا کسی بات میں آگے
بڑھنے لگے تو اس سے روکنے کی تدبیر کی جاتی ہے کہ یہ ہم سے بڑھ جائے اگرچہ ہم کو بھی بڑھنا
نصیب ہو مگر یہ بھی نہ بڑھے پائے کسی کی خوشی جیتی تو ہم کو اپنی عزت رکھنی
کر ہیں ہیں آتا اور یہی جی چاہتا ہے کہ یہ خصلت اس سے چھن جائے یہ اسی بڑے بننے کے
نتائج ہیں۔

اور یہ دوسرا مرض پیدا ہوا اس کا نام حسد ہے تمام فضلاء نے ان اخلاق کو اخلاق ذمیمہ
میں شمار کیا ہے مگر آجکل یہ اخلاق فاضلہ میں شمار ہیں اور انہی پر ترقی و تمدن
و جدید فضائل کی بنا کی گئی ہے

اخلاق ذمیمہ کے دنیوی نتائج

صاحبو ذرا ہوش سے کام لو حسد
اور کبر تو وہ چیزیں ہیں جو تمام برائیوں کی
جڑ ہے ان سے نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا شرعاً تو یہ گناہ ہیں ہی، دنیا کے نتائج بھی
جو ان سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ایسے ہیں جس سے ایک مخلوق کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے
سب جانتے ہیں کہ انسان کی طبیعت میں تمدن ہے یعنی مل جل کر رہنا اور انسان دوسرے
حیوانات کی طرح نہیں ہے جن کو مل جل کر رہنے کی ضرورت نہیں ان کے کھانے پینے کی چیز

ہے۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور بسم اللہ پڑھ کر اپنے ہاتھ کو اپنے ٹھوڑے پر رکھ کر اپنے منہ کے اندر ہی یہ بات کہی اس کی کامل درجات ملنے کے لئے ملائکہ سبحانہ ہوتے ہیں کہ کوئی انسان ان کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی شخص تقدس کی تو دوسرے سے بھی یہ ضرورت ہے دوسرا کسی کے لئے ایک اشارہ نشانات کرتے ہوئے کہ اس کا ہاتھ دوسرے پر ہوتا ہے۔ اس سے اس روحانی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی اس حقیقت سے حقیقت ہے تقدس اور یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے کو علم پہنچانے کا خیال بھی ہو۔ یہ حیاتی حسد کی قسم ہے اور حسد اس کی صدیق کیونکہ حسد کے معنی ہیں دوسرے کی نعمت کی زوال کی تمنا کرنا اور تقدس میں ضرورت تھی کہ اس سے کوئی فائدہ پہنچے اور اس کے حصول کے لئے نعمت کی کوشش کرنے کی تو ثابت ہو گیا کہ حسد حسد ہے تقدس کی۔

اسی طرح ٹیلی پیتھی بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنی اضطراب کی بات اور یہ مقتضی ہے اس بات پر کہ اس سے سوال کرے جب یہ جانے کہ وہ اس کیوں کرنے گا یہ حقیقت سے تو فضل ہو جو ضد ہے پر کی اور کہ اس کی ضد ہے قرار ہوا کہ اس ——— یعنی لفظاً ثابت ہو گیا حسد اور کہ تقدس کے منافی ہیں سو یہاں میں عقلی خرابیوں ہیں قطع نظر اس سے کہ یہ شرعی گناہ بھی ہیں شریعت مطہرہ کی جو ہی دیکھئے کہ ہر کام میں وہ بات سکھلائی جو تمام خوبیوں کی جڑ ہے اور اس بات سے منع کیا ہے جو برائیوں کی جڑ ہیں۔ شریعت ایسی تیز ہمارے ذہن میں دی گئی ہے کہ آنکھیں بند کر کے اس کے ساتھ چلے جائیے۔ کہیں بری خرابی پیش نہ آئے گی دنیا کی بھلائی بھی اس میں ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔ مگر ہم لوگوں نے اس کو لیا چھوڑ دیا ہے کہ ہمارے کسی کام میں بھی اس کا دخل نہیں رہا ہے۔ نہ ہمارے عقائد میں نہ ہمارے باطن میں ہمارا اخلاق نہیں ہمارے اعمال میں نہیں ہماری معاشرت میں نہیں تو اس کے نتائج سامنے آتے ہیں جس کو

ذ ۔ ۔ ۔

ہوتے تھے کوئی آیا کہ حکیم صاحب یہ دوا کھو گیا ہے کہا ۔ دوگوں نے کہا میرے خاوند مجھ سے ناراض رہتے ہیں ۔ کوئی خص جو پوچھتا تھا میں بوڑھا ایک نے آپ نے تجویز کیا ہے ۔ دوگوں کو اصلاح کی بھی ۔ بعض کو مدد دیتے تھے بہت لوگ سے دست آئے ضعف ہوا ۔ آئی زکام صاف ہو گئے ہیں کہ دوسری زیادہ ہوگیں کہا آنے والا ہے تھوڑی دیر میں چوری ہو گیا ہے ۔ اس بند کرنے کی تدبیر کیجیے ۔ اس زمانہ میں بیمار ہوگئے وہ جو خوش رہتا ہے جاتا ہے کہ کوئی ڈر نہیں ۔ زمانہ کا ہاتھ چلتے چلتے وہ بھی بیمار ہو گیا ۔ تو آپ اس کو دیکھنے کیلئے رکھ گئے ۔ اس سے اس کے بچنے کی امید ہو گئی زمانہ جاتا رہا ۔ ہوا یہ صورت سے لگے بھی کوئی وجہ باقی نہ ہوگا وہ بھی حاصل ہو جاتا ہے ۔ حالت ہماری ہے کہ قوم کا علاج کرنے چلے تو کیسے خوبصورت علاج کیا ہے ۔ ہم خود پہلے مرض تک تو جانتے نہیں مگر دوسروں پر مشق شروع کر دی ہمارے نزدیک لحاظ ہے ۔ شرم ہے نہ ادب ہے ۔ نہ عقل سے نہ انجام بینی سے ۔ کیا کسی بات ہے کہ جس نے ہمارا کہنا مانا اس پر فتویٰ لگا دیا ۔ ہے مشرک سے ۔ کفر دین ہے ۔ ہمارے تمام قوم میں فرقہ بندی کرا دی اور قوم کی قوت رہی سہی بھی کھو دی ۔ بس یہی ایک فتویٰ ہے جیسے اس شخص کو حکماء گوڑ (یا حکماء گوڑ) یاد تھا ۔ آپس میں لڑ لڑا کر سب کی قوت کو کھو دیا یہ علاج کیا قوم کا کہ جتنے مرض قوم میں پہلے نہ تھے وہ بھی پیدا ہو گئے عداوت بغض کینہ حسد غیبت تحقیر وغیرہ وغیرہ جس طبیب کا علاج یہ خوبصورت ہو اس سے ملک مرض پیدا ہوتے ہوں تو اس کی بد پرہیزی تو حد سے کیسی ہو گی کیا کہا جائے ۔

خرابی کی جڑ، ہماری وجہ یہ ہے کہ طبیعت کو رائے کے تابع بنایا اور اس رائے ہو گئے (بلکہ گئے) رائے صاحبو ۔ ہماری آپ کی رائے کیا چیز ہے

حق تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی رائے کو چھوڑنے اور طاعت و انقیاد اختیار کیجئے اطاعت اور انقیاد اور بندگی کے معنی یہ ہیں کہ جس کے ساتھ جس تعلق کا دعویٰ کیا جائے اس کے حکم کے سامنے اپنی رائے بھی باقی نہ رہے اس کو اس تحقیق سے پوچھ بیٹھے ہیں ؎

نکو حوزنے خود رہا مندی مست ۔۔۔ کہ است در بن مہ خود بینی خودی

اس شعر میں رشتے کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اس کو فنا کر دیا ہے جو مقابل ہے اس کا معلوم ہو کر رہے کے تمام رشتے سے کسی وجہ سے بیان بھی جاتا ہے۔

[illegible] کے معنی یہ ہیں جس میں ایسا ہی رہتا دیکھ [illegible] [illegible] اس کا مجھ میں [illegible] جائے [illegible] اس کو اور اس علی [illegible] سے پیدا ہوتے [illegible] رشتے [illegible] حکم [illegible] مقابلہ میں [illegible] دیکھتے [illegible] کی [illegible] تک [illegible] ہے تو [illegible] اس مضمون سے ؎

[illegible] خود بینی و خود رائی

صاحب مسلک سے رشتے کا یہ ہے کہ [illegible] ہو جائے ؎

پیشہ و پیرو کہ نفس و دوست ۔۔۔ مبر دیر جا کہ خاطر جو دوست

پس رشتے کرنے کے حکم ہی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ عقل کو بالکل چھوڑ دیا جائے بلکہ یہ مطلب ہے کہ عقل سے نہ تو کام لیا جائے کہ اس سے حکم ہی کو سمجھا جائے اور بس اس سے آگے عقل کو عمل نہ دیا جائے اور بعد علم و حکام کے پھر حکم میں چون و چرا اور حیل و حجت نہ نکالی جائے۔

توضیح الفتاویٰ [illegible] جس سے بخوبی یہ مضمون واضح ہو جاتا ہے

لڑکے کو سبق پڑھانے بیٹھتا ہے تو قاعدہ لے کر اس کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور پہلے حرف پر انگلی رکھواتا ہے اور پوچھتا ہے کہ یہ کون سا حرف ہے۔ لڑکا جواب دیتا ہے کہ الف۔ پھر دوسرے حرف پر انگلی رکھواتا ہے اور پوچھتا ہے کہ یہ کون سا حرف ہے۔ لڑکے کو استاد کا انقیاد دو صورتوں میں ہے۔ ایک تو یہ کہ لڑکا اس فعل اور تجربہ کو بالکل نہ سمجھے۔ استاد کے الفاظ کو بعینہٖ نقل اتار دے مثلاً استاد کہتا ہے کہ اس حرف کو کہو الف تو یہ بھی کہتا ہے اس حرف کو کہو الف۔ اس صورت انقیاد کی یہ ہے کہ لڑکا اس عمل اور تجربہ سے کہ ان پورے حروف کی نقل تو کرے لڑکے کو نہ سمجھے کہ کیوں الف اور ب کہا جاتا ہے۔ دو صورتیں ہوئیں اور ایک تیسری صورت یہ ہے کہ لڑکا اس فعل کے اور اس عمل کے اسرار سے پوچھے کہ تب جو اس حرف کو الف اور اس کو ب کہتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے اس کا اثبات یوں نہ ہو جائے کہ پہلے دو حرف لکھ لئے جائیں اور دوسرے لڑکے سے پوچھا جائے کہ ان تینوں صورتوں میں سے صحیح صورت کون سی ہے بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ لڑکے سے کام لے کر دیکھے کہ عقل سے کام لیتا ہے یا نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس عقلمند لڑکے سے استاد سے الف کو الف کہنے اور ب کو ب کہنے کی وجہ دریافت کرے۔

میں خود ہی اس کا جواب دیتا ہوں کہ بہت سے علماء اور صحیح عقل والے ایسے ہیں کہ تو ان کی عقل سے دور ہے اس سے محبت کرے اور ان سے الف کو الف کہنے اور ب کو ب کہنے کی وجہ پوچھے گا تو وہ بھی اس فعل کو بالکل چھوڑ دیں گے۔ اگر کوئی بچہ ایسا کرے تو استاد اس کو سب سے بڑا بیوقوف سمجھے گا۔ بلکہ بچہ کو بھی نہیں بلکہ اس کو پڑھانے والے کو بھی بیوقوف سمجھے گا۔ اور صحیح یہ ہے کہ عقل اور ذہانت سے تمام بچوں کی عقل کا امتحان کرے۔ جس بچہ میں عقل سے کام لینے کا مادہ زیادہ پائے اس کو زیادہ کام دے۔ اس وقت اس کو چاہیے کہ اس قابل استاد کا احترام کرے اور الف کو الف اور ب کو ب کہنا

[illegible] کہلاتا تھا جو واقع میں ہے۔

اسی طرح جو لوگ احکام شرعیہ میں عقل کو مطلقاً بیکار سمجھتے ہیں بس وہ اس بچہ کے موافق ہیں جو صرف نقل سے کام لیتا ہے اس لئے ان سے بھی کہا جاتا ہے کہ اس طریقہ کو چھوڑ کر صحیح طریقہ کا علم بھی حاصل کیجئے اور اس کو بروئے کار لانے کے بعد آپ کو خود اس بات کا انکشاف ہو جائے گا کہ احکام شرعی حکمتوں سے خالی نہیں اس وقت آپ کی فطرت اور عقل کے بالکل موافق ہیں اس وقت یہ عبارت ہوگی کہ آپ کے لئے یہ ہی دلیلی

ع ۔ چو آں خست دانند شیریں بود

اس صحیح طریقہ پر چلئے اور جستجو کیجئے تو احکام کی حکمتیں معلوم کرنا اس طرح قیامت تک بھی نہیں معلوم ہو سکتی یہ خیال ہی غلط ہے۔ بچہ کی مثال سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ عقل سے کام لینے کی معنی ہیں اور کہاں تک اس کی ضرورت ہے اور نقل کو چھوڑنے کے کیا معنی ہیں اور اس کی ضرورت کہاں ہے اس سے یہ بھی تیسری درمیانی شق پیدا ہوتی ہے جو صحیح ہے اور جو حصول علم و عرفان حقائق کا صحیح ہے بچہ اس طریقہ سے علم حاصل کر سکتا ہے نہ تو استاذ کی نقل اتارے۔ اس سے الف کو الف کہنے کی وجہ پوچھے بلکہ اتنی نقل سے تسلی ہو جائے کہ استاذ کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی نقل اتاری جائے اور کہو الف کہو ب کہا جائے بلکہ الف دیکھے اور جس حرف کا خواہ مخواہ بتلایا جائے وہی بتلاتے اس میں حیلہ و حجت اور قیل و قال نہ کرے یہاں عقل کو چھوڑ دے دیکھئے اس بچہ سے صحیح حد تک تو عقل سے کام لیا اور اس حد سے آگے چھوڑ دیا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دن بدن اس کے معلومات بڑھتے جائیں گے اور عالم ہوتا جائے گا حتی کہ ایک دن وہ بھی آئیگا کہ حقائق کا اس پر انکشاف ہو جائے گا یہی طریقہ آپ کو بھی احکام ہی کے متعلق اختیار کرنا چاہیئے کہ نہ تو اتنے موقوف

کر عقل سے کام ہی نہ لیجئے اس کا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ یہ شریعت کو بھی شریعت سمجھ لوگے اور اس قسم کی عادت سی بچپن سی ہو جائے گی جس کو ساد پتا سے کہو سف اور کہور تو وہ بھی کہتا ہے کہو سف کہو ب کہ اس نے اس بات کو جو واصل ہے نہ تھی یعنی لفظ کہو کر بھی واصل سمجھ لیا اور عقل سے اتنا کام نہ لیا کہ احکام میں وجہ تکلیف اور فلسفہ پوچھتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ علم و معرفت سے کورے رہ جائیں گے اس بچہ کی طرح جو ساتھ سے پہلے ہی دن پوچھتا ہے کہ الف کو الف کیوں کہوں اور ب کو ب کیوں کہوں یہ مرتبہ عقل کو چھوڑ دینے کا ہے یہاں چھوڑ دینا ہی اچھا اور ضروری ہے جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

آدمی را عقل دادن نہ بتست ۔۔۔ عقل را دادن بہ سزائش حیرتست

اس طرح سے سارے شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں اللہ محمد ﷺ کو احکام و ملتیں بنانے کی اجازت ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے ہمیں اپنی عقل سے کام لینے کی ۔ ہے کہ عقل سے کام لینے سے محافظت جس کا آج کل غلبہ ہو رہا ہے اور اس کو اب کی چیز خواہ مخواہ سمجھا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے احکام کی علل و حکم خوب بیان کئے ہیں ۔

صاحبو شریعت کی یہ غرض و غایت نہیں ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر حال میں حکم الٰہی کے سامنے انقیاد ہو اور شریعت پر عمل ہو ۔ سب حالات عبادات عادات اخلاق معاملات ۔ معاشرت سب شریعت کے موافق ہوں اپنی عقل سے صرف اتنا کام لیجئے کہ ہر کام میں یہ تحقیق کر لیا کیجئے کہ اس میں شریعت کا حکم کیا ہے جب شریعت کا حکم معلوم ہو جاوے تو اس کو تسلیم کیجئے اور اس کے موافق عمل کیجئے اور اس میں تعقلیں نہ نکالئے ۔

رائے کی شریعت

مگر میں ضرورت سمجھ کر یہ بھی بتلائے دیتا ہوں کہ شریعت سے مراد کون سی شریعت ہے ۔ میری مراد وہ شریعت ہے جو اغراض کے تابع نہ ہو آپ سوال کریں گے کہ کیا شریعتیں دو ہیں ؟

تو میں کہتا ہوں کہ جی ہاں آج کل دو سو میں سے تو ایک ہی تھی مگر آج کل دو ہو گئی ہیں اس زمانہ میں ایک نئی شرعیت پیدا ہوئی ہے، وہ یہ ہی سہل ہے کہ جو چاہو کرتے رہو اس شریعت سے صدور کرنے والا ہوتا ہی نہیں بڑے سے بڑا کام کرے رہو اور گناہ نہ ہو دین ہاتھ سے نہ جائے دیانت کی میعاد قائم ہے، اور یہ میری کوئی خیالی بندش نہیں ہے بلکہ فقہ کی اکثر کتابوں میں ہے جی ہاں کا دقعہ ہے وہ فتوی میں سے بھی دیکھا ہے کہ صاحب پنی ساس پر مفتون ہو گئے کیسا زمانہ آگیا کہ آدمی انسان سے گدھے گھوڑے بن گئے اصلی عورتوں سے تو پردے کو اس لئے لہجاتا ہے کہ ان میں فتنہ کا احتمال ہے اور محرمات سے پردہ کو اس لئے نہیں کہا جاتا کہ وہاں فتنہ کا خوف نہیں کیونکہ حرمت تو بھی موجود ہے جو مسلمان کے لئے یقینا مانع ہو سکتی ہے، اور اگر طبیعت سلیم ہو تو محرمات سے کراہت طبعی بھی موجود ہے مگر کیا کیا جائے کہ دین و شریعت کا تو ذکر ہی کیا ہے، اکثر طبیعتیں بھی انسانی طبیعتیں نہیں ہیں بلکہ گدھے اور بندر کی سی طبیعتیں ہو گئیں اس کا تو مقتضی ہی معلوم ہوتا ہے کہ ساس سے بھی پردہ کا حکم دیا جائے بلکہ ایک ساس ہی کیا تمام محرمات سے پردہ کرایا جائے کیونکہ جب بھیڑ بکے کی تمیز باقی نہیں رہی تو کیا عجب ہے کہ بہن بیٹی اور ماں کی طرف بھی میلان ہونے لگے بلکہ ایسے واقعات ظہور میں آنے لگے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک)

غرض وہ صاحب ساس پر مفتون تھے مگر بدنامی کے خیال سے یہ فکر ہوئی کہ ناجائز تعلق نہ رکھیں بلکہ جائز کر کے رکھیں لہذا ایک دین فروش نام کے مولوی کے پاس گئے یہ مولوی تھے ایسے نالائق بیہودہ کہ مولوی کیسے کہوں ایسے لوگوں نے تو مولوی کے نام کو بھی بدنام کر دیا

غرض تھے کوئی نام کے مولوی، نام کے مولوی اس لئے کہا کہ ظاہر میں پڑھے لکھے تو تھے مگر اعمال ایسے تھے کہ جاہل سے بھی نہ ہوں چنانچہ اس نے ساس جیسی محرم مؤبدہ کو بھی حلال کرا دیا چنانچہ آگے آتا ہے غرض اس جاہل نے اس دین فروش سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ ساس پر میری طبیعت آگئی ہے اور کھلم کھلا ناجائز کام کرنا منظور نہیں کیونکہ بدنامی بہت ہوگی

لہذا کسی طرح جائز کرے تو اس سے نکاح کرلو اس سے نکاح کسی طرح ہو سکتا ہے اور یہ جانتی ہے کہ ساس سے بڑا بہتر ہے ساس کو طلاق بھی دے کہے لگے تو مجھ سے ایسا مشکل کام لیں چلتے ہو مگر فیس ہو جیں گے میں اس میں بہت روپیہ خرچ ہوگا اس لئے ایک ہزار روپیہ فیس لیں گے اس کی طبیعت آئی ہوئی تھی کہ ہاں دیدیا بڑی بات تھی اسی کسی نے سچ کہا ہے زنا الحرام [illegible] ایک تو حرام کا مزا ہے دوسرا اس کی ذات تک محدود رہتا ہے وہ اس فاتحہ جیسے کا اور سب تک اس کا اثر نہیں پہنچتا اور یہ گناہ حلال کا چوتا ہے یہ متعدی ہوتا ہے اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں تک اس کا اثر پہنچتا ہے کیونکہ وہ اس کو جائز بنا کر کرتا ہے جس سے تعدد [illegible] کہتے ہیں یہ نہیں فرمایا خود ڈوبا ہی دوسرے کو بھی ڈبویا اور اس کیلئے ساس کو پھنسانا ضروری نہیں بلکہ دلیل سے ورنہ عمری فتوی سے [illegible] تو ہیں ہے کہ ساس کو بیٹیں ہوں

اس کی دلیل سنئے فرماتے ہیں ساس کی حرمت آیت کے اس ٹکڑے سے ثابت ہے وامہات نسائکم اس کے معنی ہیں تمہاری بیویوں کی مائیں بھی حرام ہیں بیوی کی ماں کو ساس کہتے ہیں اس سے ساس کی حرمت ثابت ہوئی اس میں اس جاہل نے ایک مقدمہ قائم کیا وہ یہ کہ ساس کہتے ہیں بیوی کی ماں کو اور بیوی کس کو کہتے ہیں جس سے نکاح ہو اور سب جانتے ہیں کہ نکاح سے مراد نکاح واقعی ہے لفظی نہیں اب یہ دیکھو کہ بیوی سے تمہارا نکاح واقعی ہوا تھا یا نہیں بس اس میں کلام ہے کیونکہ واقعی نکاح جب ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں مسلمان ہوں اور بیوی تمہاری عاقل ہے (یہ پہلے سے معلوم کر لیا تھا کہ بیوی عاقل ہے اور یہ بھی پوچھ لیا تھا کہ نکاح کے وقت کلمہ پڑھائے گئے تھے یا نہیں معلوم ہوا نہیں پڑھائے گئے) بس یہ کام بن گیا اور گنجائش نکل آئی کہ جاہل بسا اوقات کفر کے کلمے بکا کرتے ہیں تو جاہل آدمی کے ایمان ہی کا کیا ثبوت ہے اور نکاح کے وقت بھی کلمے نہیں پڑھائے گئے جس سے یہ کہا جا سکے کہ پہلے سے وہ مومن نہ ہو مگر اسوقت تو مومن ہو گئی غرض بیوی کا ایمان ثابت نہیں

اور نکاح کے لئے ایماں شرط ہے جب یہ شرط نہیں پائی گئی تو نکاح صحیح نہیں ہوا تو وہ منکوحہ نہیں ہوئی اور اس کی ساس ساس نہیں ہوئی بلکہ ایک اجنبی عورت ہے لہذا نکاح جائز ہے باقی حرمت مصاہرت وہ مختلف فیہ مسئلہ ہے کچھ ضرور نہیں کہ امام صاحب ہی کا قول لیا جاوے۔

دیکھئے سب موانع مرتفع ہوگئے اور ساس کا نکاح دلیل سے جائز ہوا یا اور دین کے اندر بھی داخل ہوگیا اور اس سے کتنا بڑا کام نکل آیا ایک شخص کا دل خوش ہوگیا اور جہاد کے نزدیک وہ گناہ سے بھی بچ گیا۔ سو حضرت ایک شریعت تو یہ ہے اس شریعت سے تو خدا بچائے اس کے لئے فقیہ کی ضرورت نہیں یہ شریعت وہ ہے جو رائے سے تابع ہے۔

شریعتِ حقہ۔ اور ایک وہ شریعت ہے جو رائے سے تابع ہوں کا انقیاد کرے اور اپنے اغراض کو بیچ میں مت لاؤں اور اس بات پر کمر باندھ لو کہ شریعت کو ہر چیز پر مقدم رکھیں گے چاہے زمینداری جائے یا نہ رہے۔ اولاد مرے یا زندہ رہے خدا اور رسول کا حکم ہے گے زمینداری میں کوئی حق شریعت کے خلاف نہیں رکھیں گے چاہے ساری زمین بھی نکل جاوے اولاد کے لئے کوئی ٹوٹکا کوئی خلاف شروع نہ کریں گے چاہے اولاد سب مرجاوے یہ ہے شریعت اس کا انقیاد چاہئے۔ حق اس طرح ملتا ہے کہ اپنے اغراض وغیرہ سب چھوڑ کر شریعت ہی کو اصل غرض قرار دو پھر وہ کوئی اچھی ہوئی چیز نہیں ہے اور اس میں کچھ کھینچ تان کی ضرورت نہیں اور نہ وہ ایک ہزار دیسے سے پیدا ہوتی ہے یہ شریعت نہیں ہے کہ حلت نکاح کو غرض قرار دے کر حکم تلاش کیا گیا اور شریعت کو اس کے مطابق کیا گیا ایسی بیہودہ شریعت کے لئے ضرورت ہے کھینچ تان کی اور ایک ہزار روپیہ کی یک سزا کا مسئلہ تو کہیں نہ کہیں سے اپنی خوشی کے موافق مل ہی جائے گا مگر وہ حق نہ ہوگا نہ خدا اور رسول کا حکم ہوگا بلکہ اپنا حکم ہوگا خوب کہا ہے ؎

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

غرض اور رائے کو آگے رکھ لینے کے بعد انکشاف حقیقت نہیں ہوسکتا۔ حق کا پتہ نہیں چل سکتا

اتباعِ شریعت کی پہچان

۔ جانے پاتے آج کل زبانت کا ایسا استعمال بیت ہو رہا ہے سو یہ شریعت نہیں ہے اور اس میں برکت نہیں ہو سکتی شریعت یہ ہے کہ آدمی اس بات کے لئے آمادہ ہو کر جاہے میرا نفع ہو یا نقصان اور میری مرضی کے موافق ہو یا مخالف ویسی کروں گا جو شریعت کا حکم ہو گا ؎

ناخوش تو خوش بود بہ جان من دل فدائے یار دل ستان من

یہ نیت پکے طور سے کر کے استخارہ کرو اور ہر شخص سے استفتا بھی نہ کرو ایسے شخص سے استفتا کرو جو عالم ہو دیندار ہو اور کسی سے دبنے والا نہ ہو اور لوگوں کی رائے سے متاثر ہونے والا نہ ہو تب شریعت کا اصلی حکم معلوم ہو گا پھر ہمت کرو اور اس کے موافق عمل کرو تا ہے صحیح طریقہ شریعت کے نفاذ کا۔

حاصل یہ کہ ہر حالات میں غور کرتے رہو جو حالت اختیاری ہو اس میں شریعت پر عمل کرو جو حالت اضطراری ہے اس میں تعویض تام کرو، اور کچھ چوں وچرا مت کرو جو تصرف بھی حضرات حق تمہارے متعلق کریں خوش و دلبس ہو کر یہ جان لو تب یہ کہہ سکو گے ان صوفی ولسکی وعلیی و معاذ اللہ رب سلیمی

لفظ رب العالمین کا نکتہ

اور دیکھئے قرآن شریف کی بھی کیا بلاغت ہے۔ اللہ اکبر۔ یہاں رب العلمین کا لفظ کیا موقع سے بڑھایا ہے جس کے معنی ہیں تمام جہاں کا پالنے والا۔ اس میں یہ بتلا دیا کہ ہمارے احکام میں جو سوء بھی ہے وہ ہم نے ربوبیت اور تربیت کے لئے احکام مقرر کئے ہیں تم کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں ہے ہم تم کو پرورش کرنے والے ہیں اگر کسی حکم میں کچھ تکلیف بھی معلوم ہوتی ہو تو اس کی ایسی مثال ہے ؎

طفل میسوزد ز نیش احتجام مادر مشفق ازاں غم شاد کام

کو سمجھا ان سے پوچھئے بعض وقت عاشق کلمات میں اس پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے انہی کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے ؎

دوست وقت ستور پیکاں غمزہ — گر ریش بیند و گر مرہمش

گر اماں ہے از دوست سی سنور — نامہ بس نادر کہ می صبور

و مدام شراب لم در کشد — و گر تلخ بیند دم در کشد

ان کی حالت ناگواری میں بھی وہی ہوتی ہے جو خوشی میں ہوتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی نظر ہر وقت ہر حالت میں حق تعالیٰ پر ہوتی ہے اور ہر چیز کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ محبوب ہیں جو چیز کہ بحکم محبوب کا عطیہ ہے ایسے ان مصیبت کو بھی اسی محبوب کا عطیہ سمجھتے ہیں جس طرح دوست کو سر آنکھوں پر لیتے ہیں ایسے ہی مصیبت کو بھی سر آنکھوں پر لیتے ہیں جب دونوں کا متعلق محبوب سے ہے تو دونوں میں فرق کرنے کی کیا وجہ؟ سبحان اللہ ان لوگوں کی کیسی پاکیزہ ہے کہ ناگواری ان کے پاس ہی نہیں آتی اور کسی حالت میں وہ ناخوش نہیں ہوتے کہ موت بھی آجائے تو وہ بھی کہیں گے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور وہ موت پر اس طرح راضی ہوں گے جس کو عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

خرم آنروز کزیں منزل ویراں بروم — راحت جاں طلبم وز پے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم و رنج — تا در میکدہ شادں و غزل خواں بروم

اس کی وجہ وہی ہے کہ ان کے قلب میں یہ بات مرکوز ہے کہ ہر چیز از دست میرسد یکوست میسر بھی ہے تو ادھر ہی سے ہے موت بھی ہے تو ادھر ہی سے ہے اور درد بھی ہے تو ادھر ہی سے ہے اور درماں بھی ہے تو ادھر ہی سے ہے جب ہر چیز محبوب کے یہاں کی ہے تو وہ ہر چیز بھی محبوب ہے حق تعالیٰ یہ حالت نصیب کریں کہ حقیقت سمجھ میں آجائے اور ہر وقت یہ امر مکشف ہوتا رہے کہ ہر چیز حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ رب العلمین ہیں ہمارے بدخواہ

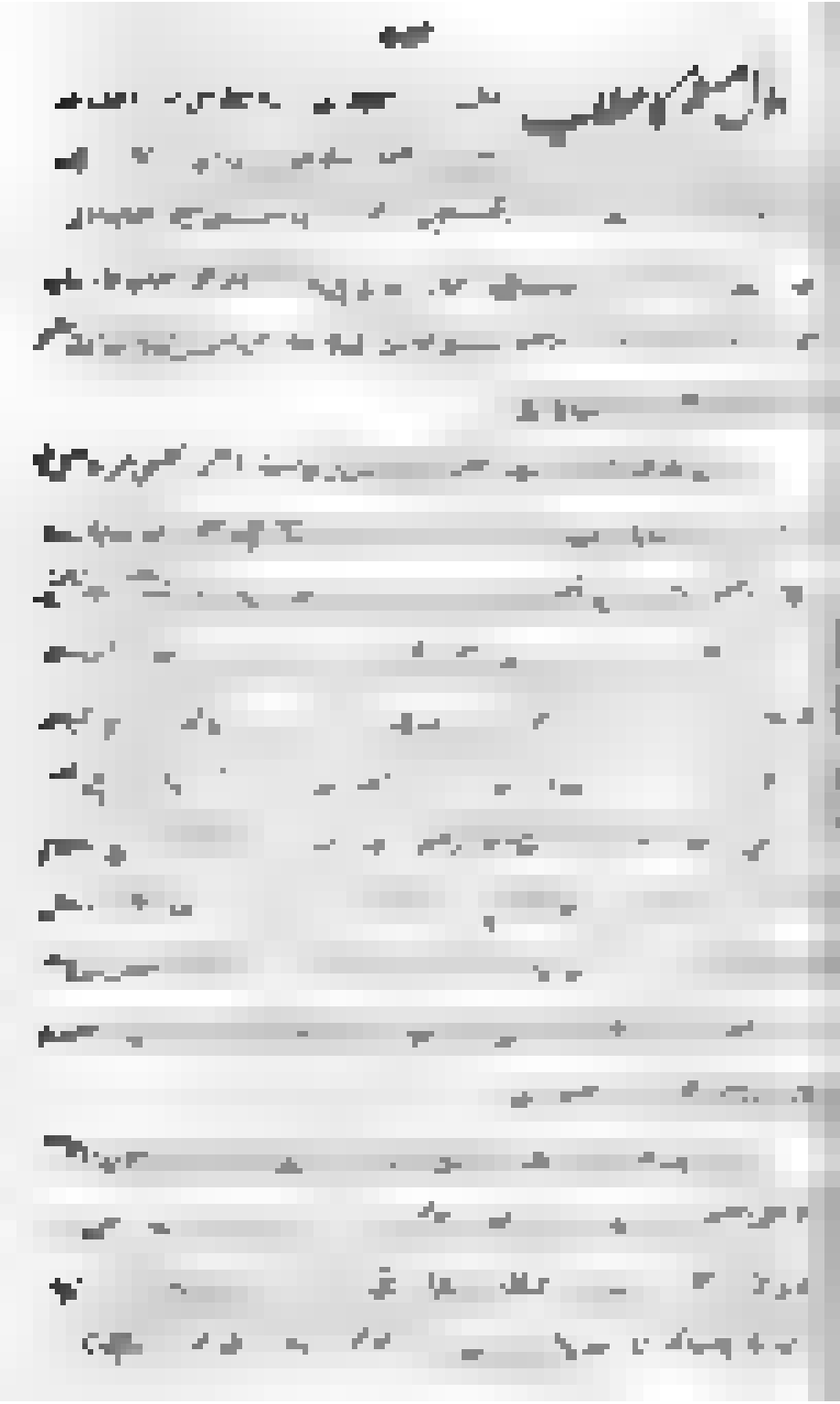

آیت میں ایسے بلیغ عنوان سے یہ تعبیر کی گئی ہے کہ کون بلو نظر نہیں ہو

اصلی دولت مختصر یہ ہے کہ اسلام کا یہ ہے کہ جہاں میں کوئی حق تعالیٰ کا سفارش مطیع ہے غرض سے قطع نظر سے اتباع اختیار کرے تو اس کی پردہ رہے ۔ ۔ ۔ ۔ حکومت کی بڑے ہونے کی بس اس کا یہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ۔ ۔ ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اس کو رنج پیش نہیں آئے گا یا اس پر حوادث نہیں آئیں گے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ کیسا ہی رنج پیش آئے اور کیسے ہی حوادث پڑیں لیکن وہ متزلزل نہ ہوگا اگر اس پر کوئی مقدمہ قائم ہوگیا تب بھی اس کا دل پریشان نہ ہوگا یہ ضرور نہیں کہ وہ تدبیر بھی نہ کرے وہ تدبیر بھی کرے گا کیونکہ دنیا کو حق تعالیٰ نے عالم اسباب بنایا ہے مگر حالت یہ ہوگی کہ ظاہر میں تدبیر ہے اور دل میں رضا بالقضا کہ اگر تدبیر سے کامیابی نہ بھی ہوئی تب بھی دل آسپر راضی ہے اس کا راز یہ ہے کہ وہ تمام تعلقات کو فنا کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کو نہ دنیا کی خوشی سے تعلق رہتا ہے نہ رنج سے اور خوشی اور رنج آنے جانے والی چیزیں ہیں اگر ان سے تعلق ہوتا تو خوشی کی بات پیش آنے سے خوش ہوتا اور اس کے زوال سے ناخوش ہوتا اس کو ان چیزوں سے تعلق تو ہے ہی نہیں پھر اس کی حالت میں ان تغیرات سے تغیر کیوں ہو اس کو اس چیز سے تعلق ہے جو غیر متغیر ہے اور ہر حالت اور ہر وقت میں یکساں باقی ہے تو اس کو تغیر کیوں ہو۔

اس واسطے میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے اتقیاء میں دنیاوی بھی راحت ہے اہل دنیا ذرا سے تغیر میں متغیر ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کو دنیا سے تعلق ہے اور دنیا ہر وقت متغیر ہے برخلاف اس کے جو اللہ کا نام لینے والا ہے کہ اس کا تعلق متغیر چیز یعنی دنیا سے ہی نہیں اس کا تعلق ایسی ذات سے ہے جس میں تغیر نہیں لہٰذا اس کو بھی کسی حال میں تغیر نہیں ہوتا اور اس کی راحت دائمی ہے دنیا میں بھی راحت میں ہے اور عقبیٰ میں بھی اور ظاہری راحت بھی اس کو حاصل ہے اور باطنی بھی

نسخہ برائے معالجہ، صاحبو! اس راحت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس کے لئے ضرورت ہے علم کی یعنی یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کیا چیزیں ہیں جن سے یہ راحت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب تک کسی چیز کے اسباب کا علم نہ ہو اس وقت تک وہ کیسے میسر ہو سکتی ہے اور نرا علم بھی کافی نہیں علم کے بعد ضرورت ہے عزم کی یعنی ہمت کی کیونکہ اگر ایک چیز معلوم بھی ہوگئی اس سے فائدہ جب ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جب کہ فائدہ حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے۔

مثلاً ایک شخص کے سامنے کھانا رکھا ہے اور اس کو معلوم بھی ہے کہ کھانا رکھا ہے تو ترے اس معلوم ہونے سے مقصود حاصل نہ ہوگا مقصود جب ہی حاصل ہوگا جب ارادہ بھی کرے یعنی کھائے اب مقصود یعنی پیٹ بھرنا حاصل ہوگا اور علم حاصل کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ سب کے سب مولوی بن جاؤ بلکہ جو فکر معاش سے فارغ ہیں وہ مولوی نہیں اور جو فارغ نہیں ہیں وہ ہر بات کو مولویوں سے پوچھ لیا کریں ان کے پاس آمد و رفت رکھیں ان سے تعلق پیدا کریں۔ جو لوگ کچھ لکھے پڑھے ہیں وہ اردو یا فارسی میں دین کی کتابوں کو دیکھتے رہیں مگر یہ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ کتابیں وہ ہیں جن کا دیکھنا علماء تجویز کردیں ہر ایک کتاب بھی دیکھنے کے قابل نہیں ہے علماء سے اپنی حالت اور علمی لیاقت بیان کرکے پوچھو کہ ہم کو کون کون سی کتاب دیکھنی چاہئے جو وہ بتلادیں وہ کتاب دیکھو بعض لوگوں کو کسی اچھی کتاب کے دیکھنے سے بھی منع کیا جاتا ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ کتاب دیکھنے کے قابل نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ان میں قابلیت اس کے دیکھنے کی نہیں ہے جیسا چھ عوام کو تصوف کی کتابیں دیکھنے اور قرآن شریف کا ترجمہ از خود پڑھنے سے اسی وجہ سے منع کیا جاتا ہے۔ غرض جن کو پڑھنا آتا ہے وہ اپنی لیاقت کے موافق علماء سے پوچھ کر دین کی کتابوں کو پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھادیں اور سنادیں اس طرح سب عالم بن سکتے ہیں۔

اصطلاحی مولوی بننا سب کے لئے ضروری نہیں۔ غرض کمال اسلام کیلئے ضرورت ہے علم اور ہمت کی۔

اور تیسری چیز ایک اور ہے جس سے علم و ہمت میں قوت ہوتی ہے وہ اہل اللہ کی صحبت ہے یہ عجیب چیز ہے جس سے اس مردہ جسم میں روح پڑجاتی ہے اسی کو کہا ہے ؎

مقام امن و مے بے غش و رفیق شفیق ۔۔۔ گرت بدام میسر شود زہے توفیق

اگر ہمیشہ میسر نہ ہو تو گاہے گاہے بھی موقع ہو اور ایک چیز اس کی قائم مقام بھی ہے کیونکہ جب مرد ارید میسر نہ ہوں تو صدف سے ہی کام نکال لیا جاتا ہے اس کا بیان اس شعر میں ہے

؎ دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است ۔۔۔ صراحی مئے ناب و سفینۂ غزل است

یعنی بزرگوں کے تذکرے اور حالات جن میں برقی اثر ہے کہ کیسا ہی کم ہمت آدمی ہو ان کو پڑھ کر

ایک دفعہ تو مستعد ہو ہی جاتا ہے ان میں بھی صحبت کی ہی برکت ہے اگر صحبت میسر نہ ہو تو اس کو اختیار کرو بہت کام دے گی پس یہ تین جزو کا نسخہ ہے۔ علم اور ہمت اور صحبت اہل اللہ۔

پرہیز : بس یہ نسخہ معالجہ کے لئے کافی ہے مگر معالجہ میں پرہیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے وہ معاصی ہیں جن سے پرہیز ضروری ہے اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ محاسبہ کی عادت ڈالئے اس طرح کہ سوتے وقت پندرہ بیس منٹ کا وقت اس کے لئے مقرر کر لیجئے اس میں یہ سوچا کیجئے کہ آج ہم سے کیا کیا معصیت ہوئی اس سے توبہ کیجئے اور عزم کر لیجئے کہ کل کو یہ معاصی نہیں کریں گے جب صبح کو اٹھئے تو اس عہد کو یاد کیجئے کہ رات فلاں فلاں معاصی سے توبہ کی تھی اور عہد کیا تھا کہ آج یہ کام نہ کریں گے اور وہ پھر اس کا خیال رکھئے جس سے وہ معاصی تو ہرگز نہ ہونے پائیں اور ہمت کیجئے کہ اور کوئی معصیت بھی نہ ہو اگر آج وہ پرانی معصیت یا کوئی نئی معصیت ہو گئی تو سوتے وقت اس کو شمار میں لائیے اور اس سے پھر توبہ کیجئے اور پھر یہی سلسلہ جاری رکھئے دیکھئے گا کہ کتنی جلدی معاصی چھوٹ جاتے ہیں اور پرہیز مکمل ہو جاتا ہے پھر دیکھئے گا کہ معالجہ سے کتنا نفع ہوتا ہے وہ نفع یہ ہوگا کہ آپ کی عبادت اور حیات و موت سب خدا کی مرضی کے موافق ہو جائیں گی یہی کمال اسلام ہے جس کا ہر مسلمان طالب ہے اور اسی کا بیان اس آیت میں مذکور ہے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ فہم اور علم اور ہمت اور حقیقت شناسی عطا فرما دیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

التماس از جانب کاتب وعظ ھذا

احقر محمد مصطفےٰ عرض کرتا ہے کہ یہ وعظ میں نے اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لئے لکھا ہے جو کوئی اس کو مطالعہ کرے وہ میرے اور میرے والدین کے لئے دعائے خیر کرے۔

عمر فاروق@ون اردو

جس کے لئے بہترین الفاظ یہ ہیں۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔

اور سب سے زیادہ حضرت مولانا صاحب مدظلہ کے لئے دعا کریں کیونکہ جو کچھ ہے وہ حضرت ہی کا فیض ہے اور منشی ولی محمد صاحب کے لئے بھی دعا کریں جنہوں نے کتابت وغیرہ میں بہت مدد دی۔

والسلام

اشرف علی

۲۵ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ